''یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے آبی۔تم بھی تو دیکھو کہ وہ کتنا قابل ہے۔میرے لئے اسے اپنی انگلیوں پہ نچانا کبھی مشکل نہیں رہا۔'' وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

'' مگر وہ تو آزاد گھوم رہا ہے' ہمارے گھر تک آ گیا۔'' شیرو کرسی سنبھالتے ہوئے بولا تھا۔'' وہ زمر کو ڈھونڈ لے گا' پھر؟''

ہاشم نے کوفت سے اسے دیکھا۔'' تم گھر جا سکتے ہو۔''

''اب مجھے نیند نہیں آئے گی' اور میں یہ تھیٹر مِس نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ اطمینان سے رئیس کے ساتھ بیٹھ چکا تھا۔'' سو فارس اسے کیوں نہیں بچا سکے گا؟'' سرسری سا پوچھا۔

'' کیونکہ سر' اسے منسٹری کے ایک آفس سے غیر قانونی طور پہ فائلز نکالتے ہوئے گرفتار ہو جانا تھا۔ہم رات گہری ہونے کا انتظار کر رہے تھے' مگر وہ وہاں سے نکل گیا۔پلان بی۔وہ اب لائبریری جا رہا ہے' وہاں پولیس کی ایک وین اس کا انتظار کر رہی ہے۔وہ وہاں سے گرفتار ہو جائے گا۔''

شیرو کا دل دھک سے رہ گیا۔اسکرین پہ وہ فارس کی لوکیشن دیکھ سکتا تھا۔جی پی ایس سگنل سڑک پہ آگے جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

نوشیرواں نے بظاہر ''واؤ'' کہتے پہلو بدلا۔(اب وہ کیسے دوبارہ اپنے آفس جائے اور اسے فون کرے؟)

''سر آپ اپنا فون مجھے دے دیں۔'' رئیس نے ایک دم اسے مخاطب کیا تو وہ چونکا۔'' مگر کیوں؟''

'' کیونکہ آپ فارس سے مل کر آئے ہیں۔وہ آپ کے علم میں لائے بغیر آپ کو ٹیگ یا ٹریک کر سکتا ہے' اور آپ کی سیکیورٹی کے لئے مجھے آپ کے تمام gadgets لینے ہوں گے۔مِس آبدار کا فون بھی ہم نے اینٹرنیس پہ رکھ لیا تھا۔''

''او کے!'' بظاہر بے پرواہی سے کہتے ہوئے اس نے فون میز پہ رکھ دیا۔رئیس اسے اٹھا کر باہر چلا گیا۔(وہ لاکڈ تھا' اور شیرو کال ریکارڈ مٹا چکا تھا۔)اب نوشیرواں ان دیکھی رسیوں سے بندھا ہوا تھا اور فارس کو لائبریری تک جاتے اور ایک اور پھندے میں پھنستے دیکھنے پہ مجبور تھا۔

ہاشم اب اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔اردگرد سے بے نیاز۔منتقم آنکھیں گویا اسکرین میں چبھ چبھ رہی تھیں۔آبی صدمے اور ترحم سے زمر کو دیکھ رہی تھی۔گود میں ہاتھ رکھے بیٹھی وہ بے بس نظر آتی تھی۔

زمر اسی طرح لفٹ کے کونے میں بیٹھی تھی۔گٹھڑی بنے۔سمٹی ہوئی۔ٹھنڈے پانی میں اس کا آدھا وجود ڈوب چکا تھا' مگر جائے تو جائے کہاں۔سو بیٹھی رہی۔پرس اور موبائل ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔وقفے وقفے سے دروازے پہ بند ہتھیلی مار دیتی۔چند آوازیں بھی لگاتی مگر اندھیر پارکنگ ایریا میں رات کے اس پہر کسی نے نہیں آنا تھا غالباً۔

ساری زندگی آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح سے گھوم رہی تھی۔گونگی بہری فلم۔ٹوٹے پھوٹے سین۔وہ فارس کو کتنی اذیت دیتی تھی' اس سے کتنی تلخی سے پیش آتی تھی۔ساری بری باتیں یاد آ رہی تھیں۔ساری اچھی باتیں بھول گئی تھیں۔

وہ موبائل روشن کر کے دیکھنے لگی۔ایس او ایس ایمرجنسی کالنگ کچھ بھی کام نہیں کر رہا تھا۔اس نے گیلری کھولی۔اپنی اور فارس کی نئی پرانی تصویریں دیکھیں.....سعدی حنین.....مور چال.....اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔سگنل ہنوز بند تھے۔ایمرجنسی کال تک نہ جاتی تھی۔نوٹیفکیشن بار نیچے کیا تو زر اٹھری۔وائی فائی کا بٹن عادتاً آن تھا۔اس نے اسے زور سے دبایا تو وائی فائی کا خانہ کھل گیا۔موبائل از سرِ نو قریبی وائی فائی نیٹ ورکس کو ڈھونڈنے لگا۔زمر کے دل کی دھڑکن تیز ہوئی۔سر اٹھا کے اوپر دیکھا۔

کیمرہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔اس نے موبائل ذرا ترچھا کر کے پکڑ لیا۔

دفعتاً فون نے اطلاع دی۔قریب میں ایک نیٹ ورک آن تھا۔شاید کوئی اپنی کار میں کوئی تھری جی ڈیوائس رکھے ہوئے تھا جو آن

تھی اوراس کے سگنل لفٹ تک آتے تھے۔اس نے اسے دبایا۔پاسورڈ؟

وہ کپکپاتی انگلیوں سے ٹائپ کرنے لگی۔12345678۔یہی سب سے کامن پاسورڈ تھا۔''غلط'' نشان ابھرا۔اس نے لب کاٹتے ہوئے ایک سے نو' اور پھر ایک سے دس تک گنتی لکھی۔غلط۔دل بار بار ڈوب رہا تھا۔ڈوب کر ابھر رہا تھا۔پانی اس کے گھٹنوں تک آ گیا تھا اور آنکھوں سے پانی ویسے بھی بہہ رہا تھا۔''پاکستان'' اس نے دوسرا سب سے کامن پاسورڈ ٹائپ کیا۔غلط۔مگر وہ تھکی نہیں۔بار بار ٹائپ کرتی رہی۔الفاظ' ہند سے۔اپنے گھر والوں کے نام۔یونہی بے کار میں زمر کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس وائی فائی کنکشن کے نام میں جو بارہ ہند سے لکھے تھے' وہی اس کا پاسورڈ تھے۔

.....❖❖❖.....

قتل چھپتے تھے کبھی سنگ کی دیوار کے بیچ ..... اب تو کھلنے لگے مقتل بھرے بازار کے بیچ

حنین لاؤنج میں اداس سی بیٹھی تھی۔ایک ہی پوزیشن میں پاؤں رکھنے کے باعث وہ سن ہو گئے تھے۔وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے مسلسل ناخن دانتوں میں دبا کر کترے جا رہی تھی۔وہاں زمر کی لوکیشن لکھی دکھائی دے رہی تھی۔اس نے دوسری ونڈو میں فارس کی لوکیشن چیک کی۔وہ یونیورسٹی کے قریب تھا۔اسے کچھ تسلی ہوئی۔شکر ہے وہ اس قابل تھی کہ کسی کی موبائل لوکیشن چیک کر سکے اور حالات کا اندازہ کر سکے ورنہ تو مارے ٹینشن کے اس کا برا حال ہو جاتا اور.....

یکدم وہ ٹھہر گئی۔ایک کوندا سا ذہن میں لپکا۔اس نے تیزی سے فون اٹھایا اور کال ملائی۔

''کیا ہوا حنہ؟'' وہ ٹھنڈے سے انداز میں بولا تھا۔

''ماموں' مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔کوئی گڑبڑ ہے۔دیکھیں' پہلے ہمیں زمر کی لوکیشن مل نہیں رہی تھی' پھر اچانک سے مل گئی' اور اگر مجھے آپ کی لوکیشن معلوم ہو سکتی ہے تو ان کو بھی ہو سکتی ہے۔آپ.....آپ وہاں نہ جائیں۔''

''میں وہاں جا بھی نہیں رہا۔''

وہ ٹھہر گئی۔''ہیں؟ کیوں؟''

اور اس بلند و بالا ہوٹل کے سامنے ٹیکسی سے اترتے ہوئے فارس نے فون کان سے لگائے والٹ سے چند نوٹ نکال کر ٹیکسی والے کو تھمائے اور آگے چلتا آیا۔اس کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں نظر آتا تھا۔صرف سنجیدگی اور ٹھہراؤ۔

''کیونکہ میں ہمیشہ اس کے داؤ میں اس لئے پھنس جاتا ہوں کیونکہ میں اس کی طرح نہیں سوچتا۔وہ صرف جرم کرنے کا نہیں سوچتا' وہ کور اَپ کا بھی سوچتا ہے۔جرم کے بعد الزام کس کے سر جائے گا' یہ طے کر رکھتا ہے۔''وہ تیز تیز چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''پہلے اس نے سوچا کہ وہ شہری کے ذریعے مجھے گرفتار کروا دے' لیکن اسے اندازہ تھا کہ عین ممکن ہے میں گھنٹے بھر میں چھوٹ جاؤں' تو اس نے یقیناً پلان بی بھی رکھا ہوگا۔اب وہ چاہتا ہے میں یونیورسٹی جاؤں' اور میں چلا بھی جاتا اگر میں اپنے کریڈٹ کارڈ کا ریکارڈ نہ دیکھ لیتا۔''

''کریڈٹ کارڈ کہاں سے آ گیا؟''

''میرے بلز کو وہ عموماً مجھے پھنسانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔اسے گمان ہوگا کہ اتنی افراتفری میں مجھے اپنا اکاؤنٹ دیکھنے کا ہوش کہاں ہوگا۔مگر زمر نے تمہیں کہا تھا کہ وہ ڈنر پہ جا رہی ہے۔وہ یقیناً کسی ہوٹل یا ریسٹورانٹ گئی ہوگی۔لائبریری نہیں۔اور چند گھنٹے پہلے میرے کارڈ سے دو دن کے لئے اس ہوٹل میں روم بک کیا گیا ہے' جہاں زمر اور میں ایک دفعہ آئے تھے' اور جو ہارون عبید کی ملکیت ہے۔''وہ ہوٹل کے داخلے کی طرف تیز قدموں سے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور ہاشم ہمیشہ ہارون عبید کے ہوٹلز استعمال کرتا ہے' جیسے سعدی بھائی کی دفعہ کیا تھا۔''وہ جوش سے بولی۔

''بالکل۔''

''اور یقیناً آپ نے کسی کے ہاتھ اپنا فون یونیورسٹی بھجوادیا ہوگا کیونکہ وہ مسلسل اسی طرف جارہا ہے۔'' وہ اسکرین کو دیکھنے کر بولی۔

''نہ صرف فون بلکہ کار بھی۔''

''تو آپ زمر کو اتنے بڑے ہوٹل میں کیسے ڈھونڈیں گے۔ کیا پتہ وہ اب تک وہاں نہ ہوں۔''

''کسی نے بتایا ہے کہ وہ لفٹ میں ہے' اور یہ کہہ کر اس نے میری نظر میں اپنے سارے گناہ دھوڈالے ہیں۔'' اس نے موبائل بند کر کے جیب میں ڈالا اور داخلے کے قریب آیا۔

''میرا روم بک ہے۔ مجھے آنے میں دیر ہوگئی۔'' اس نے شناختی کارڈ نکالتے ہوئے سیکیورٹی آفیسر سے تھکے تھکے انداز میں کہا تھا۔ نہ کوئی روک ٹوک' نہ کوئی پوچھ گچھ۔ اسے ادب اور خوش دلی سے اندر جانے دیا گیا۔

البتہ داخلے کے قریب موجود گارڈ کو اس کی شکل دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

لابی میں داخل ہوتے ہی اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔ وہ ریسیپشن کی طرف بھاگا۔ سیکیورٹی آفیسر نے فوراً ہتھیلی لبوں تک لے جا کر کچھ کہا۔ ہوٹل کے کنٹرول روم میں بیٹھے اہلکاروں میں سے ایک نے کان میں لگا آلہ دبا کر غور سے سنا اور پھر آگے کو ہو کر کی بورڈ پہ بٹن دبائے۔ اسکرین پہ چوکھٹے ابھرے لابی اور ریسیپشن کا منظر اور ایک طرف بھاگتا غازی۔ اس نے برق رفتاری سے فون اٹھایا۔

نیم اندھیر آفس میں وہ سب خاموش بیٹھے تھے۔ اسکرین پہ لفٹ میں نظر آتی زمر پانی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ سکڑی' سمٹی' اور مسلسل موبائل پہ بٹن دبائے جارہی تھی۔ پانی اس کے کندھوں سے بالشت بھر نیچے تھا اور وہ ہاتھ اٹھا کر موبائل اوپر پکڑے ہوئے تھی۔ چہرے پہ آنسوؤں کے نشان تھے' جیسے ہر شے ختم ہو چکی تھی اور وہ بار بار پاسورڈ ٹائپ کر رہی تھی۔ فوٹیج میں اتنا دکھائی دیتا تھا کہ وہ ٹائپ کیے جارہی ہے۔ کیا؟ یہ سمجھ نہ آتا تھا۔ یکدم اس کے ہاتھ سے موبائل پھسلا اور اس نے سنبھل کر اسے تھامنا چاہا مگر وہ پانی میں ڈبکی کھا کر ڈوبتا چلا گیا۔ اس نے ادھر ادھر ہاتھ نہیں مارے۔ بس سر بند دروازے سے لگا دیا اور آنکھیں موندلیں۔ پرس' موبائل' سب ڈوب چکا تھا۔ پانی اب اس کے کندھوں کے قریب پہنچتا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ کھڑی نہیں ہوئی۔ آنکھیں موندے' زیرِلب کوئی دعا پڑھے گئی۔ (میرے بعد میرے خاندان والے کوئی انتہائی قدم نہ اٹھائیں اللہ تعالیٰ۔ میرے خاندان والے.....)

''یہ تو ہارون عبید کی ہوٹل لفٹ ہے نا؟'' نوشیرواں کو بالآخر یاد آ ہی گیا۔ ''آپ کو کیسے پتہ تھا کہ وہ اسی لفٹ میں داخل ہوگی جس کو آپ لوگ کنٹرول کر سکیں گے؟''

''نہیں سر۔ ہم چاہتے تھے کہ وہ اوپر روم تک جائیں۔ ہم نے وہاں ان کو ہراساں کرنے کے لیے کچھ لوگ اکٹھے کر رکھے تھے۔ وہ فوراً بھاگتیں اور دونوں ایلی ویٹرز کو مصروف پا کر اسی میں سوار ہو جاتیں۔ ان کو لگتا کہ وہ بچ جائیں گی مگر ایسا نہ ہوتا۔ لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی اور وہ پہلے ہی اسی لفٹ میں سوار ہوگئیں۔''

تبھی فون کی بیل پہ وہ رکا اور موبائل کان سے لگایا۔

''کیا کہہ رہے ہو؟ فارس غازی ہوٹل کیسے پہنچ سکتا ہے؟ وہ تو کہیں اور جارہا تھا۔'' رئیس ششدر سا فون پہ بولا تھا۔ ہاشم لمحے بھر کو بالکل سن سا رہ گیا۔ پھر اس نے فون رئیس کے کان سے کھینچا۔ ''کہاں ہے غازی؟ فوٹیج مرر کرو ہمارے سسٹم پہ۔'' وہ غرایا تھا۔

آبدار نے پہلے اسے دیکھا' پھر نوشیرواں کو۔ شیرو آگے ہو کر بیٹھا تھا' دم سادھے۔ آبی کو دیکھتے پا کر نظریں چرا گیا۔ وہ اسے چند لمحے دیکھے گئی۔ پھر رخ موڑا۔

اسکرین پہ وہ لابی عبور کرتا نظر آ رہا تھا۔ دائیں سے بائیں بھاگتا۔ وہ ایک طرف جاتا' پھر دوسری طرف۔ ہاشم سانس روکے اسے

دیکھے گیا۔فون کان سے لگا تھا۔

''سنو....اسے نہیں معلوم کہ وہ لڑکی کدھر ہے۔تماشا نہ بننے دینا کیونکہ بعد میں مرڈر کیس بنے گا تو کوراپ بھی کرنا ہے۔آرام سے اپنے سیکیورٹی آفیسرز لے کر جاؤ'اور اس کو detain کرلو۔بس چند منٹ کے لئے اسے قابو میں رکھو پھر چھوڑ دینا۔''

''مگر اسے پتہ کیسے چلا کہ زمر کہاں ہے؟؟''شیروسرسری سا لہجہ بنا کر بولا۔آبی ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔ہاشم نے فون نیچے کے اچھنبے سے کہا۔''ہوسکتا ہے زمر نے گھر سے نکلتے ہوئے کسی کو بتایا ہو' بہر حال وہ ہمیں دھوکہ دینے کے لئے کسی کے ہاتھ اپنا موبائل یونیورسٹی بھجوا کر خود یہاں آیا ہے' لیکن اتنے بڑے ہوٹل میں وہ اسے اتنی جلدی نہیں ڈھونڈ پائے گا۔''پھر فون کان سے لگایا۔''وہ سیکیورٹی کی مدد مانگے گا' کنٹرول روم کے کیمروں تک رسائی چاہے گا'اس کو روک کر رکھ لینا۔''وہ تیز تیز ہدایات دے رہا تھا۔چہرے پہ غیض وغضب چھایا تھا مگر وہ ہار نہیں مانے گا' یہ طے تھا۔آج وہ فارس کو کچھ نہیں کرنے دے گا۔

''سر.....میرا نہیں خیال اس کی ضرورت ہے۔''رئیس اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔''وہ سیکیورٹی سے مدد مانگ بھی نہیں رہا۔''

واپس ہوٹل کی لابی میں آؤ تو روشنیوں اور فانوسوں سے مکمل روشن تھی۔اونچی چھت' مرمریں فرش' درمیان میں فوارہ۔آگے پیچھے ٹہلتے لوگ۔غالباً وہاں کوئی کنسرٹ ہو رہا تھا اور ابھی ختم ہوا تھا تو رش کافی تھا۔فارس پہلے ایک رخ سے دوسرے رخ تک دوڑا' پھر واپس آیا۔اب وہ لابی کے وسط میں کھڑا تھا۔نگاہیں تیزی سے چاروں طرف دوڑاتے'اس نے لمحے بھر میں دیکھ لیا تھا کہ دور کھڑے سیکیورٹی اہلکار اسی کو دیکھ کر آپس میں بات کر رہے تھے۔زمر کے پاس وقت کم تھا۔اسے جو کرنا تھا ابھی کرنا تھا۔

''سنو.....میری بات سنو۔''وہ کنسرٹ سے لوٹتے لڑکوں کے ایک گروپ کی طرف بڑھا'ایسے کہ اس کی سانس پھولی تھی' چہرہ پسینے سے تر شدید پریشان لگتا تھا۔اپنے اپنے موبائلز پہ سر جھکائے گزرتے لڑکے چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''میری بیوی.....میری بیوی لفٹ میں پھنس گئی۔اس کی کال آئی ہے۔واٹر لائن پھٹ گئی ہے'اس کی لفٹ میں پانی بھر رہا ہے۔اور یہ ہوٹل والے مدد نہیں کر رہے۔پلیز سنو.....رکو.....میرے ساتھ چلو.....بات سنو.....''وہ ان کے ساتھ ساتھ قریبی گزرتے لوگوں سے بھی التجا کر رہا تھا۔چلا چلا کر۔بہت سے چہرے مڑے' بہت سے قدم اس کی طرف اٹھے۔چند لپکے۔چند دوڑے۔

''اوہ گاڈ یہ کیسے ہوا؟''

''کہاں ہیں آپ کی وائف؟''وہ کنکھیوں سے دیکھ سکتا تھا کہ سیکیورٹی گارڈز تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے' مگر ایک دم سے لابی میں کہرام مچ گیا تھا۔جیسے ہی وہ اس طرف دوڑا جہاں لفٹس لگی تھیں'انسانوں کا ایک ریلا اس کے ساتھ بھاگا۔

''کوئی ریسکیو کو کال کرے۔''

''میں کر رہی ہوں آپ لوگ ادھر جائیں۔''شور۔آوازیں۔بہت کم لوگ تھے جو بیٹھے رہے' یا دیکھتے رہے' مگر ایک رش سا تھا جس میں زیادہ تعداد نوجوانوں کی تھی' جو اپنے موبائل اور ہینڈز فری جیبوں میں اڑستے فکرمندی سے اس کی طرف دوڑے تھے۔سیکیورٹی گارڈز کا راستہ رک گیا۔کسی کو دھکے لگے' کسی کو ٹھڈا آیا۔کوئی کچن کی طرف بھاگا کسی اوزار کی تلاش میں' کوئی آگ بجھانے والا آلہ لایا۔

فارس دوڑتے ہوئے لفٹس کی طرف آیا تھا۔''کون سی لفٹ میں ہے وہ؟''کوئی اس سے پوچھ رہا تھا۔وہ تیز تنفس اور دھڑکتے دل کے ساتھ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔''انہی میں سے کوئی ہے۔''ایک لفٹ کو نیچے بلانے کا بٹن دبایا۔پھر دوسری کی طرف بھاگا' پھر تیسری کی طرف۔سب کو نیچے بلایا۔لوگ آگے پیچھے جمع ہو گئے تھے۔کسی نے پولیس کو بلایا' کسی نے فائر بریگیڈ کو۔ہوٹل کے ریسکیو کے اہلکار (جو ہاشم کے احکامات تلے نہیں تھے) اطلاع ملنے پہ لفٹ کھولنے کا سامان لے کر اپنے آفس سے باہر کو دوڑے تھے۔اور وہ اتنے رش اور شور میں کھڑا ان

یوں لفٹس کے باری باری نیچے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ دفعتاً یکے بعد دیگرے دو دروازے کھلے۔ پہلی ....دوسری....وہ ٹھیک تھیں۔ تیسری لٹ کی بتی جلی تھی۔ وہ B2 پہ تھی۔ مگر اوپر نہیں آ رہی تھی۔

''یہی ہے۔ یہی ہے۔ بی ٹو۔ کہاں ہے بی ٹو؟'' وہ مڑ کر چلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ کسی نے بیسمنٹ کا بولا تو وہ سیڑھیوں کی طرف

ھاگا۔

بہت سے نوجوان اس کے ساتھ بھاگے۔ سیکیورٹی اہلکار بے بسی سے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

اور اسکرین پہ یہ مناظر دیکھتے ہوئے ہاشم کی رنگت بالکل سیاہ پڑ گئی تھی۔ وہ چپ تھا۔ بالکل چپ۔ رئیس چلا چلا کر فون میں ہدایات ے رہا تھا۔ گالیاں نکال رہا تھا۔

''ہم کیا کر سکتے ہیں' ریسکیو اہلکار ہر وقت ایسی ٹریجڈیز کے لئے تیار ہوتے ہیں' ان کو یہ کہیں کہ وہ لفٹ میں پھنسی لڑکی کو بچانے نہ جائیں؟ یہ کہنے پہ وہ رکیں گے تو نہیں' البتہ ہم پہ شک کریں گے۔''

''ان کے کام میں تاخیر ڈالنے کی کوشش کرو۔'' رئیس بے بسی سے کہہ رہا تھا' بار بار خائف نگاہ ہاشم پہ بھی ڈالتا۔ جس کی خاموش نظریں اسکرین پہ گڑی تھیں۔

''سر' پولیس کو بلایا گیا ہے' ہوٹل کی سیکیورٹی ٹیم کے درجنوں ممبران موجود ہیں ادھر' اور وہ سب تو ہمارے ساتھ نہیں ملے ہوئے۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

ہاشم نے فون رئیس کے کان سے کھینچا اور سختی سے اس میں بولا۔ ''وائپ آؤٹ کرو سب۔ ساری ویڈیوز۔ ثبوت۔ ریکارڈ۔ کالز ریکارڈ۔ سب کلین کرو۔ جلدی۔''

''یس سر!'' اور اس نے فون میز پہ پھینک دیا۔ پرتپش نظریں اسکرین پہ جمی تھیں اور تنفس تیز ہوتا جا رہا تھا۔

فارس دھڑکتے دل کے ساتھ تیز تیز زینے پھلانگ رہا تھا۔ نگاہوں کے سامنے بہت سے مناظر گھوم رہے تھے۔ مگر وہ بار بار نفی میں سر ہلاتا۔ وہ اسے بچا لے گا۔ وہ وقت پہ پہنچ جائے گا۔ محسوس ہو رہا تھا کہ اس شور شرابے میں بہت سے نوجوان' ملازم' سیکیورٹی گارڈز اس کے آگے پیچھے دوڑ رہے ہیں' مگر وہ کسی کا نہ انتظار کر رہا تھا' نہ جواب دے رہا تھا۔ دیوانہ وار زینے پھلانگتے ہوٹل کی سب سے نچلی بیسمنٹ میں داخل ہوا۔

وہاں طویل اور نیم اندھیر پارکنگ ایریا تھا۔ ایک کونے میں لفٹس لگی تھیں۔ وہ ان کی طرف دوڑا۔ تیسرے نمبر کی لفٹ کے دروازے پکے بند تھے۔ جڑے ہوئے' یوں لگا جیسے قدیم وقتوں کا کوئی زندان ہو۔ وہ اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ بھاگتا ہوا دروازے تک پہنچا اور اسے دھڑ دھڑایا۔ ''زمر....زمر....'' وہ زور سے چلایا۔ آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ خوف تھا۔

دوسری جانب خاموشی تھی۔ کوئی آواز' کوئی آہٹ نہیں۔ وہ دیوانہ وار دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ ''زمر جواب دو۔ زمر....'' اس کے ہاتھ سرخ پڑ رہے تھے۔ اور وہ لوہے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ لوگ قریب آ چکے تھے۔ رش کے درمیان سے راستہ بناتے ریسکیو اہلکار آئے اور اسے ہٹانا چاہا' تاکہ وہ دروازے کو مشینری کی مدد سے کھول سکیں۔ کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر پرے دھکیلنا چاہا' مگر وہ کندھا جھٹک کر مڑا' اور ریسکیو اہلکار کو گریبان سے پکڑ کر جھٹکا دیا۔ ''یہ مجھے دو' اور پیچھے ہٹو۔'' غصے سے غراتے اس کے ہاتھ سے آلہ لیا اور اسے پرے ہٹایا۔ دوسرے اہلکار نے نیچے سے اور اس نے پھر اوپر سے آلہ لفٹ کے دروازوں کی درمیانی درز میں زور سے گھسایا۔ اندر سے پانی رسنے لگا۔ ذرا ذرا۔ اب وہ دونوں ایک سمت میں زور لگانے لگے۔ بلیڈ پکڑے اس کے زور لگاتے ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی' بے قرار نظریں دروازے پہ جمی تھیں' سانس رک رک کر آ رہی تھی۔ ایک دفعہ پہلے بھی دروازہ توڑا تھا۔ وہ ایسا منظر دوبارہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ ٹوٹے

دروازوں کے پار چھوٹتے رشتے دیکھ دیکھ کر تھک چکا تھا۔ اب نہیں 'اللہ' اب نہیں۔

لوگ اونچا اونچا بول رہے تھے' ہمت بندھا رہے تھے' اور وہ دونوں زور لگا رہے تھے۔ دروازے کو دائیں طرف دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک..... دو..... تین..... عجیب سی آواز کے ساتھ دروازہ ذرا سا دائیں طرف دیوار میں گھسا۔ ایک دم پانی کا ریلا سا باہر کو چھاکا۔ سب بے اختیار پیچھے کو ہٹے۔ آلے ہاتھوں سے چھوٹ گئے۔ بس وہ پیچھے نہیں ہوا۔

پانی پوری قوت سے باہر کو گر رہا تھا۔ وہ مکمل بھیگ چکا تھا۔ مگر ابھی کچھ نظر نہ آتا تھا کہ دوسری طرف کیا ہے۔ دروازہ بھی بالشت بھر ہی کھلا تھا۔ اس نے آلہ چھوڑ دیا اور آگے بڑھا۔ دونوں ہاتھوں سے دروازے کا کنارہ پکڑ کر زور سے اندر کو دھکیلا۔ دانت جما لئے..... بازوؤں کی رگیں ابھر آئیں۔ تکلیف ہونے لگی۔ شاید اس کا ہاتھ کٹ گیا تھا' اور خون نکل رہا تھا۔ ہر شے گیلی تھی۔

پانی کا سیلاب اسی طرح باہر نکل رہا تھا۔ سب پیچھے ہٹ چکے تھے۔ صرف وہ کھڑا تھا۔ بھیگتا ہوا۔ لبوں میں کچھ بڑبڑاتا ہوا۔ اس کا نام' اس سے کی جانے والی منتیں۔ دھیرے دھیرے بھاری دروازہ اندر کو گھستا گیا۔ ایک فٹ تک۔ دو فٹ۔ اس نے دروازہ چھوڑ دیا۔ گہرے گہرے سانس لیتا وہ بھیگا ہوا چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اور اَدھ کھلے دروازے سے نظر آتا تھا۔

اندر گیلے فرش پہ وہ اوندھے منہ گری پڑی تھی۔ اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔ بس ایک لمحے کو پیر زنجیر ہوئے' پھر وہ اندر کو لپکا۔ اس کو سیدھا کیا۔ وہ بھیگی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی یخ۔ آنکھیں بند تھیں۔ گیلی لٹیں چہرے کے ساتھ چپکی تھیں۔ ہونٹ جامنی تھے۔

''زمر.....'' اس پہ جھکے فارس نے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔ وہ اتنی ٹھنڈی تھی کہ اس کے اپنے ہاتھ پیر بھی ٹھنڈے پڑنے لگے۔ ''زمر.....'' اس نے پکارنے کے ساتھ اس کی گردن پہ ہاتھ رکھا۔ پھر چہرے پہ۔ سانس محسوس کیا۔

وہ زندہ تھی۔ اوہ خدایا۔ وہ زندہ تھی۔ زمین پہ بیٹھتے' تھک کر اس نے چہرہ اوپر کیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ گہرے گہرے سانس لئے۔ وہ زندہ تھی۔ اس نے دیر نہیں کی تھی۔

ریسکیو اہلکار اس کے پاس آ گئے تھے' کسی نے اسے ٹرامابلینکٹ تھمایا' کسی نے کندھا تھپکا۔ کوئی اسٹریچر لانے کی اطلاع دے رہا تھا۔ وہ کسی کو نہیں سن رہا تھا۔ بس اسے کمبل میں لپیٹ رہا تھا۔ خود بھی بھیگا ہوا تھا' چہرے پہ بہت سے قطرے تھے' بالوں سے قطرے ٹپک رہے تھے' آنکھوں سے قطرے ٹپک رہے تھے۔ ''وہ زندہ ہے..... وہ ٹھیک ہے۔'' وہ اسے اٹھا کر اب اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا اور خود کو کہتے ہوئے سن رہا تھا۔ وہ لڑکے اس کو مبارکباد دے رہے تھے' اس کا کندھا تھپک رہے تھے۔ وہ ہنس بھی رہا تھا' وہ شاید رو بھی رہا تھا' مگر وہ کسی کو جواب نہیں دے رہا تھا۔ وہ احتیاط سے اسے اسٹریچر پہ لٹا رہا تھا۔

بیسمنٹ کی سی سی ٹی وی فوٹیج نیم اندھیر آفس میں رکھی اسکرین پہ مرر ہو کر آ رہی تھی۔ ہاشم دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا۔ رئیس سر پکڑے بیٹھا تھا۔ نوشیرواں منہ میں ناخن ڈالے انہیں کترے جا رہا تھا۔ اور آبدار..... اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ وہ بس اسکرین پہ پھیلے منظر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ گیلے بالوں' گیلے کپڑوں والا مرد' اپنی آنکھیں انگلیوں سے رگڑتا' کسی کے شانہ تھپکانے پہ سر جھٹک کر ہنستا' کمبل میں لپٹے وجود کو اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا۔ پانی آیا تھا تو سب پیچھے ہٹ گئے تھے۔ بس وہی کھڑا رہا تھا۔ بس اسی نے لمحے بھر کی غفلت نہیں کی تھی۔ اور اب وہ اسٹریچر کو آگے دھکیل رہا تھا۔ لوگ اسے مبارکبادیں دے رہے تھے' خوش ہو رہے تھے' آوازیں نہ سنائی دیتی تھیں مگر چہروں کے تاثرات اور مسکراہٹیں سب کہہ رہی تھیں کچھ لوگ ان پہ رشک کر رہے تھے۔ ایسے ہوتے ہیں محبت کرنے والے' خیال رکھنے والے شوہر۔ یہ ہوتی ہے محبت۔ اور آبدار نے ڈبڈبائی آنکھیں اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔ یہ ہوتی ہے محبت؟

وہ ماتھے پہ بل لیے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کر رہا تھا۔ کوٹ پرے پھینکا پڑا تھا اور آستین اونچے چڑھے تھے۔ وہ سخت غصے میں' بے بس سا نظر آتا تھا۔ بار بار پیشانی مسلتا۔ نفی میں سر ہلاتا۔ رنگت سیاہ پڑ رہی تھی۔

''یہ کیسے ہوا؟ اسے ہوٹل کا کیسے پتہ چلا؟''

''شاید مسز زمر نے گھر میں بتا رکھا ہو۔''

''مگر اسے یہ کیسے پتہ چلا کہ وہ لفٹ میں ہے؟'' ہاشم چونکا۔ ''وہ جیسے ہی ہوٹل میں داخل ہوا' وہ فوراً لفٹ کی طرف بھاگا تھا۔ اس نے لوگوں کو اکٹھا بھی لفٹ کی طرف کیا۔''

نوشیرواں نے بہت سا تھوک بدقت نگلا اور سرسری سا بولا۔ ''شاید اس نے اندازہ لگایا ہو۔'' ہاشم نے چونک کے اسے دیکھا۔ اور پھر ٹھہر کے دیکھتا گیا۔

''تمہارے پاس آیا تھا وہ۔ کیا وعدہ کیا تھا اس نے تم سے؟ زمر کو بچا لو تو کیا دے گا وہ؟ کیس میں معافی؟'' نوشیرواں سناٹے میں رہ گیا۔ پھر بدقت بولنا چاہا۔

''بھائی' کیا کہہ رہے ہو؟ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ مسز زمر کہاں ہیں۔ میرا تو فون بھی رئیس نے لے لیا۔ اور یاد کریں' آپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ وہ ہوٹل میں ہے۔ اور پھر میں اسے کیوں بتاؤں گا؟ میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔'' وہ جلدی میں غیر ضروری صفائیاں دینے لگا۔ مگر ہاشم مشتبہ نظروں سے اسے گھورے جا رہا تھا۔

''The lady doth cry too much!''

رئیس نے بھی شیرو کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''آپ میرے موبائل لینے سے پہلے باتھ روم گئے تھے۔ تب موبائل آپ کے پاس تھا۔''

''اے تم چپ کرو۔'' وہ ڈپٹ کر بولا۔ ''اگر اپنا پلان فیل ہوا ہے تو مجھے ذمہ دار نہ ٹھہراؤ۔ پہلے ہی ساری رات برباد کی میری۔'' اکتا کر کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا۔ ''میرا فون واپس کرو تا کہ میں جاؤں۔ ایک تو تم لوگوں کا ساتھ دو' اوپر سے باتیں بھی سنو۔''

''کیا کسی انسان کے لئے مرنا صحیح ہوتا ہے؟ Is that worth it?'' ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ گردن ذرا دائیں کندھے کی طرف جھکائے' سر کے اوپر سرخ رومال بندھا تھا جس سے سرخ بال کانوں اور گالوں پہ نکل نکل کر گر رہے تھے۔ رنگت سفید زردی پڑ رہی تھی اور آنکھوں میں زمانے بھر کی ویرانی تھی۔ دکھ تھا۔ صدمہ تھا۔

(ہاشم نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے گھٹنوں کے قریب' میز کا نچلا دراز کھول رکھا تھا اور اس میں رکھی کسی کے موبائل یا ٹیب کی ناکارہ ہینڈز فری دونوں ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی۔ البتہ جس جگہ نوشیرواں کھڑا تھا' اسے آبی کے گود میں رکھے ہاتھ صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ متحیر ہوا تھا۔)

''شاید نہیں!'' اس کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر چہرے پہ گرنے لگے۔ شیرو کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ پھسلیں۔ آبدار نے ائیر بڈ کو ایک ہاتھ سے کھینچا تو وہ تار سے الگ ہو گیا۔ اس نے ننھا ائیر بڈ مٹھی میں دبا لیا اور ٹوٹا ہوا ہینڈز فری دراز میں ڈال کر اسے اندر دھکیلتی کھڑی ہوئی۔ گیلی آنکھیں ہاشم پہ جمی تھیں جو بالکل ٹھہر کے' غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(میں آبدار عبید ہوں اور میں ایک بری لڑکی نہیں تھی۔ میرا بھی ایک دل تھا جیسے آپ سب کا ہوتا ہے۔) مگر زبان سے وہ کہہ رہی تھی۔

''میں نے اس کے لئے کیا کیا نہیں کیا؟ اپنا پیسہ خرچ کیا' وقت صرف کیا' جان کو خطرے میں ڈالا' جو اس نے مانگا میں نے لا کر دیا۔'' انگلی سے اپنے سینے پہ دستک دیتی وہ گلابی آنکھوں کے ساتھ چلائی تھی۔ ''میں نے اس کے لئے سب کچھ کیا۔ صرف یہی منظر دیکھنے کے لئے؟'' ہاشم اچنبھے سے اسے دیکھ رہا تھا اور رئیس اور نوشیرواں بالکل سانس روکے۔

(اور کیا برا کیا میں نے اگر ہمیشہ دل کی سنی؟ دل کی مانی؟ کیا عشق مرضی سے کیا جاتا ہے؟ نہیں۔ یہ تو مرض ہے جو یوں لگتا ہے جیسے کسی کو فلو لگ جاتا ہے۔ اور کسی کا فلو کینسر بن جاتا ہے۔)

''میں نے سعدی کو نکلوایا' میں نے ان کو میری اینجیو کے خلاف ثبوت لا کر دیے' فارس کو سری لنکا میں سہولیات میں نے فراہم کیں۔ مگر اسے اس وقت صرف زمر نظر آ رہی ہے۔ وہ کسی اور کو دیکھ ہی نہیں پا رہا۔ وہ اس کے لئے وہ سب نہیں کرے گی جو میں کر رہی ہوں۔ مگر اس کے لئے فارس نے خود کو خطرے میں ڈال دیا۔''

ہاشم کی آنکھوں میں برہمی ابھری۔ لب کھولے' پھر بھینچ لئے۔ وہ اب قدم قدم آگے آ رہی تھی۔ (وہ میرا کبھی نہیں ہو سکے گا اور میں نہیں جانتی کہ کسی انسان کے لیے جان دینا یا جان لینا صحیح ہے یا نہیں مگر میرا دل کہتا ہے.... آج میں سب ختم کر ہی دوں۔) اس کے چہرے پہ زمانوں کا دکھ اور آنکھوں میں سرخی تھی۔ ''یہ میں تھی جو اس کی ''جان'' بچانے کے لئے رات کے اس پہر تین قاتلوں کے ساتھ بیٹھی تھی۔'' بند مٹھی سے ایک انگلی نکال کر تینوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''مگر وہ اس وقت میرے بارے میں نہیں سوچ رہا ہوگا۔ وہ زمر کا ہے اور وہ زمر کا رہے گا۔ پھر میں نے اس کی غلامی کیوں کی؟''

ہاشم کی آنکھیں ذرا سکڑیں۔ ''تم نے بتایا اس کو؟'' اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

(آج میرا من کہتا ہے کہ جہاں اتنا کیا ہے اس کے لیے وہاں ایک آخری بازی بھی لگا دوں۔)

''مگر میم میں نے آپ کا فون پہلے ہی لے لیا تھا۔'' رئیس بھی چونکا۔

''مجھے اپنے ہوٹل کی لفٹ پہچان کر فارس کو زمر کی لوکیشن بتانے کے لئے کسی فون کی ضرورت نہیں جب کہ میرے پاس اس کا دیا گیا بگ موجود تھا۔'' یہ کہہ کر اس نے مٹھی کھولی' ائیر بڈ دو انگلیوں میں پکڑ کر ان کو دکھایا اور اس سے پہلے کہ کوئی حرکت کرتا' آبی تیزی سے ایکویریم تک آئی' ائیر بڈ دانتوں میں ڈال کر کچلا' پھر ایکویریم پہ چہرہ جھکا کر اندر تھوک دیا۔ ٹوٹا ہوا ائیر بڈ پانی میں ڈوبتا گیا۔

ہاشم دھک سے رہ گیا۔ ''تم.... تم یہاں ہوئی ساری گفتگو اس تک پہنچا رہی تھی؟'' اسے یقین نہیں آیا۔

(اگر میں ہمیشہ بری ہی تھی تو آج میرا دل کہتا ہے کہ ایک برا کام اور کر دو۔ عجیب بات.... میں اب بھی اپنی دنیا اور اپنی آخرت نہیں سوچ رہی۔ میں اس انسان کا سوچ رہی ہوں۔ یہ عشق تو غلامی ہے غلامی۔)

نوشیرواں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے' مگر آواز پھنس گئی۔ وہ بگ نہیں تھا' وہ تو اسی شکل کا عام سا ائیر پیس تھا مگر وہ نہیں کہہ سکا۔

''ہاں۔ اسے شیرو نے نہیں' میں نے بتایا ہے کہ زمر کہاں ہے۔ میں نے فارس کی ''جان'' بچائی ہے۔ میں نے!'' سینے پہ مٹھی سے دستک دیتی وہ زور سے چلائی تھی۔ رئیس اٹھا' تاکہ ایکویریم سے بڈ نکالے' مگر وہ دونوں اس ایکویریم کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ وہیں ٹھہر گیا۔ سمجھ نہیں آیا کہ کیا کرے۔

''آبی!'' اس کے مقابل کھڑے ہاشم کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔ تحیر بھرا صدمہ۔ ''تم نے کیوں....؟''

''کیا میں نہیں جانتی تم نے مجھے کیوں بلایا ادھر؟ تم مجھے انتخاب کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ تم میرے سامنے ایک عورت کو مار کر مجھے ڈرانا چاہتے تھے۔ تم اس طرح مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مجھے ساری زندگی کے لئے خوف میں مبتلا رکھنا چاہتے تھے۔ تم ہاشم.... تم مجھے اپنا غلام بنانا چاہتے تھے۔ آج وہ مر جاتی تو میں تمہاری دہشت اور رعب کی غلام بن جاتی۔'' اس نے ہتھیلی سے گیلا چہرہ رگڑا اور نفرت سے اسے دیکھا۔ ''تم میری فارس کے لئے محبت کو خوف کی تھپکی ڈلا کر سلانا چاہتے تھے۔ کیا یہ تمہیں اتنا آسان لگتا ہے؟ محبت کو undo کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا ہاشم۔ مگر میں نے اس سے محبت نہیں کی۔'' وہ دو قدم مزید قریب آئی۔ ہاشم لب بھینچے ناگواری مگر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہولے ہولے سانس لے رہا تھا۔ وہ سرخ آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر غرائی۔

''میں نے اس سے عشق کیا ہے۔ عشق غلامی ہے۔ مجھے اس زندگی میں اس سے کبھی آزادی نہیں مل سکتی۔ تم مجھے اس سے آزاد نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تم مجھے ایک دوسری غلامی میں ڈالنا چاہتے تھے۔ اوہ ہاشم، تمہیں کیا لگا تھا؟ میں ڈر جاؤں گی؟ تمہاری غلام بن جاؤں گی؟ اس کو سوچنے اور اس سے بات کرنے سے بھی ڈرنے لگوں گی؟ وہ اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا' اسی خوف سے اس کو چھوڑ دوں گی؟''

چنگاریوں سے دہکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے آبی نے نفی میں سر ہلایا۔

(اور آج میں یہ جان گئی ہوں کہ انسان کی غلامی نہیں کرنی چاہیے مگر میں اس چھوٹی لڑکی جیسی بہادر نہیں ہوں۔ میں خود کو اس پھندے سے آزاد نہیں کر سکتی۔)

وہ اسی طرح دھیرے دھیرے سانس لیتا اسے دیکھے گیا۔ بنا پلک جھپکے۔ بنا ہلے۔ بنا بولے۔

''تم نے میری جان بچائی تھی' مجھے ڈوبنے سے بچایا تھا۔ مگر میں نے تمہیں مسیحا نہیں مانا۔ موت کا فرشتہ مانا۔ موت کا فرشتہ کہا۔ گریم ریپر۔ جو موت بانٹتا ہے۔ ایک عجیب سا موت کا احساس تھا جو تمہارے ساتھ نتھی ہو گیا تھا۔ ہم ایک تکون بن گئے تھے۔ میں' تم اور موت۔ جب بھی تم بیمار ہوتے' میں تمہیں دیکھنے آتی' تاکہ موت بھاگ جائے۔ ہم تینوں اس تکون میں قید تھے۔ میں' تم اور موت۔ پھر وہ آیا اور میں نے اس کو اپنی تکون میں ڈالنا چاہا۔ پرونا چاہا۔ نہ تم جانے پہ تیار تھے نہ موت جانے پہ تیار تھی۔ اسے ہی نکلنا پڑا۔'' اس نے بازو لمبا کر کے میز پہ کھلی اسکرینوں کی جانب اشارہ کیا۔ ''وہ چلا گیا۔ وہ اپنی زندگی کے ساتھ اس تکون میں سے نکل گیا۔ ہم تینوں پھر سے اس میں رہ گئے۔ قید۔ مگر آج میں اس قید کو توڑ کر آزاد ہونا چاہتی ہوں۔ میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں ہاشم کہ ہماری فیری ٹیل کے بھیڑیے تم ہو!'' وہ درد سے پھٹی آواز سے چلائی تھی۔ آنکھوں میں خون اترا تھا۔ وہ ہلکے ہلکے سے سانس لیتا سنتا گیا' اسے دیکھتا گیا۔

(اور کتنی عجیب بات ہے کہ میں اسے بھیڑیا کہہ رہی ہوں مگر اندر سے وہ مجھے عزیز بھی تھا تب ہی تو میں نے کبھی اسے اپنی قید سے آزاد نہیں ہونے دیا۔ قیدی کسے برے لگتے ہیں؟)

ایکویریم کے پانی میں جگمگاتی روشنیوں کا عکس آبدار کے چہرے پہ پڑ رہا تھا۔ وہ عجیب سی لگ رہی تھی۔ ''تم ہو ہر مسئلے' ہر فساد کی وجہ۔ تم نے ہم سب کو برباد کیا ہے۔ وہ تمہاری ماں تھی جس کی وجہ سے میری ماں مری۔ اور جیسے سعدی نے کورٹ میں بتایا۔ کرنل خاور کی زندگی بھی تم لوگوں نے برباد کی۔ باقی سب سے زیادہ تم قصوروار ہو۔ مجرم ہو۔ تم نے وارث غازی کو مارا۔ ڈاکٹر سارہ اور اس کی بیٹیوں کو تباہ کیا۔ تم نے زمر کو تباہ کیا۔ فارس کو تباہ کیا۔ نوشیرواں نے تو سعدی کو زخمی کیا تھا' مگر تم نے اس کو اتنے مہینے قید رکھ کے ذہنی مریض بنا دیا۔ تم نے خاور کو بھی برباد کیا۔ تم نے ہی اس چھوٹی لڑکی کا دل دکھایا ورنہ وہ کورٹ میں یوں نہ بولتی۔ تم نے سعدی کی ماں کا دل دکھایا۔ تم نے میرا دل توڑا۔ تم نے اپنے ہی بھائی کو بگاڑ کے رکھ دیا۔ مجھے کہتے ہو کہ فارس اپنی عورتوں کی حفاظت نہیں کر سکتا؟ نہیں ہاشم۔ انسانوں کے بس میں حفاظت کرنا نہیں ہوتا' مگر عزت کرنا تو ہوتا ہے۔ وہ اپنی عورتوں کی عزت تو کرواتا ہے نا۔ تم نہیں کروا سکتے۔ تم نے اپنی ماں کو کچہری میں رپورٹرز کے سوالوں کے سامنے تنہا چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بیوی کو تنہا چھوڑ دیا۔ تم نے اپنی بہن کو جیل میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیا۔ پورا شہر جانتا ہے کہ اصل بھیڑیے تم ہو۔ اصل قاتل' اصل گناہگار تم ہو۔ بس کر دو یہ گلٹ کی باتیں۔ مجھے افسوس ہے' مجھے دکھ ہے' بس کر دو یہ سب کہنا۔ تم جھوٹ بولتے ہو کہ تمہیں افسوس ہے اپنے گناہوں کا۔ تمہیں کبھی افسوس نہیں تھا۔ تم جھوٹے ہو۔ عدالت میں جھوٹ بول بول کر اپنے جھوٹ تمہیں سچ لگتے ہیں۔ خود سے بھی سچے نہیں ہو تم۔ تمہیں.... کوئی.... گلٹ.... نہیں ہے ہاشم۔ تمہیں کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اور تم نے کبھی بھی اپنے خاندان کو بچانے کے لئے' خاندان کی حفاظت کرنے کے لئے نہیں کیا۔ تم نے جو بھی کیا' اپنی طاقت قائم رکھنے کے لئے کیا۔ جب جاہ کے لئے کیا۔'' وہ زور زور سے چلا رہی تھی۔

(اور میں نے جو کیا جب چاہ کے لئے کیا۔ جاہ اور چاہ میں فرق ہوتا ہے۔ مگر دونوں کی ہوس انسان کو ہراتی ہے۔ میں ہار گئی ہوں مگر

جیتنے ہاشم کو بھی نہیں دوں گی۔ آج میں اگر کامیاب ہوئی تو فارس کے سارے مسئلے ختم ہو جائیں گے۔)

''تم بھیڑیے ہو' اور تمہاری ساخت ہی ایسی ہے کہ تم بھیڑ بکریوں کو ہی کھا سکتے ہو' تم معصوموں کا خون پینے' ان کا دل نکالنے' اور ان کا جگر کاٹنے والے بھیڑیے ہو' تم ایک ایسے شیطان ہو جس کو اب وقت آ گیا ہے کہ ختم کر دینا چاہیے....'' چلا چلا کر ہذیانی انداز میں بولتی آبدار ایک دم میز کی طرف لپکی، پیپر نائف اٹھائی اور ہاشم کے سینے میں گھسانی چاہی مگر ہاشم نے چابکدستی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا۔ وہ پورا زور لگا رہی تھی مگر ہاشم نے اسے موڑتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے اس کو گردن کی پشت سے دبوچا اور اس کا چہرہ ایکویریم میں پوری قوت سے ڈبو دیا۔

(اور اگر میں ناکام ٹھہرتی ہوں تو بھی فارس کے بہت سے مسئلے حل ہو جائیں گے۔ پھر کیا ہو جو میں اپنے دل کی مان لوں؟ اس دل کی جو میری مانتا ہی نہیں۔)

نوشیرواں چلا کر بڑھا تھا' مگر رئیس نے فوراً سے اسے دبوچ کر روک دیا۔

''بھائی....اسے چھوڑو....وہ مر جائے گی۔'' وہ بدقت رئیس کو ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا جو اسے آگے نہیں بڑھنے دے رہا تھا۔ مگر اس کی مزاحمت شاک کے زیرِ اثر ہلکی تھی۔ پھٹی پھٹی آنکھیں اس طرف جمی تھیں' جہاں وہ آبی کو گدی سے پکڑے' پانی میں اس کا سر ڈبوئے ہوئے تھا۔

آبدار کے ہاتھ ایکویریم کی دیواروں پہ سختی سے جمے تھے اور وہ سر ادھر ادھر پانی میں ہلانے کی کوشش کر رہی تھی' مگر اس پہ جھکے' اس کو اندر کی طرف دھکیلتے ہاشم کی قوت زیادہ تھی۔ چاقو کب کا نیچے گر چکا تھا۔

(اور میں کبھی نہیں تسلیم کروں گی کہ میں ایک بری لڑکی تھی۔ میں بری نہیں تھی۔ میرا دل برا ہو گیا تھا۔ اور دیکھو....میں اب بھی اسی آدمی کو سوچ رہی ہوں۔ کیا یہ عشق ہے یا کوئی آسیب؟)

''سب کچھ کیا میں نے تمہارے لئے....اور تم نے اس کے لئے مجھے دھوکہ دیا....'' وہ سرد' سرخ آنکھوں سے غراتے ہوئے اس کا سر پانی میں ڈبوئے ہوئے تھا۔ نوشیرواں اب پھڑ پھڑا نہیں رہا تھا۔ ششدر' ساکت کھڑا تھا۔ آبی چلا رہی تھی۔ ہاتھ پیر مار رہی تھی مگر سب بے سود تھا۔

''میں نے تمہاری جان بچائی تھی.....'' اس کے ڈوبے سر کے قریب جھک کر' مسلسل نیچے کی طرف زور لگاتے' وہ زور سے چیخا تھا۔

''تمہاری زندگی پہ سب سے بڑا حق میرا تھا۔ اور تم نے مجھے دھوکہ دیا۔ تم نے اس کے لئے مجھے دھوکہ دیا۔'' آبدار کی دبی دبی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ وہ پانی میں ادھر ادھر ہلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

(اور میں کوئی پہلی دفعہ مرنے نہیں جا رہی۔ میں آبدار ہوں۔ پانی سے بنی۔ میں ایک دفعہ پانی میں پہلے بھی مر چکی ہوں۔ مگر اس وقت چند سوال ادھورے رہ گئے تھے۔ آج ان کے جواب مل جائیں گے۔ کم از کم اب میں نیوٹرل نہیں رہی۔ میں نے ایک سائیڈ چن لی تھی۔ میرے دل کی سائیڈ۔ کم از کم اب وہ نورانی وجود مجھ سے ناراض نہیں ہوگا....اور دیکھو میں اپنی ماں کی روح کو یہاں سے بھی دیکھ سکتی ہوں۔ ہاں اب میں اس کے علاوہ بھی کچھ سوچ رہی ہوں....)

پھر اس کے شیشے کی دیواروں پہ جمے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ جسم کو ہلکے سے جھٹکے آئے۔ مزاحمت کم ہوتی گئی۔ ہاتھ نیچے گر گئے۔ ایکویریم کے پانی میں خون کی بوندیں شامل ہوئیں۔ آبی کا سرخ رومال کھل کر پانی میں بہہ گیا۔ اس کا سر بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔

(لیکن میں تمہیں بتاؤں....انسان کے عشق میں جان دینا صحیح ہوتا ہے یا نہیں....مگر اس کی اُجرت کسی جہان میں نہیں ملتی۔)

ہاشم نے اسے گردن سے کھینچ کر باہر نکالا۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔ ہونٹ جامنی تھے۔ آنکھیں ساکت تھیں۔ ہاشم نے اس کی گردن

چھوڑ دی۔ وہ پورے قد سے زمین پہ آ گری۔ بے جان.... ساکت.....

نوشیرواں پلٹا اور باتھ روم کی طرف لپکا۔ دیواروں کا سہارا لیا۔ لیمپ کو تھاما۔ لیمپ نیچے گر گیا۔ اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ پکڑتے' ٹٹولتے' وہ ڈگمگاتے قدموں سے سنک کے قریب آیا' اس پہ جھکا تو منہ سے قے نکلنے لگی۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو نکلنے لگے.....

نیم روشن آفس میں خاموشی چھائی تھی۔ رئیس بالکل ششدر' چپ کھڑا تھا۔ اور ہاشم کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس کی شرٹ اور بازو گیلے ہو چکے تھے۔ پھر وہ میز تک آیا۔ ٹشو باکس سے ٹشو باہر کھینچے۔ چہرے پہ گرے چھینٹے صاف کیے۔ گردن اور گریبان سے پانی کی بوندیں صاف کیں۔ ٹشو پرے اچھالا۔ تہہ شدہ آستین آگے کو کھولنے لگا۔ کلائی تک لایا۔ کف کے بٹن بند کیے۔ اس کی رنگت سفید تھی' برف جیسی۔ سارے تاثرات جم گئے تھے' گلیشیئر ہو گئے تھے۔ سپاٹ' سرد۔ اس نے گردن جھکائے' ٹائی کی گرہ کسی۔ پھر اسٹینڈ سے کوٹ اٹھا کر پہنا۔ نادیدہ شکنیں درست کیں۔ ذرا سا کالر جھاڑا۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا اور ان کو گویا درست کیا۔ موبائل جیب میں ڈالا۔ اب کے مڑا تو آبدار کا بے جان وجود فرش پہ گرا نظر آیا۔

''کیا اس کے گارڈز باہر ہیں؟'' اس نے بدلی ہوئی ٹھنڈی ہموار آواز میں پوچھا۔ رئیس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جی۔ ان کی کار ان کے ساتھ آئی تھی۔''

''کتنے ہیں؟'' وہ بالکل نارمل لگ رہا تھا اور نہیں بھی لگ رہا تھا۔

''تین۔''

''اور گھر میں کتنے لوگوں نے اسے ہماری کار میں بیٹھتے دیکھا تھا؟''

''چار ملازموں نے۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔''

''کُل ہوئے سات۔ ان ساتوں کا بندوبست کرو۔ ان کو خرید لو یا خاموش کرا دو۔ آبدار آج رات یہاں نہیں آئی۔ وہ راول لیک گئی تھی۔ اسے موت اور ڈوبنے کی obsession تھی۔ وہ راول لیک میں ڈوب کر خودکشی کر لیتی ہے' اور دو آدمی... تمہارے کوئی سادہ دِکھنے والے آدمی..... اس کی لاش ہسپتال لے کر جاتے ہیں۔ سرکاری ہسپتال۔ وہاں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ ڈاکٹر آفتاب واسطی اس کا پوسٹ مارٹم کرے گا اور لکھے گا کہ موت جھیل میں ڈوبنے سے ہوئی۔ ہارون شہر سے باہر ہے اس کے آنے سے پہلے رپورٹ تیار ہو جانی چاہیے۔ کل دوپہر میں جنازہ ہو جائے گا۔ میرا سیاہ شلوار سوٹ تیار کروا دینا۔ اور اب تم اس سارے میس کو صاف کرو۔'' اشارہ فرش پہ گری آبی' پانی' لڑھکے فلور لیمپ وغیرہ کی طرف کیا۔ پھر آبدار کے ساتھ سے نکل کر ایکویریم تک رکا۔ اس کی سطح پہ تیرتا سرخ ریشمی رومال اٹھایا' مٹھی میں بھینچ کر نچوڑا' اور اسے کوٹ کی جیب میں ڈال لیا۔ قدم قدم چلتا دروازے تک آیا تو نوشیرواں باتھ روم سے نکلتا دکھائی دیا۔ اس کا گیلا چہرہ یرقان کے مریض جیسا دکھتا تھا' اور آنکھوں میں بہت سا غم تھا۔ ''اس کی جان کیوں لی؟'' وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔ ہاشم نے کندھے اچکائے۔

''کیونکہ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ مجھے افسوس نہیں ہے۔ دس دفعہ موقع ملے' میں دس دفعہ یہی کروں گا!'' وہ جان چکا تھا' سو سرسری سے انداز میں اطلاع دی اور باہر نکل گیا۔ لفٹ کی طرف جاتے اس کے قدموں میں ذرا سی لرزش تھی' اور چہرہ مردوں کی طرح سفید تھا۔ آنکھیں بے جان تھیں۔

قصرِ کاردار کے لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ ٹائی ڈھیلی کر رہا تھا۔ اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ سونی کے کمرے کے باہر رکا' اور دروازہ کھولا۔ وہ اندر لحاف میں دبکی سوتی دکھائی دے رہی تھی۔

''تم اور میں۔ ہم اکیلے ہیں سونیا۔ مجھے سب نے دھوکہ دیا ہے۔ ممی' شیرو' سعدی' آبی۔ سب نے مجھے میری محبت کی سزا دی ہے۔

انہوں نے مجھے بھیڑ یا بنا دیا ہے' اور اب میں ان کو دکھاؤں گا کہ بھیڑ یا کیا ہوتا ہے۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے' مجھے کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ میں نے خود کو دریافت کر لیا ہے۔ میں نے سارے رشتے کھو دیے ہیں' سوائے تمہارے سونی۔ مگر اب مزید میں ان کو جیتنے نہیں دوں گا۔ یہ مجھے جتنا ہرا سکتے تھے' انہوں نے ہرا لیا۔" سونی کو دیکھتے ہوئے وہ زیر لب بڑبڑا رہا تھا۔

"But I am not going down without a fight"

اس نے ایک عزم سے دروازہ بند کیا' اور اپنے کمرے میں آیا۔ کوٹ اتارا اور وہ گیلا سرخ رومال بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ پھیلا دیا۔ پھر میڈیسن کیبنٹ کھولی۔ نیند کی گولیوں کی ڈبی نکالی' چند گولیاں پھانکیں' اور بغیر پانی کے نگل گیا۔ اب وہ بیڈ پہ بیٹھا جھک کر جوتے اتار رہا تھا۔ اس کے لب ایک ہی فقرہ بڑبڑا رہے تھے۔

"I am not going down without a fight"

❖❖❖

باب29:

شہ مات

''میں تمہیں ایک پتے کی بات بتاتی ہوں لڑکی!''
ملکہ نے بہت تفاخر سے کہا تھا۔
''اور وہ یہ ہے کہ....
ہر فیری ٹیل کا
خوشگوار انجام
نہیں ہوتا۔''
وہ چند قدم چل کر قریب آئی
اور ملکہ کے کان میں بولی۔
''آپ نے درست فرمایا تھا ملکہ عالیہ!
یہ ضروری نہیں ہوتا کہ
ہر فیری ٹیل کا
خوشگوار انجام ہو
لیکن ایک بات طے ہے۔
اور وہ یہ ہے کہ.....
ہر فیری ٹیل میں....
ہر ظالم ملکہ.....
اپنے برے انجام کو
ضرور پہنچتی ہے۔''
(شونڈا رائمنر)

صبح کی نیلی روشنی سارے میں پھیل رہی تھی۔ اس پر تعیش ڈائننگ روم کی کھڑکیوں سے نیلاہٹ سے ڈھکا لان نظر آتا تھا جس میں پرندوں کے بولنے کی آوازیں کسی مدھر نغمے کی مانند گونج رہی تھیں۔ ڈرائنگ روم میں وہی تینوں ملازم احمر اور سعدی کو بٹھا کر ان کو گھورتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ اور اب وہ دونوں وہاں تنہا تھے۔

احمر کا لباس داغدار اور میلا کچیلا لگتا تھا۔ آستین چڑھائے' بکھرے بال' تین راتوں سے جاگتے رہنے اور تشدد سہنے کے آثار چہرے پہ شدید تھکن اور اضطراب کی صورت نمایاں تھے۔ سعدی بھی تھکا ہوا تھا' مگر احمر کی نسبت کافی بہتر تھا اور چوکنا سا بیٹھا اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔

''سو پلان کیا ہے؟'' تھکے تھکے بے زار سے احمر نے قریب ہو کر سرگوشی کی۔

''پلان ہے تو آیا ہوں نا' ورنہ اتنا اچھا نہیں ہوں کہ کسی کے لئے یوں خطرے میں کود پڑوں۔''

بار بار کے ایک ہی سوال سے وہ بھی اکتایا۔ احمر نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اسے شدید پریشانی ہو رہی تھی۔ سر الگ پھٹ رہا تھا۔

چوکھٹ پہ آہٹ ہوئی تو دونوں چونکے۔ پھر بے اختیار کھڑے ہو گئے۔

صاحبزادی صاحبہ سامنے سے چلتی آ رہی تھی۔ قیمتی چادر سلیقے سے سر پہ اوڑھے' ایسے کہ بالوں کا ہیئر اسٹائل' کانوں کے بندے اور گردن کا زیور صاف نظر آ رہا تھا' (آخر یہ سیاسی عورتیں دوپٹہ کرتی ہی کیوں ہیں اگر کچھ بھی ڈھکنا نہیں ہوتا۔؟) وہ شاہانہ سے انداز میں مقابل بڑے صوفے پہ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اور تمکنت سے ساتھ کھڑے ملازم کو اشارہ کیا جس نے وہ سیاہ بیگ میز پہ رکھ دیا اور پھر باہر نکل گیا۔

''یہ زیورات لے کر میں تمہیں چھوڑ دوں گی' کیا یہی سمجھا تھا تم نے؟'' سرمئی آنکھوں میں چبھن لئے احمر کو دیکھا تو اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ شرمندگی سے نہیں' شاید مصلحت سے۔ صاحبزادی صاحبہ نے نظروں کا رخ سعدی کی طرف پھیرا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ سادگی تھی' البتہ آنکھوں میں چمک بھی تھی۔

''آپ یہ زیورات رکھ سکتی ہیں' لیکن ہم دونوں کو آپ کو چھوڑنا ہی ہوگا۔''

''ہوں!'' اس نے غور سے سعدی کو سر سے پیر تک دیکھا۔ ''تم نے اپنی ای میل میں لکھا تھا کہ تم احمر کے فلیٹ میں جا رہے ہو جہاں میرے آدمی نا دانستگی میں تمہیں یرغمال بنا لیں گے' اور چونکہ تم مشہور ہو چکے ہو تو مجھے تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ بلکہ تمہاری آفر سننی چاہیے۔ سو بولو' تمہیں کیا کہنا چاہیے؟''

''احمر کو جانے دیں۔ حفاظت اور امن سے اور دوبارہ اس کا کبھی پیچھا نہ کریں۔'' وہ سنجیدگی سے شرائط سامنے رکھ رہا تھا۔ احمر نے پوری گردن گھما کر سعدی کو دیکھا۔ پلان کیا تھا آخر؟

وہ دھیرے سے ہنس دی۔ ''اس کو جانے دوں؟ جس نے میرے خلاف میڈیا مہم چلائی۔ مجھے میرے خاندان نے شہر بدر کر دیا۔ میرا کیریئر ختم ہونے پہ آ گیا۔ اور تم کہتے ہو کہ میں اس کو جانے دوں؟''

''سیاست کوئی ہفتہ وار کھیل نہیں ہوتا کہ کسی اسکینڈل' کسی کیس سے کوئی تباہ ہو جائے۔ آپ کا کھیل جاری رہے گا۔ اور اس نے جو بھی کیا' وہ اپنی مالکن کے کہنے پہ کیا۔ آپ اس کی مالکن سے حساب کیوں نہیں لیتیں؟ اگر میں آپ کو اس کی مالکن کا کچھ لا کر دوں تو؟''

''یہ زیور۔ یہ وہی مشہورِ زمانہ زیورات ہیں نا جو ہارون عبید کی بیوی کے تھے اور غائب ہو گئے تھے؟ یہ اب جواہرات کو چاہیے ہیں نا؟ ان زیورات کے لئے میں تمہارے دوست کو کیوں چھوڑوں گی جبکہ میں ان کو حاصل کر چکی ہوں۔'' اس نے تفاخر سے کندھے اچکائے تھے۔ احمر نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ (گھامڑ بک بھی دے پلان کیا ہے؟)

''میں نے کہا نا' زیورات آپ رکھ سکتی ہیں' میں ان کی بات نہیں کر رہا۔'' وہ احمر کی گھوریوں کو نظر انداز کر رہا تھا۔

''پھر؟''

''مسز کاردار آج کل ہاشم کے زیرِ عتاب ہیں' اور ہاشم ان سے متنفر ہے۔ وہ اس کا دل دوبارہ جیتنے کی کوشش کر رہی ہیں۔''

احمر نے پھر مضطرب سے ہو کر سعدی کو دیکھا۔ (یہ سب تو تجھے رات کو میں نے بتایا ہے' بے غیرت۔ اپنا کیا لایا ہے تو؟) مگر وہ کہہ رہا تھا۔ ''وہ اس وقت ہاشم سے ذرا سا بھی بگاڑ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان کے ہاتھ میں نہ مال ہے' نہ اولاد۔ وہ بالکل بے بس ہیں' تو آپ ان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیں۔''

صاحبزادی صاحبہ کی بھنویں دلچسپی سے اٹھی ہوئیں۔ ''اور وہ کیسے؟''

''آپ کوئی پیشہ ور مجرم ہیں نہیں۔ یہ اپنے ڈرائیور اور مالی ٹائپ لوگوں سے آپ نہ لوگوں کو بلیک میل کر سکتی ہیں' نہ اغوا اور قتل۔ آپ ایک' معذرت کے ساتھ' ٹیپکل خاتون ہیں' تو عورتوں والی لڑائی لڑیں نا' جو زبان سے لڑی جاتی ہے۔ طعنوں' طنز' اور چیخ و پکار کر کے۔''

''تم کچھ جانتے ہو جواہرات کے بارے میں؟'' وہ ذرا آگے کو ہوئی۔

''میں یہ جانتا ہوں کہ اس نے کچھ ایسا کیا ہے جو اس کے بیٹوں کو نہیں معلوم' اور اگر پتہ چل گیا تو وہ ان دونوں کو کھودے گی۔''

احمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بھی مزید دلچسپی سے آگے ہوئی۔

''ہوں۔ ایسا کیا ہے؟''

''آپ کے قبیلے کے لوگ اپنے وعدے سے نہیں پھرتے۔ پہلے ہم سے وعدہ کریں کہ اگر میں وہ بتا دوں تو آپ ہمیں جانے دیں گی۔'' پھر جلدی سے اضافہ کیا۔ ''زندہ سلامت۔''

''اگر وہ معلومات کسی لائق ہوئی' تو ضرور۔ میرا وعدہ ہے۔''

''صاحبزادی صاحبہ۔'' سعدی ہلکا سا مسکرایا۔ ''ہر معلومات کی اچھی بھلی قیمت ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے وعدے سے پھریں تو میں نے غازی کو بھی میل کر دی تھی' وہ ہم دونوں کو ویسے بھی نکلوا لے گا یہاں سے' مگر میں اس تسلی کے ساتھ جانا چاہتا ہوں کہ آپ احمر کو کچھ نہیں کہیں گی دوبارہ۔''

''چلو۔ وعدہ کیا۔ اب بتاؤ۔''

کمرے میں چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔ احمر کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا سعدی کیا کہنے جا رہا ہے۔

''جواہرات کاردار نے اپنے شوہر کا قتل کیا ہے۔ ہاشم اور نوشیرواں کے باپ اورنگزیب کاردار کا۔''

لمحے بھر کو کمرے میں ہوا کے ساتھ سانسیں بھی ساکن ہو گئیں۔

''اور اس کے بیٹے نہیں جانتے؟'' وہ سانس روک کے بولی۔

''نہیں!'' وہ دونوں ایک ساتھ بولے اور حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ دوسرا کیسے جانتا تھا' دونوں نے سوچا۔ صاحبزادی صاحبہ کی آنکھوں میں ایسی چمک ابھری جو میز پہ رکھے زیورات سے زیادہ آنکھیں چندھیا دینے والی تھی۔

''باطور خان....'' اس نے جذبات سے مخمور آواز میں زور سے آواز لگائی۔ ملازم بھاگتا ہوا آیا۔

''ناشتہ تیار کرواؤ' اور پھر گاڑی لگواؤ۔ ہمارے مہمان ناشتے کے بعد واپس چلے جائیں گے' تب تک میں ان سے کچھ بات کر لوں۔'' خوشگوار موڈ میں اس کو ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً مؤدب سا پلٹ گیا۔ اب وہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا ثبوت ہے اس کا؟''

''ثابت تو نہیں کرنا آپ نے عدالت میں۔ صرف اس کے بیٹوں کو بتانا ہے۔ آگے جواہرات کا چہرہ بتا دے گا کہ وہی قاتل ہے۔''

سعدی نے اطمینان سے کہا تو احمر نے جلدی سے اضافہ کیا۔ ''مگر ہم آپ کو وہ واقعات بتا سکتے ہیں جو اس قتل کے آس پاس یا اس کی وجہ سے

ہوئے' آپ ان کا ذکر کریں گی ہاشم کے سامنے وہ مان جائے گا۔"

"گڈ۔" وہ مسکرا کے پیچھے ہوئی۔ "میں سن رہی ہوں۔ تم بولتے جاؤ۔"

ڈیڑھ گھنٹے بعد جب صبح پوری طرح روشن اور چمکدار ہو چکی تھی' وہ دونوں احمر کی فلیٹ بلڈنگ کے سامنے کھڑے تھے اور جو کاران کو عزت و اکرام سے ادھر چھوڑ کے آئی تھی' وہ اب زن سے آگے بڑھ گئی تھی۔ احمر اس کی طرف گھوما اور ایک دم غصے سے اسے دیکھا۔

'اب جواہرات سے کیسے بچیں گے ہم؟ ان کا اتنا بڑا راز کھول دیا ہے تم نے۔ میں کبھی بھی ان کو ایسا دغا نہ دیتا اگر تم نہ بات شروع کرتے۔"

"اوہ بالکل' تم ان کو لوٹ سکتے ہو' ان کا مال لے کر بھاگ سکتے ہو' مگر ان کو دغا نہیں دے سکتے۔ ٹھیک ٹھیک۔"

"بک بک نہ کرو۔" اس نے بالوں میں انگلیاں پھیریں اور جیسے اضطراب کم کرنا چاہا۔ "اب میں جواہرات کا کیا کروں گا؟"

"جیسے کہ میں جانتا ہی نہیں کہ تم یہاں سے بھاگ جاؤ گے۔ ویسے ایسے موقعوں پہ جان بچانے والے کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔" سعدی نے قدرے خفگی سے یاد دلایا۔ احمر کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پہ امڈ آئی۔ "شکریہ۔ اب کیا کچھ کھلاؤں تمہیں؟ صحیح والا ناشتہ؟ نہ کہ وہ خوف والے ماحول جیسا ناشتہ۔" جھرجھری لیتے اس نے جیب پہ ہاتھ رکھا۔

"جو والٹ انہوں نے تمہارا واپس کیا تھا احمر' وہ تمہاری اس پاکٹ میں نہیں ہے' بلکہ دوسری میں ہے۔"

احمر کا ہاتھ رک گیا' مگر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "تم بدل گئے ہو' پزابوائے!"

"I learned from the best!"

وہ بھی سادگی سے مسکرایا تھا۔ دونوں اس خوشگوار صبح میں کھلے آسمان تلے عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔

"پھر تم یہاں سے بھاگ رہے ہو یا نہیں؟" سعدی نے پوچھ ہی لیا تھا۔ وہ جوتے سے زمین کو مسلتا سر جھکائے بولا۔

"There are three ways for a person to disappear. The first is to die. The second is to lie. And the last is to be reborn."

اور پھر ٹھہر کے بولا۔ "ولیم شیکسپیئر۔" سعدی نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں سمجھ گیا۔ اپنا خیال رکھنا۔ اب میں چلتا ہوں۔" احمر نے اس کا شانہ جوابا تھپتھپایا اور مسکرا کے بولا۔ "تم بھی شادی کر لینا۔" وہ الوداعی ملاقات کسی بھی جذباتی سین کے بغیر ختم ہوئی اور وہ دونوں محض گلے ملے' پھر ہاتھ ملایا' اور سعدی پارکنگ ایریا کی طرف بڑھ گیا۔ اپنی کار میں آ کر بیٹھا تو دیکھا' موبائل زوں زوں کر رہا تھا۔

"امی' میں آ رہا ہوں گھر اور نہیں' میں نے کورٹ میرج نہیں کر لی' آپ بے فکر رہیں۔" کار اسٹارٹ کرتے ہوئے خوشگوار سے انداز میں بولا تھا' مگر دوسری طرف کے الفاظ سن کر وہ دھک سے رہ گیا۔ "زمر؟ کیا ہوا زمر کو؟ کس ہاسپٹل میں؟"

.....❖❖❖.....

وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ نہیں ہوتی ..... وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

ہسپتال کا وہ کمرہ خاموش سرد سا لگتا تھا۔ میز پہ رکھے تازہ پھولوں کی خوشبو نے مگر اسے معطر کر رکھا تھا۔ یہ پھول حنین لائی تھی' اور خود جانے کہاں گم ہو گئی تھی۔ کمرے میں ان دونوں کے سوا اس وقت کوئی نہیں تھا۔ وہ یوں چت لیٹی تھی کہ سرہانے سے بیڈ اٹھا ہوا تھا' سوتکیوں پہ رکھا سر اونچا دکھائی دیتا تھا۔ ہاتھ پہلو میں رکھے تھے اور ان پہ نالیاں لگی تھیں۔ چند ایک خراشیں' گلا خراب' بخار' شاک۔ اس سے زیادہ اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ دیکھنے میں ذرا زرد مگر پرسکون نظر آ رہی تھی۔

بیڈ پہ اس کے قریب بیٹھا' اسے دیکھتا فارس تھکا تھکا سا چہرہ لیے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھامے فکرمندی سے اسے دیکھ رہا

تھا۔ ''زمر!'' پھر نرمی سے پکارا۔ زمر نے نظریں پھولوں سے ہٹا کر اس کی طرف موڑیں۔ ملائمت سے مسکرائی۔ بولی کچھ نہیں۔

''شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔'' جانے کس دل سے اس نے کہا اور وہ بھی کس دل سے مسکرائی تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ رات والے لباس میں تھا۔ آستینیں اسی طرح چڑھا رکھی تھیں۔ چہرے پہ تھکن سے زیادہ فکر تھی۔

''ہوں!'' اس نے لیٹے لیٹے سر کو ذرا سی جنبش دی۔

''میں بہت ڈر گیا تھا۔ مجھے لگا میں تمہیں کھو دوں گا۔''

وہ اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ بولی کچھ نہیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ برقرار رہی۔

''تم بھی ڈر گئی تھیں؟''

''ہوں!'' اس نے پھر سے سر کو خم دیا۔

''اب ذہنی طور پہ کیسا محسوس کر رہی ہو؟'' فارس نے بات کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

''ہوں!'' اس نے ساتھ ہی ذرا سے شانے اچکائے' گویا 'ٹھیک ہوں' کہہ رہی ہو۔ فارس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

''تمہاری آواز تو ٹھیک ہے نا؟ کیا گلا بیٹھ گیا ہے؟ تمہیں بہت چلانا پڑا ہوگا' ہے نا۔''

''اونہہ!'' اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ جانے وہ تین میں سے کس بات کا جواب تھا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ چند لمحے فضا میں خاموشی پھولوں کی مہک سے لپٹی' ساکن کھڑی رہی۔ وہ بار بار لب کھولتا' پھر ٹھہر جاتا۔ وہ ایسا کیا کہے کہ آگے سے وہ کچھ بولے؟ کوئی بات کرے؟

''کچھ بولو۔ کچھ کہو۔''

اوہ اسی طرف خاموش رہی۔ اسے زمر کو شاک سے نکالنا تھا۔ کچھ تو اسے خود کہنا پڑے گا۔

''مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا۔ بہت پہلے بتا دینا چاہیے تھا مگر نہیں بتا سکا۔ کل رات مجھے پہلے سے زیادہ یہ بات محسوس ہونے لگی تھی۔'' وہ اب کے نظریں جھکا کر بولا تھا۔ تکیے پہ سر رکھے لیٹی زمر اسی سادگی سے اسے دیکھے گئی۔

''مسز کاردار نے صرف تمہاری کڈنی رپورٹ میں ردو بدل نہیں کیا تھا۔ وہ تمہاری منگنی تڑوا کر تمہیں کو لیٹرل ڈیمیج بنانا چاہتی تھیں' تاکہ تم میرے خلاف گواہی دو۔ اس لئے انہوں نے.....'' اس نے سر جھٹکا۔ ''وہ سب ایک جھوٹ تھا۔ کہ تم ماں نہیں بن سکو گی۔ کہ تمہاری کبھی فیملی نہیں ہو سکے گی۔ تمہاری فیملی ہو گی زمر! تمہاری..... ہماری فیملی ہو سکتی ہے زمر!'' وہ اب بھی نظریں جھکائے ہوئے تھا۔ ''مجھے یہ بات تب معلوم ہوئی جب ہم نے زندگی ابھی شروع کی تھی۔ اسی لئے میں نے تمہارے ڈاکٹر کو پیٹا تھا۔ اور میں شاید تمہیں بتا بھی دیتا مگر اسی رات سعدی قید سے بھاگ نکلا تھا۔ مجھے لگا ابھی اپنے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔ پھر بعد میں' میں نے کافی عرصہ تمہیں یہ سب نہیں بتایا' کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم ایک خاندان بنانے کی آرزو میں اپنی صحت داؤ پہ لگاؤ۔ یہ ممکن ہے مگر مشکل ہے اور میں تمہیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ آئی ایم سوری' مجھے یہ سب نہیں چھپانا چاہیے تھا مگر میں نے وہی کیا جو مجھے تمہارے لئے بہتر لگا۔'' اس نے نظریں اٹھائیں تو وہ اسے اسی طرح دیکھ رہی تھی۔ نرمی' اور ملائمت سے مسکراتے ہوئے۔ اسے شک سا گزرا۔

''تم جانتی تھیں؟''

''اونہوں۔'' اس نے سچائی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ نہیں جانتی تھی مگر جان کر بھی کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ فارس نے گہری سانس لی۔

''تمہیں برا لگا میرا تم سے چھپانا؟''

اس نے پھر نفی میں گردن کو جنبش دی۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''کچھ تو بولو زمر۔ کوئی تو بات کرو۔ کل رات کی کوئی بات کرو' کچھ کہو۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔''

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر دھیرے سے لب کھولے۔ ''قانونِ شہادت میں وہ کون سا آرٹیکل ہے جس کے تحت میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا؟'' اس کی آواز صاف تھی۔

فارس بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔ اچنبھے اور پریشانی سے۔ ''کیا؟''

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ ایسا آرٹیکل موجود ہے جس کے تحت میاں بیوی ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے کے پابند نہیں ہوتے؟''

فارس نے تحیر سے نفی میں سر ہلایا۔ تو زمر نے مسکرا کے اثبات میں گردن ہلائی۔

''دیکھا! میں تمہیں جانتی ہوں۔''

''تم..... میرا خیال ہے تم آرام کرو۔ میں آپا اور حنین کو دیکھتا ہوں۔'' وہ الجھا ہوا سا اس کا ہاتھ چھوڑ کے کھڑا ہو گیا۔ زمر نے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں۔

''وہ ذہنی طور پہ ٹھیک نہیں ہے۔'' باہر آ کر وہ حنہ کے ساتھ آرکا اور دھیرے سے بولا۔ ''مجھ سے قانونِ شہادت کے آرٹیکلز کا پوچھ رہی ہے۔ استغفر اللہ۔''

''ہیں!'' حنہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ پھر اسے افسوس ہوا..... اس ساری ٹریجڈی میں قانونِ شہادت کو لانے کا کیا مطلب تھا؟ یقیناً وہ ذہنی طور پہ شدید ہل کر رہ گئی تھی۔

''تم لوگ اس سے اب ایسی کوئی بات نہ کرو۔'' ندرت ان دونوں کو ٹوکتیں اندر بڑھ گئیں اور اسی پل دوسری جانب سے سعدی آتا دکھائی دیا۔ فارس اور حنین جو سرگوشی میں بات کر رہے تھے' اس کو دیکھ کر اسی جانب گھوم گئے۔ اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

''زمر ٹھیک ہیں نا؟''

''وہ تو ٹھیک ہے' تم کیسے ہو؟ اور یہ کیا ای میل کی ہے تم نے مجھے؟'' وہ برہمی سے بولا۔

''احمر مشکل میں تھا' ساری تفصیل بتاتا ہوں' پہلے میں زمر سے مل لوں۔'' پریشانی سے کہتا وہ دور جاتی ندرت کے پیچھے لپکا۔ فارس آنکھیں مشکوک انداز میں سکیڑ کر اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اس تلخ اور اندھیری رات کا اختتام ہو چکا تھا اور یہ صبح کافی امید افزا لگتی تھی۔

.....❖❖❖.....

جلا ہے جسم جہاں، دل بھی جل گیا ہوگا ..... کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے

قصرِ کاردار پہ عجیب سی مردنی چھائی تھی۔ صبح طلوع ہو چکی تھی اور ملازم نئے سرے سے اس محل کو سجانے سنوارنے میں لگ گئے تھے۔ مگر کوئی عجیب ویرانی اور ہولناکی سی در و دیوار سے ٹپکتی محسوس ہوتی تھی۔ ایسے میں جواہرات شب خوابی کے لباس میں ملبوس لاؤنج کی کرسی پہ تمکنت سے بیٹھی' اخبار سامنے پھیلائے ہوئے مطالعے میں منہمک تھی۔ تبھی دروازہ زور سے کھلا تو اس نے عینک کے پیچھے سے نگاہیں اٹھا کے دیکھا۔

دروازہ واپس دے مار کے شیر و اندر آیا تھا۔ چال میں عجیب سی لڑکھڑاہٹ تھی۔ رات کا ملگجا لباس' اور سرخ آنکھیں' بکھرے بال۔ جواہرات نے ناپسندیدگی اسے دیکھا۔

''تم ساری رات سے کدھر تھے؟ اور کیا منہ دھونے کا وقت بھی نہیں ملا تھا؟''

وہ جو چلتا جا رہا تھا' آواز پہ رکا' اور سرخ آنکھیں گھما کر تنفر سے اسے دیکھا۔

''کیا آپ کے بڑے بیٹے نے بتایا نہیں کہ اس نے کیا کیا ہے؟'' جواہرات نے چونک کر اخبار نیچے کیا۔ ''ہاشم؟ کیا ہوا؟ وہ ٹھیک تو ہے؟''

''بھائی نے..... ممی..... زمر کو ہوٹل کی لفٹ میں بند کر دیا..... تاکہ..... تاکہ وہ مر جائے۔'' وہ درد سے تنفر سے' غصے سے دبی دبی آواز میں غرایا تو وہ سکتے میں آ گئی۔ ''مگر وہ نہیں مری۔ فارس نے اسے بچا لیا' تو پتہ ہے بھائی نے کیا کیا؟ آبی کو..... آبدار کو مار دیا۔ اپنے ہاتھوں سے اس کو میرے سامنے مار دیا۔ آبدار مر گئی' ممی۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کے چہرے پہ لڑھک گئے۔ جواہرات سن سی بیٹھی رہ گئی۔

''آبدار..... مر گئی؟'' اس نے بے یقینی سے دہرایا۔

وہ اب دھڑا دھڑ سیڑھیاں چڑھتا اوپر جا رہا تھا۔ مگر ملکہ ابھی تک برف بنی بیٹھی تھی۔

❖❖❖

ابھی بادباں کو تہہ رکھو ابھی مضطرب ہے رخِ ہوا ..... کسی راستے میں ہے منتظر وہ سکوں جو آ کے چلا گیا...!!

مور چال میں شام اتری تو گھر کی رونقیں پھر سے جاگ اٹھیں۔ زمر ڈسچارج ہو کر آ گئی تھی اور اپنے کمرے میں صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ بیڈ پہ لیٹے رہنا اسے گوارا نہیں تھا۔ بال آدھے بندھے تھے اور ناک سرخ لگتی تھی۔ پانی میں پڑے رہنے کے باعث اسے بخار اور فلو ہو گیا تھا۔ سو ہاتھ میں ٹشو بھی پکڑ رکھا تھا۔ البتہ چہرے پہ بس مسکراہٹ تھی۔ بالکل ساتھ بڑے ابا کی وہیل چیئر رکھی تھی' اور وہ فکرمندی سے اس کی طرف جھکے' اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھ رہے تھے۔ اور وہ ہلکی سی آواز میں جواب دے رہی تھی۔ کسی نے کسی سے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ سوائے ملازموں کے' سب ہی جان گئے تھے کہ گزشتہ رات کیا ہوا تھا۔

''آخر یہ ہاشم کب ہماری جان چھوڑے گا؟'' ابا نے نم آواز میں اس سے پوچھا تھا۔ ''یہ سب کب ختم ہوگا؟''

زمر نے گہری سانس لے کر ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''پتہ نہیں۔''

''زمر!'' حنہ دروازے سے اندر آئی۔ زمر نے سر اٹھا کے مسکرا کے اسے دیکھا۔ وہ قدرے جھجک کر داخل ہو رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں ایک سی ڈی پکڑ رکھی تھی۔ پریشان' مرجھائی ہوئی لگتی تھی۔ ''صرف ہاشم نہیں' اور بھی لوگ شامل تھے اس میں۔ مثلاً وہ شہرین۔'' اس کی آواز برہمی سے ذرا کانپی۔ ''اس کا بھی کچھ کرنا ہوگا۔''

''چھوڑو حنین۔'' زمر نے سر جھٹکا مگر اس نے وہ سی ڈی اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ شہری کی ویڈیو ہے' جو احمر نے دی تھی بہت پہلے۔'' بڑے ابا کی موجودگی کے باعث اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ (کارڈ گیم' کلب والی ویڈیو!) ''آپ اس کو شہری کے خلاف.....''

زمر نے سی ڈی اس کے ہاتھ سے لی اور کھٹ کے ساتھ اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ حنین کچھ بول نہیں سکی۔

''انتقام کا چکر کبھی ختم نہیں ہوتا حنہ۔ چھوڑو۔ جانے دو۔'' اس نے دونوں ٹکڑے بے نیازی سے میز پہ ڈال دیے۔ حنہ نے سر جھکا دیا۔ چند لمحے تینوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ پھر حنہ نے آنکھیں اٹھائیں۔ ''آپ کچھ بات تو کریں۔'' گویا شکایت کی۔

زمر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ ''تمہاری آنکھیں اب کیسی ہیں؟''

''میری..... آنکھیں؟''

''ہوں..... آپریٹ ہوئی تھیں نا۔ لیزر سرجری۔ عینک اتارنے کو۔ اب نظر ٹھیک آتا ہے؟''

''جج.....جی۔'' ایک عجیب حیران سی نظر اس پہ ڈالی اور ''میں آتی ہوں'' کہہ کر باہر نکل گئی۔

کچن کے کھلے دروازے سے دیکھا تو فارس اور سعدی کھڑے نظر آ رہے تھے۔ وہ تیزی سے اس طرف آئی۔

''زمر کو واقعی کچھ ہو گیا ہے۔ عجیب باتیں کرنے لگی ہیں۔'' وہ فکرمندی سے بولی تھی مگر وہ دونوں متوجہ نہیں تھے۔ حنہ نے ان کے تاثرات دیکھے۔

''آپ لوگ زمر کی فکر کریں' نا کہ مسز جواہرات کی۔ مار دیا انہوں نے اپنے شوہر کو' اب قصہ ختم کریں ان کا۔'' صبح سے وہ ساری کتھا سن سن کر وہ بے زار آ گئی تھی۔

''ہم اس بات کو زیادہ اچھے طریقے سے استعمال کر سکتے تھے۔'' کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا فارس افسوس سے بولا تھا۔ ساتھ ہی بار بار نفی میں سر ہلاتا پھر سعدی کو گھورتا۔ ''اگر تم مجھے وقت پہ بتا دیتے.....''

''جیسے آپ تو کبھی کچھ چھپاتے ہی نہیں ہیں۔''

''زیادہ بک بک مت کرو۔'' ان کے اپنے مسئلے تھے۔

اندر کمرے میں ابا زمر سے سوال کر رہے تھے۔ ''تم اتنی چپ چاپ کیوں ہو؟''

''کیونکہ میں ہمیشہ بولتی ہی رہتی ہوں' ابا۔'' وہ مدھم آواز میں بولی تھی۔ ''آوازیں ہوا کی لہروں پہ اوپر اٹھتی ہیں' دائیں بائیں بکھرتی ہیں۔ پانی میں دب جاتی ہیں۔ اتنا سارا پانی دیکھا ہے میں نے کہ میں اب بولنا' لڑنا جھگڑنا نہیں چاہتی۔'' وہ زخمی سا مسکرائی۔ ''میں سکون' صلح صفائی سے رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ہر بات کے سو جواب نہیں دینے' مجھے بحث نہیں کرنی۔ بہت گزار لی زندگی لڑتے جھگڑتے' بحث کرتے۔ اب میں تھک گئی ہوں۔ میں سکون چاہتی ہوں۔''

''ماموں.....بھائی.....زمر.....'' اسامہ کی لاؤنج سے چلاتی ہوئی آواز پہ وہ چونکی' دل زور کا دھڑکا' پھر ایک دم اٹھ کر باہر کو دوڑی۔ ٹشو کہیں نیچے گر گیا۔

لاؤنج میں سب بھاگم بھاگ جمع ہوئے تھے۔ اسامہ دیوار پہ نصب ٹی وی اسکرین کے سامنے کھڑا تھا جہاں خبر چل رہی تھی' نیوز کاسٹر بول رہی تھی' تصویریں چمک رہی تھیں' مگر اسامہ سکتے سے صرف ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

''آبدار عبید.....ڈوب کر.....مر گئی.....'' لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ زمر نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور بدقت صوفے پہ بیٹھتی چلی گئی۔ حنین نے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ سعدی نے پریشانی سے کچھ بڑبڑاتے جلدی سے موبائل نکالا تھا اور فارس.....وہ.....خالی خالی نظروں سے اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ڈوب کر مری تھی۔ وہ پانی میں مری تھی۔ وہ آبدار تھی۔ پانی سے بنی.....کانچ سے بنی.....وہ اسکرین کو دیکھ رہا تھا اور اس کی رنگت سفید پڑتی جا رہی تھی۔

❖❖❖

قبریں ہی بتا سکتی ہیں.....اس شہرِ جبر میں ..... مر کر دفن ہوئے ہیں.....کہ زندہ گڑھے ہیں لوگ

دو دن بعد:۔

ہارون عبید کی رہائشگاہ کے سبزہ زار پہ گزشتہ دو روز سے عجیب سناٹا چھایا تھا۔ سارے پرندے سہم کر اڑ گئے تھے۔ مور اپنے پنجروں میں دبک کر بیٹھے تھے۔ جانور ساری ساری رات عجیب سی آوازیں نکالتے تھے' اور ایک سفید ایرانی بلی تھی جو درد سے چلاتی سارے میں بوا ئی بولائی پھرتی تھی۔ ہر شے پہ جھپٹتی' ہر کونا سونگھتی' مگر قرار کہیں نہیں تھا۔ اس وقت بھی وہ سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر بھاگتی آتی دکھائی دے رہی تھی۔ راہداری عبور کی اور اسٹڈی کے اَدھ کھلے دروازے کے سامنے جا رکی۔ درد سے عجیب آوازیں نکالتی وہ وہیں ڈور میٹ پہ بیٹھ گئی اور سر اپنی

کھال میں دے دیا۔

اسٹڈی میں نیم اندھیرا تھا۔ ہارون آرام دہ کرسی پہ ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ دو انگلیوں میں سگار دبا تھا جس سے دھوئیں کے مرغولے اڑ اڑ کر فضا میں گم ہو رہے تھے۔ سارے میں سفید دھواں سا بھرا محسوس ہوتا تھا اور نکوٹین کی بُو۔ ان کا لباس بے داغ' کلف لگا' نفیس سا تھا' بال شیو سب بنے تھے۔ بس چہرے پہ گہری ویرانی تھی۔ آنکھوں میں خالی پن تھا۔ ایسا درد دل کو کاٹتا تھا جو نہ کبھی پہلے محسوس ہوا تھا نہ کبھی محسوس کرنا چاہا تھا۔ میز پہ ایک فوٹو فریم رکھا تھا جس میں سرخ رومال سر پہ باندھے مسکراتی ہوئی لڑکی نظر آ رہی تھی۔ ہارون کی ویران نظریں اس شفاف چہرے پہ جمی تھیں۔ درد بڑھتا جا رہا تھا۔

ساتھ رکھا موبائل زوں زوں کرنے لگا تو وہ گہری سانس لے کر سیدھے ہوئے۔ سگار ایش ٹرے میں ڈالا' اور کھنکھار کے خود کو کمپوز کیا' پھر فون کان سے لگایا۔

''تمہاری بیٹی کا مجھے بہت افسوس ہے۔'' جوہرات کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔ ''جنازے میں سرسری ملاقات ہو سکی تم سے۔ تفصیل سے بات ہی نہیں ہو پائی۔ سوچا چوٹ ذرا ٹھنڈی پڑ جائے تو کال کروں گی۔''

''سن رہا ہوں' بولو۔'' ان کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔

''ظاہر ہے' میں نے ہی بولنا ہے کیونکہ تم ہر لحاظ سے سننے کی پوزیشن میں ہو۔''

''میں جانتا ہوں یہ سب تمہارے بیٹے نے کیا ہے۔'' ان کی آواز کانپی۔

''کیوں خود کو تھکا رہے ہو یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ تمہیں اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی؟ ہم دونوں جانتے ہیں کہ تم اسے استعمال کرنا چاہتے تھے' اس کے گارڈز میں اضافہ بھی اس لئے کیا تھا کہ کوئی اس کو تمہاری کمزوری سمجھ کر تمہارے خلاف استعمال نہ کر سکے۔ تم اس کے ذریعے ہماری دولت اور طاقت میں شراکت چاہتے تھے' اور یوسفزر کے ذریعے ہمیں تباہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ دونوں کام تم خود کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ اس لئے.....'' وہ رکی۔ سانس لی۔ ''اب تمہارا غم ہلکا ہو ہی گیا ہوگا تو میں تمہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی چلوں۔ میں اور ہاشم تمہیں تمہارے منہ مانگے شیئرز اور کمپنی assets دینے کے لئے تیار ہیں۔''

وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ بولے کچھ نہیں۔ آنکھیں مزید سرخ پڑ رہی تھیں۔

''تم ایک سیاستدان ہو ہارون' اور سیاستدانوں کی طاقت کے لئے ہوس کبھی ختم نہیں ہوتی۔ تم ہم سے بگاڑ کر کبھی ترقی نہیں کر سکو گے۔ اور ہمارے وہ دوست جن کے پیسے کو وزیرستان سے آگے جانے کے لئے ہماری مدد چاہیے ہوتی ہے' ان کو کبھی اچھا نہیں لگے گا اگر تم اور ہم آپس میں بگاڑ لیں۔ تو یوں کرو' ہمارے گھر آ جاؤ۔ آج ہی ہم ڈیل کر لیتے ہیں۔''

''مجھے ہر چیز کاغذات پہ چاہیے' بلکہ اینڈورسمنٹ میں۔ اور زرنگار کے زیورات بھی۔'' وہ سرد مہری سے بولے تھے۔

''وہ بھی مل جائیں گے۔ مگر شیئرز اور دوسرے اثاثہ جات کی بات پہلے ہوگی۔ میں لنچ پہ انتظار کر رہی ہوں۔'' خوشگوار سے انداز میں کہہ کر اس نے فون بند کیا تو ہارون نے موبائل بے زاری سے میز پہ ڈال دیا اور آنکھیں میچ لیں۔

قصرِ کاردار میں واپس آؤ تو ہاشم کے کمرے کے پردے بند تھے' اور وہ رف سی جینز ٹی شرٹ میں ملبوس صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ دوپہر کے باوجود اندھیرا لگتا تھا' مگر ہاشم کا ویران چہرہ' بڑھی شیو' بکھرے بال' سب ٹیبل لیمپس کی زرد روشنی میں نظر آ رہا تھا۔

کھڑکی کے قریب کھڑی جواہرات نے موبائل میز پہ رکھا اور اپنائیت سے مسکراتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ وہ سنجیدگی سے سامنے دیکھتا رہا۔ سپاٹ۔ سرد سا۔ جواہرات نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے دبایا۔ ''میں تمہیں سمجھ سکتی ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

''تھینکس۔''اس کے چہرے پہ چھائی سرد برف میں دراڑ پڑی۔

''اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟ دو دن سے کمرے سے نہیں نکلے۔''

''ٹھیک ہوں' ممی!''وہ دھیرے سے بولا۔

''تمہیں گلٹ ہے؟''وہ نرمی سے کہتی اس کے ساتھ بیٹھی۔

''نہیں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ میں نے جو کیا' ٹھیک کیا۔''وہ گردن کڑا کے بولا تھا۔''اور اب جو بھی مجھے دکھ دے گا' میں اس کو اپنے ہاتھوں سے عبرتناک شکست دوں گا۔''اس کی آنکھوں میں آگ کی لپٹیں سی اٹھ رہی تھیں۔ جواہرات مسکرائی۔

''گڈ۔ امید ہے اب تم مجھے سمجھ سکو گے۔ میں نے خاور اور سعدی کی موت کا حکم نامہ اس لئے جاری کیا تھا کیونکہ میں تمہیں مزید تکلیف سے بچانا چاہتی تھی۔ اگر وہ دونوں مر گئے ہوتے تو اس دن کی نوبت نہ آتی۔''

ہاشم نے محض سر کو خم دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ جواہرات غور سے اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ اسے تسلی ہوئی۔ سرد دیوار پگھل رہی تھی۔

''کل سے میں تمہارے ساتھ آفس آؤں گی۔ ان کاغذات کو واپس لے لو۔ ہارون سے متعلق بہت سے معاملات مجھے ہی سنبھالنے ہوں گے۔''ملکہ کو اپنا تخت واپس مل گیا تھا۔ ولی عہد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر اسے دیکھا۔

''ہارون.....کیا مجھے یونہی جانے دے گا؟''وہ ذرا حیران تھا۔ جواہرات بے اختیار کھلکھلا کر ہنس دی۔ اس کی گوری رنگت میں گلابیاں سی گھل گئیں۔

''ارے تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ ہر انسان کو اپنی اولاد سے اتنی ہی محبت ہوتی ہے جتنی مجھے ہے؟ نہیں ہاشم۔ ہر طاقت ور' ہر دولتمند انسان اپنی اولاد کی میری طرح پرستش نہیں کرتا۔ ہم اس کے غم کا مداوا کر دیں گے تو وہ ہمارے سامنے آواز تک نہیں نکال سکے گا' اور پھر جو بھی ہو' تمہاری ماں.....''اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

''تمہارے ساتھ ہے!''ہاشم نے اب کے نرمی سے شکریہ کہا تھا۔ وہ پہلے سے بہتر نظر آ رہا تھا۔ اور جواہرات کسی ایسی فیری ٹیل ملکہ کی طرح لگ رہی تھی جو کسی نوجوان خوبصورت لڑکی کا خون پینے کے بعد پھر سے جوان ہو جاتی ہے۔

سائیڈ ٹیبل پہ رکھا.....ابھی تک گیلا محسوس ہوتا سرخ رومال.....اسی خاموشی سے وہاں پڑا رہا۔

❖❖❖

سو داگری سے ہم کو سودا نہیں ہے کچھ بھی ..... کوئی بیچ بیچ کھائے گا ہک بدل بدل کے

سورج سوا نیزے پہ تھا۔ اور فوڈ لی ایور آفٹر کی اونچی کھڑکیاں دھوپ سے چمک رہی تھیں۔ پارکنگ لاٹ میں کار روک کر فارس باہر نکلا تو وہ سنجیدہ سا دکھائی دیتا تھا۔ بھوری شرٹ پہنے' بال تازہ چھوٹے کٹے تھے' بھنویں بھینچے وہ دروازہ لاک کر رہا تھا جب نوشیرواں اس کے قریب جا رکا۔ وہ احساس ہونے پہ پلٹا۔ اس سے نگاہ ملی تو خاموشی سے واپس مڑ کے کار کا لاک پھر سے چیک کرنے لگا۔

''آبدار مر گئی' فارس!''شیرو کے الفاظ ٹوٹے ہوئے تھے مگر حلیہ آج ٹھیک تھا۔ وہ ڈریس شرٹ اور کوٹ میں ملبوس تھا' اور شیو بھی بنی ہوئی تھی مگر ناک گلابی تھی' اور آنکھوں میں کرچیاں تھیں۔

''جانتا ہوں۔''وہ سپاٹ سا واپس گھوما' ایک اچٹتی نظر اس پہ ڈالی۔''کیوں آئے ہو؟''

''وہ وہیں تھی۔ اس رات.....میں نے لفٹ کا بتایا تمہیں مگر اس نے الزام اپنے سر لے لیا۔ ہاشم بھائی نے میرے سامنے اس کو مار دیا۔''

''تم کیوں آئے ہو؟''وہ دھوپ کے باعث آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھ رہا تھا۔ نوشیرواں نے زخم زدہ انداز میں ناک سے

سانس اندر کھینچی۔

''خیر....''اس نے سر جھٹکا۔''ہماری ڈیل کا کیا؟ تم نے وعدہ کیا تھا کہ کیس واپس لے لو گے۔''

''اچھا۔ مجھے ایسا کوئی وعدہ یاد نہیں۔''

''کیا؟''شیرو کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''میں نے کہا تھا' سعدی سے کہوں گا کہ تمہیں معاف کر دے۔ وہ میں کہنے کی کوشش کروں گا' جب عدالت تمہیں سزا سنا دے گی.... تب!!!۔اور کچھ؟''

''میں نے تمہاری.....''وہ زور سے بولنے لگا' پھر ارد گرد آتے جاتے لوگوں کا احساس کر کے قریب آیا اور دبا دبا سا غرایا۔''میں نے تمہاری مدد کی۔ زمر کو بچایا۔اور تم کہہ رہے ہو کہ تم صرف کوشش کرو گے؟ اور اگر تم کامیاب نہ ہوئے تو؟''

''تم نے آبدار کو بچانے کی کوشش کی؟ کیا تم اس میں کامیاب ہوئے؟''وہ تندہی سے بولا تھا۔شیرو لمحے بھر کو کچھ کہہ نہیں سکا۔

''وہ میرے ہاتھ میں نہیں تھا۔''

''اور یہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔''وہ رکھائی سے کہتا پلٹ گیا مگر نوشیرواں تیزی سے اس کے سامنے آیا۔

''میرے خلاف کیس واپس لے لو' مجھے باعزت بری ہونے دو' میں ملک چھوڑ کر چلا جاؤں گا' نئی زندگی شروع کر لوں گا' اور میں آبدار کے قتل کیس میں گواہی دینے کو بھی تیار ہوں۔ میں نے خود ہاشم بھائی کو اسے مارتے دیکھا ہے۔''

فارس نے افسوس اور ترحم سے اسے دیکھا۔''ہمیشہ اپنا ہی سوچتے ہو تم۔ جو بھائی تمہیں بچانے کے لئے سب کر رہا ہے' اس کے خلاف کھڑے ہونے کو تیار ہو؟ واہ۔''

''مگر آبدار کے قتل کیس میں تم لوگوں کو اس سے بڑی گواہی کہاں سے ملے گی؟''

''اے....کون سا قتل کیس؟ کہاں کا کیس؟ ہم کوئی کیس نہیں کر رہے کسی پہ۔ ہم آبدار کی فیملی نہیں ہیں۔ جو کیس ہوگا' وہ اس کا باپ کرے گا۔ ہم نہیں کر سکتے۔ اس لئے میرا وقت ضائع نہ کرو۔ میں نے کہا نا' سعدی سے بات کروں گا' آگے اس کی مرضی۔''

''میں نے زمر کی جان بچائی ہے فارس!''

''یہ مت بھولو کہ وہ اس سب کا شکار بھی تمہاری وجہ سے ہوئی تھی۔ کوئی احسان نہیں کیا تم نے اس پر۔ اور یہاں سے چلتے بنو۔ تمہارے بھائی کے ہرکاروں نے دیکھ لیا تو تمہاری جان لے لے گا۔''اور ایک سرد مہر نظر اس پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گیا۔ نوشیرواں دبے دبے غصے سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

وہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ فارس بے حس نہیں ہے۔ وہ ڈسٹرب ہے۔

اور قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال میں اشتہا انگیز مہک پھیلی تھی۔ طویل میز انواع و اقسام کے طعام سے سجی تھی۔ سربراہی کرسی پہ بیٹھی جواہرات دائیں ہاتھ براجمان ہارون کی طرف کاغذ بڑھا رہی تھی جنہیں وہ انہماک سے پڑھنے لگے تھے۔ پھر مقابل بیٹھے' شیو بنائے' بال جمائے' تازہ دم سے ہاشم نے قلم ہارون کی طرف بڑھایا تو انہوں نے اسے تھامتے ہوئے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی پھر دستخط کر دیے۔ وکلاء نے اٹھ کر ہاتھ ملائے' جواہرات نے مبارکباد دی اور ہاشم نے فاتحانہ نگاہوں سے ہارون کو دیکھتے ہوئے ہاتھ بڑھایا جسے انہوں نے بدقت مسکرا کے تھاما۔ سارے سودے طے ہو گئے' سارے حساب ختم ہو گئے۔ اور ملکہ اپنی سربراہی کرسی پہ لوٹ آئی تھی۔ کیا زندگی اس سے بھی زیادہ حسین ہو سکتی تھی؟ جواہرات نے سوچا تھا۔

.....❖❖❖.....

جس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا ..... ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

نوشیرواں کے جانے کے بعد فارس کچھ دیر فوڈ لی ایور آفٹر کے کاؤنٹر پہ بے مقصد حساب کتاب چیک کرتا رہا' پھر باہر نکل آیا۔ وہ بہت خاموش تھا۔ چہرہ بالکل سپاٹ۔ جیسے ہر طرف سکوت ہو۔ سناٹا ہو۔ وہ اسی خاموشی سے کار میں بیٹھا اور اسے بے مقصد سڑکوں پہ دوڑاتا گیا۔ تارکول کی گرم دہکتی سڑکیں.... ساتھ سے بھاگتے درخت.... اور زندگی بھی پیچھے کو بھاگنے لگی تھی.....

زرتاشہ کے قتل کو دو دن ہوئے تھے شاید۔ وہ اب روز زمر کی خیریت پوچھنے جانے لگا تھا۔ بار بار۔ وہ صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس روز وہ اور زرتاشہ وہاں کیا کر رہی تھیں۔ جب زمر ہوش میں نہ آئی اور اسے کوئی جواب نہ مل پایا تو وہ دوسرے رشتے داروں سے جواب مانگنے لگا۔ اس کی دوستیں' گھر والے' کسی کو کچھ بتایا ہوگا زرتاشہ نے۔ مگر کوئی بھی باخبر نہ تھا۔ سفید دھند آنکھوں سے ہٹی تو اس کی ساری حسیات جاگنے لگیں۔ وہ زرتاشہ کی موت کا سراغ لگا کر رہے گا' یہ تو طے تھا۔ مگر کہاں سے اور کیسے؟ اس نے زرتاشہ کا کمرہ کھنگالا۔ ہر شے تلپٹ کر دی، اور تب ہی اس کو ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے وہ سی ڈی ملی۔ وہ ہاشم کی بیٹی کی سالگرہ کی مووی تھی' وہ کیپشن پڑھ کر رہی رکھ دیتا مگر یونہی باکس کھولا تو اندر ایک پیلا پوسٹ اٹ نوٹ لگا تھا۔ زرتاشہ کی عادت تھی' گھر میں ہر جگہ بالخصوص فریج پہ پیلے نوٹس لگا کر رکھتی تھی۔ گروسری میں کیا لانا ہے' کس کی سالگرہ آنے والی ہے۔ یہ بھی اس نے لگایا تھا۔ وہ ٹھہر کر دیکھنے لگا۔ اس میں دو مختلف نمبرز لکھے تھے۔ دو اوقات۔ دونوں کے درمیان قریباً دو گھنٹے کا وقفہ تھا۔ وہ مووی اٹھا لایا اور اسے لیپ ٹاپ میں لگا کر دیکھنے لگا۔ وہ پارٹی کے ہی اوقات کار تھے (ویڈیو کے کونے میں وقت لکھا آ رہا تھا۔) اس نے متعلقہ وقت تک ویڈیو فارورڈ کی۔ وہ لاؤنج کا منظر تھا۔ اس نے دوسرے وقت تک فارورڈ کی۔ وہ بھی لاؤنج کا منظر تھا۔ ان دونوں مناظر میں کچھ خاص نہ تھا۔ تقریب کے عام سے مناظر تھے۔ ان میں سب ہی مہمان موجود نظر آتے تھے۔ پھر زرتاشہ نے ان دونوں اوقات کو نوٹ کیوں کیا؟ وہ دوبارہ دیکھنے لگا۔ پہلے وقت میں خاور سیڑھیاں اترتا دکھائی دے رہا تھا' اور دوسرے پوائنٹ پہ وہ لاؤنج کی سیڑھیاں چڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ باقی سب ویسے ہی تھے۔ البتہ ان دونوں نقاط کے درمیان ڈیڑھ دو گھنٹے کے لئے خاور کہیں نظر نہ آتا تھا۔ تب پہلی دفعہ اسے شک سا ہوا' مگر اس نے سر جھٹک دیا۔ مگر پھر زیادہ موقع نہ ملا کیونکہ اگلے روز پولیس اس کو گرفتار کرنے آن پہنچی۔ زمر یوسف نے بیان میں نہ صرف اس کو نامزد کیا تھا بلکہ لمبی سی کہانی بھی سنائی تھی۔ فارس نے کبھی امید نہیں کی تھی کہ وہ گرفتار بھی ہو سکتا ہے۔ اس گرفتاری نے اسے شدید دھچکا لگایا تھا۔

سعدی بار بار آتا' صفائیاں دیتا' امیدیں دلاتا' مگر اسکا غصہ اور فرسٹریشن بڑھتی جا رہی تھی۔ تھانے کا حوالات عجیب سا تھا۔ گھٹن زدہ جگہ جہاں مستقبل تک تاریک نظر آتا تھا۔ اور انہی تاریک راتوں میں وہ بیٹھ کر زرتاشہ کی سی ڈی کے بارے میں سوچتا رہا۔ اگر وہ پارٹی میں نہیں تھا تو خاور بھی نہیں تھا۔ اور خاور کو تو ہاشم چلاتا تھا۔ تو کیا ہاشم.....؟ لیکن پھر اور کون ہو سکتا تھا؟ کون اس کے گھر سے اس کی گن نکال سکتا تھا' اس کی کار میں ثبوت رکھوا سکتا تھا۔ اتنا قریب کون تھا آخر؟

اس روز سعدی اسے جیل میں دیکھنے آیا تو وہ پھٹ پڑا۔ کہہ دیا کہ اسے ہاشم پہ شک ہے۔ سعدی الگ اسے ملامت کرنے لگا اور اندر آتا ہاشم الگ طریقے سے شروع ہو گیا۔ وقتی طور پہ وہ چپ ہو گیا۔ کیا حوالات اسے ذہنی طور پہ اتنا پست بنا چکے تھے کہ وہ اپنوں پہ شک کرنے لگا تھا؟ اس نے پھر سوچوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔

سارا خاندان ایک طرف اور زمر ایک طرف۔ زمر نے بیان واپس نہیں لیا' نتیجتاً اس کو چودہ روز بعد جیل بھیج دیا گیا۔ تھانے کا حوالات مختلف شے تھی۔ دنیا میں تمام ملزموں کو تھانے کے حوالات میں رکھا جاتا ہے' ملزم یعنی وہ جس کے کیس کا ابھی فیصلہ نہیں آیا۔ مگر پاکستان وہ ملک ہے جہاں ملزموں کو بھی 'مجرموں' کے ساتھ جیل میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور جیل حوالات جیسی نہیں ہوتی۔ جیل ایک بہت بڑی تاریک مہیب سی دنیا تھی جس کے اندر عجیب لوگ بستے تھے' عجیب داستانیں پنپتی تھیں۔

جیل میں اے 'بی' اور سی کلاس تھی۔ ہر کلاس کے اپنے بلاک تھے۔ تعلیم یافتہ اور دولتمند لوگوں کو اے یا بی کلاس میں بھیجا جاتا تھا۔ اس کو بھی اے کلاس الاٹ ہوئی تھی۔ یہ الائمنٹ عدالت نے کر کے دی تھی' مگر جس لمحے وہ جیل میں داخل ہوا' وہ ساری کہانیاں جو اس نے ''قراطین'' کے بارے میں سن رکھی تھیں' وہ سچ ثابت ہونے لگیں۔ اسے ڈرایا گیا' سمجھایا گیا کہ جیل کا Quarantine آفیسر جس کو دیسی انداز میں قراطین کہا جاتا تھا' جیل کے سیاہ اور سرمئی کا مالک ہے کیونکہ یہاں کوئی سفید نہ تھا۔ وہ طے کرے گا کہ آپ کس بلاک میں جائیں گے ' وہ طے کرے گا کہ آپ کو جیل کا کھانا کھانا ہے یا آپ کے رشتے داروں کا بھیجا من وسلویٰ آپ کو مل سکتا ہے۔ وہ طے کرے گا کہ آپ چار پانچ افراد کے ساتھ مل کر خفیہ چولہا رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ ہانڈی وال آپ کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے' اور آپ کے رشتے داروں کو ہر ملاقات پہ اسے 25 ہزار رشوت دینی ہے یا 50 ہزار' یہ سارے فیصلے قراطین کرے گا۔ اسے قراطین سے نہیں بگاڑنی تھی۔ اسے قراطین کو خوش رکھنا ہے۔ اور قراطین نے اسے دیکھتے ہی پہلی بات یہ کہی تھی کہ تم وہی ہو نا جس کی بیوی اور جس کا بھائی.....اور دوسری بات کا موقع وہ اسے دے نہیں سکا۔ حوالات کی ساری فرسٹریشن اس نے قراطین پہ نکالی۔ وہ اسے دبوچ کر' گرا کے مارنے لگا۔ اتنا پیٹا' اتنا پیٹا کہ آنکھ کے قریب سے خون ندی کی صورت بہنے لگا۔

اس کے بعد قراطین نے چند ہفتے کسی کو اس سے ملنے نہ دیا' اور اس کو سی کلاس عنایت کر دی۔ اس کو کھانے میں سب سے گھٹیا نسل کا کھانا ملتا اور بات بات پہ رشوت طلب کی جاتی۔ اس قراطین کا نام جلال الدین آتش تھا اور اس سے ہر شخص خار کھاتا تھا۔ کوئی اس کے تعلقات سے جلتا تھا تو کوئی اس کی طاقت سے خائف تھا۔ آتش اس جیل کا بادشاہ تھا۔ وہ جان کر فارس غازی کے سامنے ایسے مواقع پیدا کرتا' ایسی باتیں کہلواتا کہ فارس اس کو غصے میں آ کر مارنے لگ جائے' مگر وہ اسے دوبارہ نہیں مار سکا۔ قراطین کو پہلے دن مارنے اور پھر جیل میں آگے پیچھے آدھ درجن قیدیوں کو مختلف مواقع پہ پیٹنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اکیلا ہوتا جا رہا ہے۔ اسے ہر وقت اپنی نگرانی خود کرنی پڑتی تھی۔ اس کا کوئی دوست نہ تھا' اور وہ ہر ایک سے چوکنا تھا۔ اسے تنہا دیکھ کر کوئی بھی اسے مار دیتا' یہ خوف اس کے اندر جڑ پکڑتا جا رہا تھا۔ چند دن بعد اسے احساس ہوا تھا کہ جیل کے کسی قیدی کی شکایت کسی پولیس اہلکار سے نہیں کی جاتی۔ چاہے دنیا کا کوئی بھی ملک ہو' اور چاہے وہ قیدی آپ کو چاقو بھی نہ کیوں مار دے' بس اتنا کہو کہ حادثہ تھا' بس اتنا بتاؤ کہ میری اپنی غلطی تھی۔ کیونکہ اس قیدی کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا جائے گا' مگر بعد میں آپ دونوں کو ایک ساتھ ایک ہی جیل میں گزارا کرنا ہے۔ جب کوئی قیدی کسی دوسرے کی شکایت کرتا ہے تو سارے قیدی اس کے خلاف ہو جاتے ہیں' اور کوئی اس پہ اعتماد نہیں کرتا۔ ایک ایسی جگہ جو عادی مجرموں' قاتلوں' غنڈے اچکوں سے بھری ہوئی ہے' وہاں دوستوں کے بغیر گزارا نہیں ہے اور دوست اس کے کوئی تھے نہیں۔

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا' وہ مزید غیر محفوظ اور فکر مند رہنے لگا۔ اس نے لڑنا جھگڑنا بالکل ترک کر دیا۔ خاموش رہتا۔ چوکنا رہتا۔ پریشان رہتا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ دوست کیسے بنائے۔ ساتھی کہاں سے ڈھونڈے۔ اسے ایک دوست چاہیے تھا۔ ایک مضبوط طاقتور ساتھی۔

سیکرٹری صاحب جیل کے دورے پہ آئے تھے۔ ایک دن پہلے سے سارے میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ پروٹوکول' نمود و نمائش' چھوٹے ریکارڈز۔ وہ خاموشی سے اپنے حصے کا کام کرتا رہا۔ جس وقت سیکرٹری صاحب اس کے قریب سے مع اپنے مصاحبین کے گزرے' اس نے ان کو انگریزی میں مخاطب کیا اور کہا۔

''سر لوگ میرے بارے میں جھوٹ گھڑ رہے ہیں' میڈیا رپورٹرز کو ائیر فورس بیس حملہ میں ملوث عناصر کی اس جیل میں موجودگی کی خبر میں نے نہیں دی۔ نہ ہی میں نے پولیس حکام کے اس دہشت گردی کے واقعے میں ملوث ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ میں تو صرف اپنے گھر والوں کو خط لکھتا ہوں۔ پولیس کے عملے کو منع کریں مجھے تنگ نہ کرے۔''

سیکرٹری صاحب اس کو آفس میں لے گئے۔ اس کو چائے پلوائی گئی اور اس سے نرمی سے پوچھا کہ وہ کیا جانتا ہے' اور اگر اس نے میڈیا والوں کو اس جیل میں دہشت گردوں کے سہولت کاروں کا بتایا بھی تھا تو خیر ہے وہ ان پہ اعتماد کر سکتا ہے۔

یہ ایک ایسا کیس تھا جس پہ گرفتاری سے پہلے وہ کام کر رہا تھا اور اس کے کچھ اہم نکات جانتا تھا۔ اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا مگر جتنے تردد سے وہ انکار کر رہا تھا، سامنے بیٹھے اعلی افسران کو گمان ہوا کہ پولیس اس کا منہ بند کرانے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس سب کے دو نتائج نکل سکتے تھے۔ یا اس کو رہا کر کے کیس پہ کام کرنے دیا جاتا۔ یا ملوث اہلکاروں کو بھی جیل میں پھینک دیا جاتا۔ دونوں آپشن اچھے تھے۔

وہ بار بار انکار کرتا رہا' کہ وہ اس سب خبر کے لیک کرنے میں شامل نہیں تھا' اور نہ ہی اس نے قراطین آتش کا نام لیا ہے۔ آتش بالکل بے قصور ہے اور وہ تو ایسا آدمی ہے ہی نہیں جو شوال کی فلاں مسجد سے تعلق رکھتا ہو۔ اس وقت تو اس کو عزت سے واپس بھیج دیا گیا' مگر اگلے روز سے کسی نے آتش کو جیل میں نہیں دیکھا۔ اسے سادہ کپڑوں والے اٹھا کر لے گئے تھے' اور کافی عرصہ اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر جب تفتیش کے دوران وہ دہشت گردی کے سہولت کاری کے الزام سے بری ہو گیا' مگر دوسرے کئی جرائم قبول کرنے پڑے تو اس کو واپس اسی جیل بھیج دیا گیا۔ مگر ایک قیدی کے روپ میں اور جس وقت وہ جیل میں داخل ہو رہا تھا' اس کی آنکھ کے زخم کے نشان کو دیکھتے ہوئے فارس غازی مسکرایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جیسا ایک اکیلا مسافر بھی اس جہنمی مسافر خانے کا مہمان بننے آ چکا ہے۔ یہ وہ جیل تھی جہاں آتش ہر قیدی کا قرض دار تھا۔ کسی کے جسم پہ چوٹیں لگوانے' کسی کو معذور کرنے' اور کسی کو کنگال کرنے کا مجرم تھا وہ۔

اس وقت کے قراطین نے اس کو بھی سی کلاس میں بھیجا تھا۔ نہ پولیس اس کی رہی تھی' نہ قیدی اس کے ہمدرد تھے۔ اس کا غرور' اکڑ' طنطنہ سب خاک میں مل چکا تھا۔ وہ خاموشی سے آیا اور فارس غازی کے قریب بیٹھ گیا۔

اس روز سے وہ دونوں ساتھی بن گئے۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں بھولا کہ دوسرے نے اس کے ساتھ کیا کیا تھا' مگر جیل میں سروائیول سب سے زیادہ اہم تھا۔ اور جب جلال الدین اس کا دوست بنا' تو اس نے فارس کو ایک نئی دنیا سے روشناس کروایا۔ گروہ بنا کر جتھے کی صورت کیسے رہنا ہے' جیل کے باقی بدمعاشوں سے کیسے مقابلہ کرنا ہے' اپنی دھاک کیسے بٹھانی ہے' بڑے بڑے گروہوں کی خوشنودی کیسے حاصل کرنی ہے' اسے جلال الدین سکھاتا تھا۔ وہ قراطین رہ چکا تھا' بہت سوں کو اچھے سے جانتا تھا' اور اپنی ڈھال کے لئے ایک تنومند' زور آور آدمی درکار تھا اسے۔ فارس اس کے لئے وہ ڈھال بن گیا اور وہ دونوں ایک ساتھ جیل میں ایڈجسٹ کرتے گئے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برابر کا برا کر چکے تھے' سو وقت کے ساتھ ساتھ کینہ بھی نکل گیا۔ عجیب سیاستیں تھیں جیل کی۔

وہ فارس کو کہتا تھا' اپنے غصے کو قابو میں رکھو۔ اپنی ذات کے لئے نہ لڑو۔ بھائی اور بیوی کے متعلق ہر بات خاموشی سے سن جاؤ اور پی جاؤ' انسان کا ذہن تب کھلتا ہے جب وہ غصے کو مہار ڈالنا سیکھ لیتا ہے۔ مگر وہ آگے سے کہتا تھا کہ وہ انتقام ضرور لے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ جلال الدین کو اس سے ہمدردی ہوتی گئی۔ وہ پولیس میں رہ چکا تھا' اے ایس پی سرمد شاہ سمیت بہت سے لوگوں کو جانتا تھا۔ وہ اسے کہتا' سارے میں یہی کہا جا رہا ہے کہ تمہارے ماموں زاد نے تمہیں پھنسوایا ہے۔ اور فارس اندر سے جانتا تھا' کہ اس کا دل گواہی دیتا تھا یہ ہاشم ہی ہے' مگر پھر جلال الدین نے اسے خاموش رہنا بھی سکھا دیا تھا۔ جب ایک دن سعدی اس سے پوچھنے آیا کہ وہ مشتبہ افراد کی فہرست دے جو زرتاشہ اور وارث کے قتل میں ملوث ہو سکتے ہیں تو اس نے ہاشم کا نام نہیں لیا۔ وہ ہاشم کا راز نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ اسے پہلے باہر نکلنا تھا' پھر جلال الدین کی توسط سے بنے دوستوں کو استعمال کر کے اپنا انتقام پورا کرنا تھا' پھر ساری دنیا جان ہی لے گی کہ اصل مجرم کون تھا۔ مگر ابھی نہیں۔

چار سال اس جیل میں گزارنے کے بعد وہ وہاں کا عادی ہو چکا تھا۔ جب نکلنے لگا تو محسوس ہوا' ایک زیادہ بڑی جیل میں جا رہا ہے اس روز جلال الدین نے اسے کہا تھا' کہ اب چونکہ وہ اس سے ہمدردی کرنے لگا ہے تو اس کو ایک نصیحت کرے گا اور وہ یہ کہ وہ انتقام چھوڑ دے اور اگر لینا ہی ہے تو اسے دو قبریں کھودنی پڑیں گی۔ فارس غازی کے پاس انتخاب کا وہ آخری موقع تھا۔ اس نے دو قبریں چن لیں۔

کار قبرستان کے قریب روک کر چند لمحے وہ خالی خالی نظروں سے دور نظر آتی قبروں کو دیکھتا رہا۔ یہیں آبدار کو دفن کیا گیا تھا۔ وہ ایک دفعہ بھی ادھر نہیں آ سکا تھا' کیونکہ دور اندر' وہ یہ جانتا تھا کہ ہاشم کے بعد اگر کوئی اس کی موت کا ذمہ دار تھا تو وہ خود تھا۔ زمران گزرے تین دنوں میں بار بار نرمی سے اسے کہتی رہی تھی کہ وہ گلٹی محسوس نہ کرے' اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا' مگر وہ جانتا تھا' جس کارما سے وہ دور اندر ڈرتا آیا تھا' یہ اس کی پہلی قسط تھی۔

وہ باہر نہیں نکلا۔ شیشہ اوپر چڑھایا اور ایکسلیٹر پہ دباؤ بڑھاتے ہوئے کار آگے بڑھا دی۔ چہرہ ابھی تک سنجیدہ اور سپاٹ تھا۔

.....❖❖❖.....

پندار کے خوگر کو ناکام بھی دیکھو گے؟ ..... آغاز سے واقف ہو، انجام بھی دیکھو گے؟

آج بھی عدالتی احاطے میں ویسا ہی رش تھا جیسا وہ پچھلے کئی ماہ سے دیکھتے آ رہے تھے۔ گرمی اور حبس میں اضافہ ہو گیا تھا۔ زمر سب سے تاخیر سے پہنچ رہی تھی' اور اسکے اندازے کے مطابق باقی سب اس وقت کورٹ روم کے باہر پہنچ چکے تھے۔ وہ گھڑی دیکھتی راہداری میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ سینے سے فائلز لگا رکھی تھیں۔ گھنگریالے بال آدھے باندھ رکھے تھے' اور سن گلاسز ماتھے پہ ٹکی تھیں۔ چہرہ سنجیدہ مگر پرسکون نظر آتا تھا۔ ایک موڑ مڑی تو بے اختیار ٹھٹکی۔ سامنے نوشیرواں کھڑا تھا اور اسی کو دیکھ رہا تھا۔

دونوں آمنے سامنے رک گئے۔ زمر نے ساتھ موجود دونوں وکلاء کو آگے جانے کا اشارہ کیا اور خود گہری سانس لے کر فرصت سے شیرو کی طرف متوجہ ہوئی۔ ''آپ کو اپنے وکیل کی غیر موجودگی میں مجھ سے بات....''

''کیسی ہیں آپ؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو زمر نے لب بھینچ لئے۔ پھر اثبات میں سر کو خم دیا۔ ذرا سا مسکرائی۔ ''ٹھیک ہوں۔'' مسکراتی بھوری آنکھوں کو اس کے چہرے پہ جمائے' وہ عادتاً گال سے ٹکراتی لٹ انگلی پہ لپیٹنے لگی تھی۔ ''اور اس سب کا بھی تھینک یو جو آپ نے میرے لئے کیا۔''

''اچھا۔'' وہ تلخی سے ہنس دیا۔ ''مجھے لگا آپ لوگ ایکنالج تک نہیں کریں گے۔''

''میں ایکنالج کر رہی ہوں۔ اسی لئے کہہ رہی ہوں' تھینک یو۔''

''اور کیا کوئی میرے خلاف کیس واپس لینے کا سوچے گا بھی نہیں؟''

''نوشیرواں!'' زمر نے گہری سانس باہر کو خارج کی۔ ''آپ نے میرے اوپر ایک احسان کیا ہے۔ احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ میں آپ کے ساتھ ایک اچھے مشورے کی صورت بھلائی کرنا چاہوں گی۔ آج سے ہاشم کو اپنے گواہ پیش کرنے ہوں گے' مگر اس سے پہلے جج صاحب آپ کو کٹہرے میں بلائیں گے۔''

شیرو کے ابرو حیرت سے اکٹھے ہوئے۔ ''مگر میں کہہ چکا ہوں کہ حلف لے کر اپنے خلاف گواہ نہیں بنوں گا۔''

''وہ اور چیز ہوتی ہے۔ یہ اور چیز ہے۔ اس میں حلف نہیں لینا' اور سچ بولنے کی پابندی بھی نہیں ہے۔ جھوٹ بولیں گے تو بھی سزا نہیں ہوگی۔ چاہیں تو خاموش بھی رہیں۔ جج صاحب کو اختیار ہوگا کہ آپ سے چند سوالات پوچھیں اپنی کنفیوژن کلیئر کرنے کے لئے' اور آپ کے جوابات حتیٰ کہ آپ کی خاموشی سے بھی وہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ سچ بول دیں۔ یہ آپ کی اپنے ساتھ سب سے بڑی بھلائی ہوگی۔''

''سچ بولا تو مجھے پھانسی ہو جائے گی۔'' وہ دبا دبا سا غرایا تھا۔

''آپ کا دن اچھا گزرے!'' وہ ساتھ سے نکل کر چلی گئی۔

کورٹ روم کے باہر ہاشم کھڑا' موبائل پہ ٹیکسٹ کر رہا تھا۔ ساتھ چند دوسرے افراد کے ہمراہ حلیمہ بھی کھڑی تھی۔ دفعتاً حلیمہ ہاشم

کے قریب آئی اور آہستہ سے بولی۔ "میرے اوپر جرح مسز زمر کریں گی؟ کیونکہ پانچ روز پہلے جب اچانک پیشی ملتوی ہوگئی تھی اور اس دن میں گواہی نہیں دے سکی تھی تو آپ نے کہا تھا کہ مسز زمر اب مجھے کراس نہیں کر سکیں گی۔"

"اوہ سوری!" اس نے پیشانی چھوئی۔ "میں بتانا بھول گیا' اس روز ہی تمہاری گواہی ہو جاتی لیکن زمر نے اپنے کسی گواہ کو پیش کرنے کے لئے مہلت مانگ لی تھی' اور پھر..... میرا خیال تھا وہ کسی لمبے سفر پہ جانے والی ہیں' مگر....." اس نے افسوس سے گہری سانس لی۔ "ایسا نہیں ہو سکا۔ اس لئے آج وہی تمہارے اوپر جرح کریں گی۔" وہ ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ بات کرتے کرتے مڑا تو دیکھا' زمر سامنے سے چلی آ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔ ہاشم مسکرا کے آگے بڑھا۔ "مسز زمر..... میں نے سنا تھا' کسی حادثے میں پھنس گئی تھیں۔ پھول بھجوائے تھے میں نے ہاسپٹل۔ اب ٹھیک ہیں آپ؟"

وہ اس کا تر و تازہ چہرہ دیکھتے ہوئے ہلکا سا مسکرائی۔ "مارنے والے سے بچانے والا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔"

"گڈ!" وہ بنوز مسکرا رہا تھا۔ "مگر مجھے مایوسی ہوئی کہ آپ نے پولیس میں رپورٹ تک نہیں کروائی۔ بچ۔"

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ "وہ کیا ہے نا ہاشم کہ پانچ سال سے رپورٹ رپورٹ کھیل کر اب تھک گئی ہوں۔ اس دفعہ جس عدالت میں رپورٹ کروائی ہے نا' وہ زیادہ قابل بھروسہ ہے۔ آپ کا بھی دن اچھا گزرے۔" نرمی سے کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ مسکرا کے سر جھٹک کر رہ گیا۔

جواہرات آج کورٹ نہیں گئی تھی۔ وہ کاروار گروپ آف کمپنیز کے ہیڈ آفس میں اپنے مصاحبین کے ساتھ ادھر ادھر چکر کاٹتی' نئے نئے احکامات دے رہی تھی۔ گردن کا سریا واپس آ چکا تھا۔ لباس پہلے سے زیادہ شوخ رنگ کا ہو چکا تھا۔ لپ اسٹک زیادہ سرخ تھی۔ دو تین معمولی ملازموں کو جاب سے فارغ کیا' دو چار پہ کام کا زیادہ بوجھ ڈالا' کسی کو جھاڑا' کسی کو سراہا' اور ہر ایک کو احساس دلا کر کہ وہ واپس آ چکی ہے' وہ اپنے آفس میں چلی آئی تھی۔ اور اب گھومنے والی کرسی پہ ٹیک لگا کر بیٹھی مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔

کوئی فنڈ ریزر منعقد کرے؟ کوئی گالا؟ تاکہ جب وہ دونوں بیٹوں کے ہمراہ شان سے کھڑی ہو تو سارے میں اس کی مجروح ہوئی دھاک پھر سے بیٹھ جائے۔ مگر گالا کا تھیم کیا ہو؟ لیکن اس سے پہلے ایک معمولی سی پلاسٹک سرجری کروالی جائے؟ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ حسین دکھنا چاہتی تھی۔

اس نے ٹیبلیٹ اٹھایا اور اسے چہرے کے قریب لائے' سرکری کی پشت سے نکائے انگلی اس پہ پھیرنے لگی۔ چند ایک سرجریز کو کھوجا۔ پھر سوشل نیٹ ورکس دیکھنے لگی' اور تب ہی ایک جھٹکے سے وہ سیدھی ہوئی۔ شیرنی جیسی بھوری آنکھیں پہلے حیرت سے اور پھر غضب سے پھیلیں۔

اسکرین پہ کسی دعوت کی تصویر میں صاحبزادی صاحبہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ اسکے چہرے کا نیم رخ واضح تھا۔ ڈی ایس ایل آر کی تصویر جہاں اس کی جلد کے ہر مسام تک کو دکھا رہی تھی' وہاں کان میں موجود زمرد اور ہیرے جڑے ایئر رنگز بھی دکھا گئی تھی' جس پہ وہ اپنی دو انگلیاں پھیر رہی تھی اور..... جواہرات کی نظریں انگلی پہ پھسلیں..... ایک انگلی میں نیلاہٹ بھرے ہیرے والی خوبصورت سی انگوٹھی دمک رہی تھی۔ ایک زیور ہوتا تو وہ کاپی کہہ سکتی تھی' مگر یہ دو مختلف زیورات ایک ساتھ..... زرنگار کے یہ زیور تو اس کی ملکیت میں تھے..... مگر یہ صاحبزادی کے ہاتھ میں..... جواہرات کے ہاتھوں سے ٹیبلیٹ میز پہ لڑھک گیا۔ وہ شل سی بیٹھی رہ گئی۔

احمر..... لب بھڑ پھڑائے اور پھر شیرنی کی آنکھوں میں غصے بھری سرخی ابھری.....

احمر نے اس کی سب سے قیمتی متاع اس کی دشمن کو دے دی تھی' مگر کیا اس نے صرف یہی متاع دی تھی؟ یا کچھ اور بھی؟ کوئی راز..... کوئی بھید.....

وہ تیزی سے اتھر کو فون ملانے لگی۔ مگر ریکارڈنگ نے خبردار کیا کہ مطلوبہ نمبر اب نہیں مل پائے گا۔ جواہرات نے فون رکھ دیا۔ اور کسی بت کی طرح وہیں بیٹھی رہ گئی۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ بہت برداشت کر لیا اس نے دوسروں کو خود کو دباتے ہوئے۔ اب وہ نہیں دبے گی۔ دفاع نہیں' جارحیت۔ بہترین حکمت عملی۔ شیرنی کی آنکھیں آگ کی طرح لپٹوں سے بھری سوچ میں گم دکھائی دیتی تھیں۔

کمرہ عدالت میں واپس آؤ تو ہر شخص اپنی مخصوص نشست پہ براجمان تھا۔ سعدی پہلی کرسیوں پہ بیٹھا تھا اور گاہے بگاہے دور پیچھے بیٹھے گول چشمے والے آدمی کو دیکھتا تھا جو آج بھی خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا۔

جج صاحب کے سامنے ہاشم اور زمر قریب قریب کھڑے تھے اور وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔ ''مسز زمر نے آج بھی اپنا آخری گواہ پیش نہیں کیا نہ اس کی کوئی معلومات مہیا کی ہیں۔ کیا اب یہ عدالت کا وقت یونہی ضائع کرتی رہیں گی یا ہم آگے چلیں گے یور آنر؟''

''یور آنر' مجھے آخری گواہ کو پیش کرنے کے لئے وقت درکار ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے ایک نظر پیچھے بیٹھے سعدی پہ ڈالی جس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ وہ ابھی تک ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈ نہیں پایا تھا۔

''آپ پہلے بھی کافی تاخیر کر چکی ہیں' بہرحال ہم کارروائی شروع کرتے ہیں' آپ ڈیفنس کے کلوزنگ آرگومنٹ تک گواہ پیش کر دیں گی تو میں قبول کر لوں گا' ورنہ یاد رکھیے گا مسز زمر!'' جج صاحب نے عینک کے پیچھے سے اسے دیکھتے ہوئے تنبیہ کی۔ ''اگر کاردار صاحب کے اختتامی دلائل تک آپ نے گواہ پیش نہ کیا تو عدالت یہی سمجھے گی کہ آپ تاخیری حربہ استعمال کر رہی ہیں۔''

''تھینک یو یور آنر۔ میں اس سے پہلے گواہ لے آؤں گی۔'' اس نے تابعداری سے سر خم دیا۔

(زمر کے گواہ مکمل ہو چکے تھے اب ہاشم کے گواہان کی باری تھی۔ اس کے بعد اختتامی دلائل تھے اور پھر جج نے فیصلہ سنانا تھا۔)

''مزید آگے چلنے سے پہلے' عدالت نوشیرواں کاردار سے حلف کے بغیر چند سوالات کرنا چاہے گی۔'' جج صاحب نے مصروف سے انداز میں حکم دیا۔ ہاشم نے شیرو کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھا اور سپاٹ سے انداز میں کٹہرے میں آ کھڑا ہوا۔ زمر اب واپس جگہ پہ بیٹھی' قلم انگلیوں میں گھماتی' غور سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''نوشیرواں' آپ 21 مئی کو کہاں تھے؟'' جج صاحب رخ اس کی طرف موڑے نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

''سر میں دبئی میں تھا۔'' وہ خشک سے انداز میں بولا۔ زمر سر جھٹک کر اپنے کاغذات پلٹ کرنے لگی۔

''کیا آپ نے سعدی یوسف کو گولیاں ماری تھیں؟''

''نہیں یور آنر' یہ محض ایک بہتان ہے۔ میں تو اس وقت ملک میں بھی نہیں تھا۔ ہاں میرا سعدی سے جھگڑا ضرور ہوا تھا' اور کئی جھگڑے ہو چکے تھے' مگر گولی..... نیور.....'' وہ اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ سعدی بس چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اور سعدی کے اغوا میں آپ کا ہاتھ تھا؟''

''سعدی اغوا ہی نہیں ہوا' یور آنر۔ مجھے یونیورسٹی کے پرانے دوستوں نے بتایا تھا کہ وہ شوال میں رہتا رہا ہے اتنا عرصہ' وہاں وہ دہشت گردوں کی تنظیم.....'' وہ رٹے رٹائے انداز میں بولتا رہا۔ جب وہ کٹہرے سے اترا تو بس ایک ملامتی نظر زمر پہ ڈالی اور واپس آ کر بیٹھ گیا۔ اب وہ اپنے فیصلے خود لے گا' اس نے ثابت کر دیا تھا۔

''تو آپ یہ کہہ رہی ہیں کہ ایکس مئی کو سعدی یوسف آفس بلڈنگ میں نہیں آیا تھا؟'' ہاشم کٹہرے میں کھڑی حلیمہ سے جس وقت پوچھ رہا تھا' اسی وقت پچھلی نشستوں پہ فارس غازی آ کر بیٹھا۔ اس نے شرٹ کی آستینیں چڑھا رکھی تھیں اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔

''جی نہیں' وہ نہیں آیا تھا۔'' حلیمہ اعتماد سے بولی۔

''اور اس سے پہلے متعدد بار آپ کے نمبر سے سعدی کو کال کی گئی تھی۔ وہ کس سلسلے میں تھی؟'' ہاشم پوچھ رہا تھا۔

''سونیا کی پارٹی میں سعدی سے میری ملاقات ہوئی تھی' وہ چاہتا تھا کہ میں اس کی ملاقات اپنے ایک انکل سے کرواؤں جو ملٹری انٹیلی جنس میں کام کرتے ہیں اور آج کل شوال میں تعینات ہیں۔''

''تو آپ وہ کالز مجھ سے اپائنمنٹ لینے کے لئے نہیں کر رہی تھیں جیسا کہ سعدی نے کہا ہے بلکہ معاملہ شوال کا تھا؟'' (شوال ایک علاقہ ہے جو ضرب عضب کے باوجود آج بھی دہشت گردوں کی جنت ہے اور میڈیا رپورٹس کے برعکس وہاں طالبان کا مکمل کنٹرول ہے۔)

''جی۔ انکل سے رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا' اور جب ہوا تو انہوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ یہی بتانے کے لئے سعدی کو کال کی تھی' اس نے الٹا مجھے بھی اپنے کیس کا حصہ بنا دیا۔'' وہ ناخوشی مگر پورے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔ ہاشم نے مڑ کر ایک مسکراتی نظر سعدی پہ ڈالی اور پھر ''یور ویٹنس'' کہتا ہوا واپس اپنی جگہ پہ آ گیا۔ زمر نشست سے اٹھی تو پیچھے بیٹھے فارس نے پہلو بدلا۔ اس کے چہرے پہ فکرمندی نظر آتی تھی۔ (زمر جرح کیسے کرے گی' اور کیا اس ذہنی حالت میں وہ حلیمہ پہ کردار کش' تابڑ توڑ حملے ٹھیک سے کر پائے گی' کہیں وہ غصے میں ٹمپر لوز کر کے سب خراب نہ کر دے!)

زمر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی' ہاتھ میں چند کاغذ پکڑے' کٹہرے کے بالکل سامنے جا کھڑی ہوئی۔ حلیمہ نے پورے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھا' گویا وہ تیار تھی۔ صبح ہاشم نے اس کی مٹھی میں چند کافی beans ڈالے تھے' اور پھر اسے مٹھی بند کرنے کو کہا۔ ''یہ تمہارا سرمایہ ہیں۔ جرح میں وکیل تمہاری مٹھی خالی کروانے کی کوشش کرے گا' مگر تم نے کوشش کرنی ہے کہ کم سے کم دانے گریں' اور زیادہ سے زیادہ تمہارے پاس محفوظ رہیں۔'' اور اس مثال سے وہ سمجھ گئی تھی۔

''تھینک یو حلیمہ' عدالت کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے۔'' وہ مسکرا کر گویا ہوئی۔ چمکدار بھوری آنکھیں حلیمہ پہ جمی تھیں۔ ''مگر مجھے آپ سے ایک گلہ بھی ہے۔''

حلیمہ اس نرمی کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ قدرے تذبذب سے بولی۔ ''جی؟''

''یہ سچ ہے نا کہ میں نے آپ کو متعدد بار کالز کیں اور ملنے کی کوشش کی' تاکہ آپ سے آپ کی طرف کی کہانی سن سکوں' کیونکہ ابھی تک تو مجھے صرف سعدی یوسف کی طرف کی کہانی معلوم ہے' مگر آپ مجھ سے نہیں ملیں۔''

''یہ میرا قانونی حق ہے' میم!'' وہ گردن کڑا کے بولی۔

''آف کورس یہ آپ کا حق ہے۔ ارے نہیں آپ غلط سمجھیں۔ آپ کا حق سلب کرنے کی بات نہیں کر رہی میں۔ بلکہ'' وہ یاد کر کے ہلکا سا ہنسی۔ ''ایک کیس میں' میں خود جب گواہ پیش ہوئی تھی' فارس غازی کے خلاف' تو میں نے بھی مخالف وکیل سے بات کرنے سے یا ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں آپ کی پوزیشن سمجھ سکتی ہوں' اور مجھے کبھی اچھا نہیں لگتا کہ ہم کسی لڑکی کو اس کٹہرے میں لا کر کھڑا کریں۔ اس لئے میں چاہوں گی کہ آپ بالکل کمفرٹیبل ہو جائیں' بس آپ کو میرے چند سوالات کے جواب دینے ہیں' اور پھر آپ جا سکیں گی۔''

حلیمہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ زمر کے پیچھے ہاشم کو دیکھنے کی کوشش کی مگر زمر نے جیسے ہی اس کی نگاہوں کا رخ دیکھا' وہ ذرا دائیں طرف سرکی۔ راستہ بلاک ہو گیا۔ حلیمہ اب ہاشم کو دیکھ نہیں پا رہی تھی۔

''مگر یہ تو سچ ہے نا کہ میں پہلی دفعہ آپ سے اس کیس کے بارے میں بات کرنے جا رہی ہوں''

''جی!''

''مگر ہاشم کاردار سے کئی گھنٹے تک آپ نے گواہی ڈسکس کر کے تیاری کی ہوگی تو آپ برا تو نہیں مانیں گی اگر میرے سوالات لمبے ہو جائیں کیونکہ مجھے پہلے وقت نہیں دیا آپ نے تو وہ کمی بھی تو پوری کرنی ہے نا۔'' وہ نرمی سے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ حلیمہ نے تھوک نگلی۔ پھر ذرا دائیں طرف ہوئی مگر زمر اس کے ساتھ اسی طرف سرک گئی۔ راستہ ابھی تک بلاک تھا۔ ''جی شیور! وہ مجبوراً بولی۔

''آپ آب جیکٹ کریں۔'' نوشیرواں نے بے چینی سے ہاشم کو مخاطب کیا' جو خود بھی قدرے اچنبھے کا شکار لگتا تھا مگر جواب میں شیر کو کاٹ کھانے کو دوڑا۔

'' کس بات پہ؟ کہ وہ شائستگی سے کیوں بات کر رہی ہے؟''

''او کے تھینک یو حلیمہ۔ بس میں آپ کے چند منٹ لوں گی۔'' وہ مسکرا کے گویا ہوئی۔

''میں نے سنا ہے آپ بہت قابل سیکرٹری ہیں' اور بہت جانفشانی سے اپنا کام کرتی ہیں!'' زمر توصیفی انداز میں شروع ہوئی۔

''جی۔'' وہ دھیرے سے بولی۔

''اور آپ کبھی بھی چھٹی نہیں کرتیں' بیماری کی حالت میں بھی آفس جاتی ہیں۔''

''جی۔'' وہ کردار پہ حملوں کی تیاری کر کے آئی تھی اور یہاں اس کی تعریف ہو رہی تھی؟

'' گڈ۔ تو اکیس مئی کو آپ آفس میں ہی تھیں؟''

''جی میں سارا دن ڈیسک پہ تھی۔''

''اور اکیس مئی کو نیچے لابی میں کتنے لوگ سارے دن میں آئے تھے؟''

''میں لابی میں آنے جانے والوں سے ناواقف ہوں' میں صرف ان کا بتا سکتی ہوں جو میرے سامنے لفٹ سے اتر کر ہاشم کاردار کے آفس میں جاتے ہیں۔''

''یعنی کہ آپ بلڈنگ میں داخل ہونے والے ہر شخص کا حساب نہیں رکھتیں' صرف انہی کا حساب رکھتی ہیں جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں۔''

''جی۔''

''جن کو آپ دیکھ سکتی ہیں' رائٹ؟'' اس نے زور دیا۔ سب دم سادھے سن رہے تھے۔

''جی۔''

''اور سعدی کو آپ نے نہیں دیکھا تھا؟''

''نہیں۔ اگر وہ آیا ہوتا تو مجھے پتہ ہوتا۔''

'' کیسے پتہ ہوتا؟''

'' کیونکہ لفٹ میرے سامنے ہے' اور مجھے کراس کر کے ہی کوئی کاردار صاحب کے آفس میں جا سکتا ہے۔''

''وہ تو اسٹاف لفٹ ہے نا۔'' زمر نے چند کاغذات اس کے سامنے رکھے جن پہ آفس فوٹوز پرنٹ کی گئی تھیں۔ ''ایک پرائیوٹ لفٹ بھی تو ہال کے کونے میں ہے' اور اس سے کاردار صاحب کے خاص مہمان اترتے ہیں' اس کے ایک طرف گلاس وال لگی ہے جو معمولی سی دھندلی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی وہاں سے اترے تو آپ کو کراس کیے بغیر ہی سیدھا کاردار صاحب کے آفس میں چلا جائے؟''

حلیمہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ ہاشم کو دیکھنے کی راہ ہنوز بلاک تھی۔ ''وہ گلاس بہت معمولی سا دھندلا ہے اور کسی انسان کے کندھوں تک آتا ہے۔ کوئی وہاں سے گزرتا تو اس کا سر نظر آ ہی جاتا ہے۔ چند فٹ دور ہی تو میرا ڈیسک ہے۔''

''اور آپ کی آنکھیں کیسی ہیں؟''

''سوری!''

'' کیا یہ سچ نہیں ہے مس حلیمہ کہ بیس اپریل کو آپ کی آنکھوں کی Laser سرجری ہوئی تھی' پی آر کے' مگر آپ نے صرف دو دن

کا آف لیا تھا اور تیسرے دن آپ جاب پہ واپس آ گئی تھیں۔"

"جی۔ یہ درست ہے۔"

"اور آپ نے اپنے باس کو نہیں بتایا تھا کہ 'پی آر کے' کے بعد آنکھ کھلتی ہی دو دن بعد ہیں اور بصارت دھندلی ہوتی ہے۔ کم از کم چار سے پانچ ماہ لگتے ہیں دونوں آنکھوں کی نظر شارپ ہونے میں۔ آپ کا نمبر منفی چار اعشاریہ پانچ تھا' جو کافی کمزور ہے۔ آپ کی نظر واپس آنے میں کم از کم بھی دو ماہ لگنے تھے۔"

حلیمہ نے بے چینی سے اس کے پیچھے دیکھنا چاہا مگر بے سود۔ ہاشم نے کوفت سے پہلو بدلا۔ وہ اعتراض کرتا تو وہ مزید کنفیوژ ہو جاتی۔

"میری نظر بالکل ٹھیک تھی۔"

"مگر کیا ان دنوں آپ اسٹیرائڈ ڈراپس آنکھوں میں نہیں ڈال رہی تھیں؟"

"جی مگر....."

"اور آپ نے ۵ جون کو اپنے ڈاکٹر کو پوسٹ آپ چیک اپ میں کہا تھا کہ اس ہفتے جب سے آپ نے اسٹیرائڈ چھوڑے ہیں آپ کی نظر بحال ہونے لگی ہے۔ یعنی اکیس مئی تو اس سے پہلے آیا تھا۔ اکیس مئی تک تو آپ ڈاکٹر کے حروفِ تہجی بورڈ کی آخری چار سطور نہیں پڑھ سکتی تھیں۔"

"میری نظر ذرا سی کمزور تھی' مگر میں سارا کام احسن طریقے سے....."

"آپ کہہ چکی ہیں کہ آپ بیماری میں بھی آ جاتی تھیں آفس' تو ان دنوں آپ کو دو میٹر سے آگے نظر نہیں آ رہا تھا' مگر آپ نے اپنے باس کو نہیں بتایا اور کام کرتی رہیں۔"

"مگر میں....." وہ مضطرب ہو کر بولنا چاہ رہی تھی مگر.....

"اور یہ عین ممکن ہے کہ قریباً بارہ میٹر دور موجود پرائیوٹ لفٹ سے سعدی جب اترا ہو' تو آپ نے فاصلے کے باعث اسے پہچانا نہ ہو۔"

"مگر وہ پرائیوٹ لفٹ سے نہیں اترا تھا۔" وہ بے چینی سے بولی۔

"یعنی وہ اسٹاف لفٹ سے اترا تھا؟" وہ تیزی سے بولی۔

ہاشم نے آنکھیں میچ لیں۔ (اُف)

حلیمہ لمحے بھر کو چپ ہوئی۔ "وہ کسی بھی لفٹ سے نہیں اترا تھا۔"

"مگر یہ عین ممکن ہے کہ آپ نے اسے نہ دیکھا ہو' کیونکہ آپ آنکھوں میں ان دنوں steroids ڈالتی تھیں اور پرائیوٹ لفٹ سے آنے والے کو نہیں دیکھ سکتی تھیں یوں وہ آپ کو بائی پاس کر کے ہاشم کے آفس میں جا سکتا تھا۔ آپ جھوٹ نہیں بول رہیں۔ آپ میں دراصل دیکھنے کی اہلیت ہی نہیں تھی۔ تھینک یو' مجھے اور کچھ نہیں پوچھنا۔" اب کی بار ایک دم تیزی اور درشتی سے کہہ کر زمر واپس ہو لی۔ حلیمہ نے بے بسی سے ہاشم کو دیکھا جو اب نظر آیا تھا اور اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورے جا رہا تھا۔ وہ ری ایگزامن کے لئے بھی نہیں اٹھا۔ مزید کوئی گل افشانی نہ کر دے وہ اور گواہ کو جانے دیا۔

"زمر!" وہ واپس بیٹھی تو سعدی نے آہستہ سے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس کے قریب ہوئی۔

"فارس ماموں کی رہائی سے پہلے' جب میں نے ایک ہوٹل میں حلیمہ کے ہاتھ میں موجود ہاشم کے لیپ ٹاپ کو یو ایس بی لگا کر ہیک کرنے کی کوشش کی تھی' تو وہ مجھے نوٹس نہیں کر پائی تھی۔ یقیناً اس لیے کہ اسکی نظر خراب تھی۔"

''ہاں۔''

''مگر زمر' میں تو ریگولر اسٹاف لفٹ سے اترا تھا۔'' اس نے جلدی سے تصحیح کی۔

''سعدی یوسف خان۔ کورٹ روم میں جھوٹ کو سچ سے نہیں ہرایا جاتا۔ جھوٹ کو اس سے بڑے جھوٹ سے ہرایا جاتا ہے۔'' مسکرا کر کہتے وہ واپس سیدھی ہوگئی۔

جب وہ باہر نکلی تو راہداری میں اپنے باس کے ساتھ چلتی حلیمہ اسے صفائیاں دے رہی تھی اور وہ غصے میں کچھ کہہ رہا تھا۔ وہ مسکرا کے آگے بڑھ گئی۔ تب احساس ہوا کہ کوئی اس کے ساتھ آ کر چلنے لگا ہے۔ وہ رکی نہیں' مڑی نہیں' قدم اٹھاتی رہی۔

''بڑے عرصے بعد کنٹرولڈ' شائستہ اور ٹھنڈے مزاج کی لگی ہیں آپ۔'' مسکراہٹ دبائے وہ بولا تھا۔ زمر نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔

''میں تو وکالت کر رہی تھی۔''

''اور یقیناً اس کے ڈاکٹر کی فیس وغیرہ کا آپ کو ہاشم کے کمپیوٹر سے چوری کی گئی فائلز سے معلوم ہوا ہوگا۔''

''وکیل اپنا سورس نہیں بتاتے' اور دو نمبر لوگوں کو تو بالکل بھی نہیں۔'' وہ دو قدم آگے بڑھ گئی' مگر وہ رکا رہا۔ پھر مسکرا کے بولا۔ ''میں متاثر ہوا ہوں۔'' زمر کے قدم زنجیر ہوئے۔ وہ گھومی تو آنکھوں میں حیرت تھی۔

''مجھ سے؟''

''ہوں۔ تم سے۔ کیونکہ اچھا وکیل وہ ہوتا ہے جو وہاں سے آئے جہاں سے تصور بھی نہیں کیا ہو۔ ہم سب سمجھ رہے تھے تم اس کے کردار اور قابلیت پہ حملہ کر کے اس کو جھوٹا کہو گی' مگر تم نے یہ ثابت کیا کہ وہ سچ بول رہی ہے' بس بے چاری کو نظر ہی نہیں آیا تھا۔'' مسکرا کے بولتے ہوئے وہ اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ ''مجھے کافی اچھا لگا یہ سب دیکھ کر۔ مگر ڈر بھی لگا۔ سوچ رہا ہوں آئندہ معلوم نہیں باتوں میں تم سے جیت بھی سکوں گا یا نہیں۔''

''استغفر اللہ!'' وہ خفگی سے کہتی سر جھٹکتی آگے بڑھ گئی اور وہ اداس مسکراہٹ سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

.....❖❖❖.....

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے ..... ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا

رات شہر پہ اتری تو بلند و بالا عمارتوں کی ساری روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ ایسی ہی ایک روشن پرشکوہ عمارت ایک سکس اسٹار ہوٹل کی تھی جس کے اندر جاؤ' تو لابی میں رنگوں' روشنیوں اور خوشبوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا۔ ہنستے ہوئے بے فکر خوبصورت لوگ.... اور ان سب کے درمیان سے گزرتی صاحبزادی صاحبہ' جس کے کانوں کے نگینے جگمگا رہے تھے' اور انگلیوں کی انگوٹھیاں نگاہیں خیرہ کر دیتی تھیں۔ اس کے پیچھے دو باڈی گارڈز چل رہے تھے' اور وہ تینوں لفٹ کی سمت جا رہے تھے۔ صاحبزادی صاحبہ کی مسکراہٹ ویسی ہی چہرے پہ جمی رہی جب وہ بالائی منزل پہ ایک راہداری سے گزر کے ایک سوئیٹ کے باہر آ ٹھہری۔ گارڈز نے دروازہ کھٹکھٹایا' تو اگلے ہی لمحے وہ کھل گیا۔ کھولنے والی خود جواہرات تھی۔ سرخ لباس میں ملبوس' سرخ لپ اسٹک لگائے' بالوں کو کرل کر کے چہرے کے ایک طرف ڈال رکھا تھا' اور مسکرا رہی تھی۔

''آپ کو میرے لئے دروازہ خود کھولنا پڑا؟'' صاحبزادی صاحبہ طنز سے مسکرائی۔

''چونکہ آپ نے کسی حساس موضوع پہ ملنے کے لئے کہا تھا تو میں نے اپنے اسٹاف کو بھیج دیا۔ آیئے نا۔'' خوش دلی سے کہتے ہوئے اس نے راستہ چھوڑا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں شاہانہ طرز کی کرسیوں پہ آمنے سامنے بیٹھی تھیں' درمیان میں میز تھی جس پہ پھول رکھے تھے۔ (گارڈز باہر

تھے۔)

''آپ کے زیورات بہت خوبصورت ہیں۔'' جواہرات مسکرا کے اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے آپ کی طرح لمبی لمبی اداکاریاں نہیں آتیں جواہرات بیگم۔'' وہ اب کے بولی تو مسکراہٹ سمٹ گئی تھی اور آنکھوں میں تپش در آئی تھی۔ ''یہ مجھے احمر شفیع نے دیے ہیں۔ آپ کی ملکیت تھے یہ۔ اور اب میری ملکیت ہیں۔''

''احمر!'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ پھر کہنی کرسی کے ہتھ پہ رکھے ایک انگلی گال تلے رکھے وہ دلچسپی سے صاحبزادی کو دیکھنے لگی۔ ''اور کیا دیا ہے احمر نے آپ کو۔''

''مجھے تو آپ پہ ترس آ رہا ہے۔'' وہ واقعی ترحم سے بولی تھی۔ ''بہت دنوں بعد آپ آفس اور سوشل گیدرنگز میں نظر آئی تھیں' اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ' مگر کون جانتا تھا کہ یہ تخت وتاج محض چند دن کا محتاج ہے۔ بس چند الفاظ اس کو الٹنے کے لئے کافی ہیں۔''

''اچھا' اور آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میرا تخت الٹنے والا ہے؟''

''کیونکہ آپ کے تخت کو اٹھانے والے آپ کے دو بیٹے ہیں' اور جس دن وہ آپ کی حقیقت جان گئے' آپ تباہ ہو جائیں گی۔''

''اور کیا ہے میری حقیقت؟''

''مسز کاردار!'' وہ ذرا سا مسکرائی۔ ''کہا تھا نا میں نے آپ کو۔ جیسے آپ نے میری زندگی برباد کی ہے' میں بھی کروں گی۔ کہا تھا نا' میں انتقام ضرور لوں گی۔ آپ سوچیں' اس وقت آپ پہ کیا گزرے گی جب ہاشم جان لے گا کہ آپ نے.... اس کے باپ کا.... قتل کیا ہے۔''

جواہرات مسکراتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے انگلی پہ گھنگریالی لٹ لپیٹتی رہی۔

''اور یہ بتانے کے احمر نے کتنے پیسے لئے ہیں آپ سے؟'' کوئی حیرت کوئی شاک نہیں۔

''آپ خود کو جتنا بھی کمپوزڈ ظاہر کر لیں' آپ کا چہرہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اورنگزیب کاردار کی قاتل ہیں۔''

''اور یہ بھی اس نے کہا ہوگا کہ میرے پاس ثبوت نہیں ہے مگر مسز کاردار کا چہرہ اس گواہی کے لئے کافی ہے۔'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ صاحبزادی صاحبہ کے اعصاب تن گئے۔ اس کو یہ امید نہیں تھی۔ قدرے بے چینی سے بولی۔ ''سعدی یوسف سب جانتا ہے کہ کس طرح تم نے اپنے شوہر کو مارا' اور میری اینجیو بھی گواہ ہے۔''

''اوہ ڈارلنگ' تم بھی کن لوگوں کی باتوں میں آ کر اپنے قد سے بڑی باتیں کرنے آ گئیں۔'' جواہرات نے افسوس سے گہری سانس بھری۔ صاحبزادی صاحبہ کو اب غصہ چڑھنے لگا۔

''جس دن میں نے ہاشم کو بتا دیا نا' وہ تمہاری جان لے لے گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ تمہارے ڈرائیور کو' جو صبح چھٹی لے کر گیا ہے' کل شام میں نے خرید لیا تھا' اور اس نے مجھے سب بتا دیا کہ کس طرح سعدی اور احمر نے اپنی جان بچانے کے لئے تمہارے ساتھ یہ جھوٹ بولا' اور تم بی بی۔ تم چلی آئیں میرا تخت گرانے۔''

یہ کہتے ہوئے جواہرات اٹھی اور ساتھ والے کمرے کا نیم وا دروازہ کھول دیا۔ صاحبزادی صاحبہ نے چونک کر گردن موڑی' اور اگلے لمحے وہ سانس تک لینا بھول گئی۔

وہاں سے وہ دونوں اندر داخل ہوئے تھے۔ ہاشم اور نوشیرواں۔ سوٹ میں ملبوس چبھتی ہوئی سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے۔ وہ اپنی ماں کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے تھے اور جواہرات مسکرا کر کہہ رہی تھی۔

''میں جانتی تھی تم مجھے بلیک میل کرنے آؤ گی' اس لئے میں نے اپنے بیٹوں کو بھی بلا لیا۔ اور دیکھو' وہ میرے ساتھ کھڑے ہیں' ان کو مجھ پہ پورا اعتماد ہے۔''

صاحبزادی فق چہرہ لئے کھڑی ہوئی۔تھوک نگلا۔باری باری ان دونوں کے سپاٹ چہرے دیکھے۔''تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو مارا ہے۔'' وہ دبا دبا سا چلائی۔

''اچھا کیا ثبوت ہے آپ کے پاس؟ اور سعدی کا نام مت لینا' آپ کے ڈرائیور سے سن چکا ہوں۔سعدی تو کل تک خاور کو میرے باپ کا قاتل کہتا تھا۔'' ہاشم تلخی سے گویا ہوا۔وہ نارمل نظر آ رہا تھا۔

''تمہاری ملازمہ گواہ ہے' اس نے تمہارے باپ کے باتھ روم سے جواہرات کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔''

''جسٹ گیٹ آؤٹ!'' ہاشم نے بے زاری سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''میں.....میں ساری دنیا کو بتاؤں گی کہ تم کیسی عورت ہو۔اپنے بیٹوں کو دھوکا دے رہی ہو۔پوسٹ مارٹم والے ڈاکٹر کو بھی تم نے سری لنکا سے احمر کے ذریعے کال کروائی تھی اور جب اس کے پاس گئی تو اس کو اتنا ڈرایا کہ اس نے خاور کا نام.....'' (شیرو نے بہت آہستہ سے سر اٹھایا۔)

''نکل جاؤ یہاں سے۔'' جواہرات حلق کے بل چلائی تھی۔وہ سہم کر خاموش ہوئی۔جواہرات قدم قدم چلتی اس کے قریب آئی اور سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھورا۔

''سعدی کو کہنا ہمارا فیملی یونٹ وہ کبھی نہیں توڑ سکتا۔رزق اور راج صرف کوشش سے نہیں ملتا۔یہ ادھر (پیشانی پہ انگلی رکھی) ادھر لکھا ہوتا ہے۔میرا بخت ادھر لکھا ہے۔رہے یہ زیورات تو تم یہ رکھ سکتی ہو۔یہ cursed ہیں۔جلد ہی تمہیں دلدل میں دھکیل دیں گے اور تم مجھ سے بڑی ڈائن بن جاؤ گی۔اب دفعہ ہو جاؤ۔'' اور صاحبزادی کچھ کہہ ہی نہ سکی۔باری باری سب کو دیکھا اور پھر تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔ جواہرات اب کے مڑی تو آنکھوں میں آنسو تھے۔

''مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں نے صبح میری ساری بات سن کر میرا ساتھ دیا اور سعدی یوسف کے پلان کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔مجھے تم دونوں پہ فخر ہے۔''

ہاشم نے کندھے اچکائے اور صوفے پہ بیٹھ گیا۔وہ بے زار لگ رہا تھا۔نوشیرواں البتہ ابھی تک بت بنا کھڑا تھا۔ہاشم اسی بے زاری سے کہنے لگا۔''سعدی بار بار ڈیڈ کی موت کو بیچ میں کیوں لے آتا ہے؟ اب تو مجھے بھی شک ہونے لگا ہے کہ خاور اصل قاتل ہے بھی یا نہیں۔''

جواہرات کا دل بری طرح کانپا۔وہ بہت بڑا جوا کھیل گئی تھی مگر اس کے سوا اور چارہ نہ تھا۔''آف کورس خاور قاتل ہے ہاشم۔اب میں یا تم تو قاتل ہو نہیں سکتے۔کہیں تم بھی اس کی باتوں میں تو نہیں آ گئے؟''

''اوہو نہیں ممی۔میں تو بس سوچ رہا ہوں کہ وہ اب اس بات کو ہر جگہ استعمال نہ کرنا شروع کر دیں اور.....''

''احمر کو کیسے پتہ ڈاکٹر کے گھر والی بات؟'' نوشیرواں کسی خواب کی سی کیفیت میں بولا تھا۔وہ دونوں اسے دیکھنے لگے۔

''پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر کے گھر رئیس' میں' آپ اور بھائی گئے تھے۔احمر تو تب ہمارا ملازم بھی نہیں تھا۔تو اسے کیسے پتہ چلا کہ آپ نے ڈاکٹر کو ڈرانے والی باتیں کہی تھیں؟'' شیرو عجیب سی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔وہ بپھر گئی۔

''کیونکہ احمر کے ذریعے خاور کا پتہ صاف کیا تھا ہم نے' شاید میں نے ہی بتایا ہو۔اب کیا تم مجھے ایسے دیکھو گے؟''

''اور اس نے میری کا نام کیوں لیا؟ آپ میری کو ڈی پورٹ کرنا چاہتی تھیں' آپ میری سے ڈیڈ کی موت کے بعد سے خوش نہیں تھیں۔''

''نوشیرواں ممی پہ شک مت کرو۔'' ہاشم اکتا کر کھڑا ہوا۔''ان کی باتوں کو اپنے ذہن پہ سوار مت کرو' چلو ڈنر کرتے ہیں۔'' اس نے اس کا شانہ تھپتھپایا تو شیرو نے سر جھٹکا۔جیسے بہت سے خیالات بھی جھٹکے۔وہ دونوں اپنی اپنی جگہ الجھے نظر آتے تھے' اور جواہرات بظاہر پرسکون

سی' اندر عجیب طوفانوں میں گھری تھی۔ صاحبزادی کے بتانے سے بہتر تھا وہ خود ان کو بتا دے' یہ حکمت عملی اس کا آخری آپشن تھا۔ آخری ہوا۔ اور اس کا نتیجہ اتنا حوصلہ افزا نہیں تھا جتنا وہ چاہتی تھی۔ مگر پھر بھی اس کے بیٹے اس کے ساتھ تھے۔ اسے اور کیا چاہیے تھا؟

.....❖❖❖.....

امید کے صحرا میں جو برسوں سے کھڑا ہے ..... حالات کی بے رحم ہواؤں سے لڑا ہے

مور چال پہ وہ حبس زدہ رات مغموم سی پھیلی تھی۔ لاؤنج کی دیوار کو نئے سرے سے صاف پینٹ کر کے حنین فارغ ہو چکی تھی۔ وہ نقش ونگار چھپ گئے تھے اور اب وہ چند روز میں اس پہ stencil پینٹ کر سکتی تھی۔ شکر۔ وہ گلوز اتارتی' برش اور ڈبے اٹھاتی' سیڑھیاں چڑھنے لگی تاکہ اپنے کمرے میں جا کر اس سامان کو ٹھکانے لگائے' پھر سعدی کے کمرے کی جلتی بتی دیکھ کر ادھر چلی آئی۔

وہ اسٹڈی چیئر پہ ٹیک لگائے بیٹھا تھا' اور پرسوچ نظریں چھت پہ ٹکی تھیں۔

''پریشان نہ ہو' بھائی ہم پھر سے ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے۔'' اس کے نرمی سے پکارنے پہ وہ چونکا' پھر اسے دیکھ کر ذرا سا مسکرایا۔ ''پتہ ہے حنین' صرف ایک بات مجھے تسلی دیتی ہے کہ ہمارے جج صاحب ایماندار آدمی ہیں۔''

''اور مجھے صرف ایک بات خوف دلاتی ہے کہ بڑے فیصلے کرنے کے لئے صرف ایماندار ہونا کافی نہیں ہوتا۔'' وہ سوچ کر رہ گئی' مگر بولی تو صرف اتنا۔ ''چاہے ہم جنگ جیتیں یا ہاریں' حق کے لئے لڑنا ہمیشہ درست ہوتا ہے۔''

پھر وہ چلی گئی اور وہ وہیں بیٹھا سوچتا رہا۔ مایوسی' اداسی اور امید کے درمیان وہ کہیں ہوا میں معلق تھا۔ کسی کچے دھاگے سے لٹکا' کسی پکی زنجیر سے بندھا۔ پھر وہ اٹھا اور وضو کر کے آیا۔ تولیے سے ہاتھ منہ خشک کیے' اور اسٹڈی ٹیبل پہ قرآن لئے واپس آ بیٹھا۔ ایک یہی کلام اللہ تو تھا جو ہر اندھیرے میں تسلی دیتا تھا' کہ خیر ہے' جہاں اتنا چل لیا وہاں کچھ اور چلتے جاؤ' روشنی مل جائے گی۔ تمہارے حصے کی روشنی تمہیں ضرور ملے گی۔ بس تھوڑا صبر اور۔ بس تھوڑا فاصلہ اور ''میں پناہ چاہتا ہوں اللہ کی دھتکارے ہوئے شیطان سے۔ اللہ کے نام کے ساتھ جو رحمٰن اور رحیم ہے۔'' اس نے مطلوبہ آیت سے اپنی محبوب سورۃ کھولی۔

''اور بے شک تیرا رب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے (جو ان کے سینے چھپاتے ہیں) اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔

''اور آسمان اور زمین میں ایسی کوئی پوشیدہ بات نہیں جو روشن کتاب میں نہ ہو۔'' (سورۃ النمل: 75-74)

''یہ آیت' اللہ تعالیٰ' آپ نے قرآن میں کتنی دفعہ دہرائی ہے؟ ان گنت۔ اور اس کے ان گنت رموز ہر دفعہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا یہاں کہ تم چھپاتے ہو' یہ فرمایا ''جو ان کے سینے چھپاتے ہیں۔'' یہاں جو گلٹی پارٹی ہے' وہ انسان نہیں ہے۔ وہ اس کا سینہ ہے۔ دل بھی سینے کے اندر ہوتا ہے۔ اور ہم خود کیوں نہیں؟ اگر غور کرو تو آیت کے شروع میں فرمایا ''آپ کا رب''۔ صرف رب بھی کہا جا سکتا تھا مگر ''آپ کا رب'' کا مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ جس کے دل کی بات ہو رہی ہے' وہ تو اللہ کا بندہ ہے۔ میں اور آپ' ہم اللہ کے ہیں' اسی لیے شاید اللہ تعالیٰ ہمیں رعایت دے دیتے ہیں۔ صرفِ نظر کر جاتے ہیں ہماری غلطیوں سے ...مگر یہ ہمارے دل ہیں جو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ کبھی compulsive liars کو دیکھا ہے؟ وہ بات بہ بات بغیر سوچے سمجھے جھوٹ بولتے ہیں۔ ان کا دماغ ابھی سامنے والے کا سوال سمجھا ہی نہیں ہوتا کہ زبان جھوٹ بول دیتی ہے۔ تو یہ دل کیسے انسان کو بے بس اور مجبور کر دیتا ہے؟ جب ہم اس میں غلط خزانے بھرتے جائیں اور اس کو کسی شے کا عادی کر دیں۔ ہم غلط کام اس میں چھپاتے ہیں تو یہ عادی ہو جاتا ہے' پھر خود سے' ہم سے پوچھے بغیر اپنے اندر غلط چیزیں' غلط خیالات' غلط ارادے' غلط محبتیں محفوظ کرتا جاتا ہے۔ پھر یہ قابو میں نہیں رہتا۔ اور اس کا حل کیا ہے؟ حل وہی ہے کہ جب کتے اور تصویر والے گھر میں فرشتے نہیں آتے تو اللہ ایسے دل میں کیوں اپنی محبت ڈالے گا جس میں جھوٹ' دھوکے' غلط راز اور غلط لوگ بسے ہوئے ہوں؟'' وہ اپنی نوٹ بک پہ لکھتا بھی جا رہا تھا۔ ذہن کی آلودگی دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی۔ ایک یہی کتاب تو ساری کثافت دور کر دیتی تھی۔

''بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور بے شک وہ ایمانداروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ بے شک تیرا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کرے گا اور وہ غالب علم والا ہے۔'' (سورۃ النمل: 78-76)

''مجھے آج اس آیت کو پڑھ کر یہ لگ رہا ہے اللہ تعالیٰ کہ قرآن ہر ایک کے لئے مختلف کردار ادا کرتا ہے۔ کچھ لوگ جو اس کو بھلا بیٹھے ہوتے ہیں' ان کی عبرت کی مثالیں یہ ان کو سناتا ہے جو اس کو بار بار پڑھتے ہیں۔ ہمارے آپس کے سارے جھگڑوں اور اختلافات کا حل اس میں موجود ہے' اور جن کا نہیں ہے' ان کا فیصلہ آپ قیامت کے روز کر دیں گے اللہ تعالیٰ' مگر مجھے اپنی امت کی فرقہ واریت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ اختلافات کے نام پہ ہمارے ہاں اتنی تقسیم ہے کہ حد نہیں۔ ہم اختلاف کرنے والوں کو ڈانٹ کیوں دیتے ہیں؟ کسی کی جنت یا جہنم کی کوئی گارنٹی نہیں ہے سوائے انبیآء کرام اور عشرہ مبشرہ صحابیوں' یا بدر کے مجاہدوں اور چند دیگر صحابہ کے یا چند اور ایسی ہستیوں کے جن کے بارے میں احادیث میں بتایا گیا ہے۔ کسی امام' کسی پیر' کسی اسکالر' کسی لیڈر' کسی کی جنت کی گارنٹی نہیں ہے۔ تو پھر ہم اپنی جنت پکی کر کے دوسرے کی جہنم کا ٹکٹ کیوں ہاتھ میں لیے گھومتے ہیں؟''

''سو اللہ پر بھروسہ کر بے شک تو صریح حق پر ہے۔ البتہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر لوٹیں اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی دور کر کے ہدایت کر سکتا ہے تو ان ہی کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں سو وہی مان بھی لیتے ہیں۔'' (سورۃ النمل: 81-79)

''لیکن پھر یہ ساری باتیں ہر ایک پہ اثر کیوں نہیں کرتیں؟ کیوں بہت سے لوگ اندھے گونگے بہرے بن کر کفر کے فتوے دوسروں پہ تھوپے چلے جاتے ہیں؟ انسانوں کی پیروی میں اندھے ہو جاتے ہیں؟ کیونکہ شاید قرآن سے ہدایت اور رحمت ایمان والوں کو ملتی ہے' اور ایمان ہوتا کیا ہے بھلا؟ خوف اور غم سے نجات پا لینا۔ کھلا ذہن رکھنا جس میں نرمی ہو' تنگی نہ ہو۔ سختی نہ ہو۔ ایمان کیا ہوتا ہے؟ حیا۔ دوسروں کا دل دکھانے سے شرم کرنا۔ سخت باتیں سنا دینے سے شرم کرنا۔ سامنے والے کے احساسات کا خیال کرنا۔ اور کیا ہوتا ہے ایمان؟ قرآن و حدیث کو ثبوت ماننا اور اپنی رائے سے اوپر سمجھنا۔ یہ جب انسان میں آ جاتا ہے نا' یہ خیال کہ میں اور میرا مسلک غلط ہو سکتے ہیں' مگر اللہ کی بات حرفِ آخر ہے' تب انسان کا ذہن کھلتا ہے اور وہ سنتا بھی ہے اور سمجھتا بھی ہے۔ میں نے بڑے بڑے مدرسوں اور یونیورسٹیز سے پڑھنے والے علماء کو دیکھا ہے' وہ اتنی سختی سے دوسروں پہ کھٹا کھٹ فتوے لگاتے ہیں کہ عام زندگی میں بھی ان کا یہی رویہ بن جاتا ہے۔ مزاج میں سختی' ہر وقت دوسروں کو جج کرنا اور بدکلامی۔ ان چیزوں سے دل سخت ہوتا ہے اور پھر وہ ہدایت نہیں لیتا۔ اور میں نے انہی مدرسوں اور یونیورسٹیز سے نکلتے ایسے علماء کو بھی دیکھا ہے جو گو کہ اپنی اٹل رائے رکھتے ہیں' مگر دوسروں کی بھی سنتے ہیں' اور نرمی سے سمجھانا بھی جانتے ہیں۔ دلیل سے بات کرتے ہیں' غصے سے نہیں۔ حقارت اور نفرت سے نہیں۔ اللہ ایسے نرم خو لوگوں کا نام ہمیشہ بلند کرتا ہے' کیونکہ یہ ''اللہ کے دشمنوں'' سے سخت بات بھی سختی اور بدکلامی سے نہیں کرتے۔ سیسہ پلائی دیوار کی طرح اپنی رائے اور دلیل بیان کرتے ہیں مگر دوسرے کے کان میں سیسہ نہیں گھولتے۔ ہمیں ضرورت ہے ایسے لوگوں کی طرح بننے کی' اور اس کے لئے سب سے پہلے یہ سمجھنا ہو گا کہ کوئی دو انسان ہر چیز کے بارے میں ایک جیسا نہیں سوچ سکتے۔ ہمارے گھر والے بھلے سیاسی اور مذہبی خیالات ہمارے جیسے رکھتے ہوں مگر کئی جگہ ان سے بھی ہماری رائے مختلف ہو سکتی ہے۔ مگر مزاج کی یہ نرمی صرف تب آئے گی جب ہم ''ایمان'' لے آئیں گے' اور جان لیں گے کہ سب سے زیادہ درست صرف اللہ ہے۔ باقی ہم سب غلط ہو سکتے ہیں اور اگر اپنے غلط وجود سے بھی ہمیں اتنی محبت ہے تو دوسروں سے کراہت کیوں کریں؟ لوگوں کی کچھ باتوں کو نظر انداز کرنا اور کچھ کو درگزر کرنا.... یہ ایمان کا حصہ ہے۔''

لکھتے لکھتے اس کے ہاتھ درد کرنے لگے۔ شاید وہ کافی دن بعد قلم سے لکھ رہا تھا۔ مگر یہ کتاب تھی ہی ایسی جو ہر درد کا مرہم بن جاتی

تھی۔ یہ نہیں تھا کہ درد نہیں ہوگا' بس ہر درد کے بعد سکون بھی مل جائے گا۔ اس نے قرآن کو ادب سے چوما اور بند کر کے رکھ دیا' پھر انگلیاں کھولنے بند کرنے لگا' تاکہ سکون آئے۔

''بھائی بھائی۔'' پرسکون ماحول کا بلبلہ ایک دم سے پھٹ گیا۔ حنین دھاڑ سے دروازے کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔ ہاتھ میں ٹیب تھا اور چہرے پہ بلا کا افسوس۔ ''وہ آپ لوگوں کا دوست.... احمر شفیع.... اس کے بارے میں سوشل میڈیا پہ خبر دیکھی آپ نے؟''

سعدی نے گہری سانس لی اور مسکرا کے اسے دیکھا۔ ''ہاں دیکھی تھی۔ ایک کار حادثے کے بعد ایک جلی ہوئی لاش ملی ہے جو اسی کی عمر کے بندے کی ہے اور اتفاق سے اس کے ساتھ جو احمر شفیع کے نام کا شناختی کارڈ' پاسپورٹ وغیرہ تھے' وہ بالکل بھی نہیں جلے۔'' حنہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''آپ کا دوست ہلاک ہو گیا اور آپ آرام سے بیٹھے ہیں؟''

''اسے غائب ہونے کے طریقے آتے ہیں' ایک فیک ڈیتھ اسٹیج کرنا اس کے لئے مشکل نہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''مگر ہو سکتا ہے یہ سب ڈرامہ نہ ہو۔ بلکہ اس کو مسز کاردار نے مروا دیا ہو۔'' اسے فکر ہوئی۔

''مجھے نوے فیصد یقین ہے کہ ایسا نہیں ہے' کیونکہ اس نے مجھے کہا تھا کہ ولیم شیکسپیئر نے کہا ہے۔

"There are three ways for a person to disappear. The first is to die. The second is to lie. And the last is to be reborn."

اسی طرح اس نے کہیں اور کسی نئے نام سے جنم لے لیا ہوگا۔

حنین نے گہری سانس لی۔ ''رہا نا ہمیشہ کی طرح آخر میں بھی فراڈ ہی۔ یہ ڈائیلاگ شیکسپیئر کا نہیں ہے۔ وکٹوریا گرے سن نے Revenge میں بولا تھا۔ شاید آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں' یہ بھی اس کا ایک فراڈ ہو سکتا ہے' لیکن اگر نہیں بھی ہے تو جو میرے ایگزام والی بات ہاشم کو بتائی تھی نا' اسی کا بدلہ ملا ہے اسے۔''

''حنین!'' وہ خفگی سے بولا مگر وہ مزے سے کہتی باہر جا چکی تھی۔ وہ اسے پہلے ہی دن سے برا لگتا تھا۔ پہلی دفعہ جب اس نے حنین کو دیکھا تھا تو اسے اس کی اخبار میں چھپی تصویر یاد آ گئی تھی اور لگ گیا تھا اس کے بارے میں کھوج لگانے.... ہونہہ.... کہ اس نے ایف ایس سی میں ٹاپ کرنے کے باوجود انجینئرنگ کیوں نہیں پڑھی۔ وہ اس کا سیاہ راز تھا اور اسی لیے اس احمر شفیع سے وہ شدید غیر آرام دہ محسوس کرتی تھی۔ مگر اب نہ وہ راز غیر آرام دہ کرتا تھا نہ وہ فراڈ ان کی زندگیوں میں رہا تھا۔ اور ویسے بھی اسے کل سے ڈرائنگ روم کی پینٹنگ بھی شروع کرنی تھی' سو آج رات گوگل کے آئیڈیاز کے نام!

.....❖❖❖.....

عجب سوال کیا آندھیوں نے پتوں سے ..... شجر سے ٹوٹ کے گرنا بتاؤ کیسا لگا

بہت دن بعد آج سرِ شام ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ اوپر سے جیسے پانی کے تھال گرا دیے گئے تھے۔ پہاڑی علاقے کی اس بل کھاتی سڑک کے اوپر.... چوٹی پہ بنے پتھروں کے گھر کی کھڑکیوں پہ بوندیں تڑاتڑ برس رہی تھیں۔ باہر مئی کے باوجود ٹھنڈ ہو چکی تھی اس سٹنگ روم میں نوعمر لڑکا آتش دان میں ہیٹر جلانے لگا تھا۔ پھر اس نے پلٹ کر صوفے پہ بیٹھے ہاشم کو وضاحت دی۔ ''ابو کو ٹھنڈ نہ لگ جائے اسی لئے جلا رہا ہوں۔'' ہاشم نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا اور پھر وہیل چیئر پہ بیٹھے خاور کو دیکھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے متضاد لگ رہے تھے۔ جہاں ہاشم تر و تازہ' تیار' تھری پیس میں ملبوس چاق و چوبند بیٹھا تھا' وہیں خاور لاغر کمزور اور ہڈیوں کا ڈھانچہ لگتا تھا۔ اس کے بال سفید ہو چکے تھے اور شیو بھی سفید تنکوں جیسی تھی۔ گردن ایک طرف ڈھلکی تھی اور نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پہ جمی تھیں۔

''تم جاؤ بیٹا۔ میں کچھ وقت تمہارے ابو کے ساتھ اکیلے میں گزارنا چاہتا ہوں۔'' لڑکا ہیٹر سیٹ کر کے تابعداری سے سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ دروازہ بند ہوا تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ باہر برستی بارش کی تڑتڑاہٹ بھی معدوم ہونے لگی۔

''پچھلے ہفتے جب میں نے دو دن ایک سرخ رومال کو دیکھتے کمرے میں بند گزارے' تو ایک دفعہ ایسا موقع بھی آیا کہ فون کھول کر اپنے کانٹیکٹس کے گروپس دیکھے۔ فرینڈز' فیملی' کولیگز' شناسا فرینڈز کے خانے میں بہت سے نام تھے۔'' وہ مغموم مسکراہٹ کے ساتھ بولتے ہوئے خاور پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ ''مگر کوئی بھی کام کا نہیں تھا۔ میں سوچتا رہا کہ دوست کون ہوتا ہے؟ وہ جس کی وفا غیر مشروط ہو۔ جو آپ سے بھلے اختلاف رکھتا ہو مگر آپ کو سنتا ہو' آپ کو سمجھتا ہو' اور اس کو جب مدد کے لئے پکارو وہ حاضر ہو' اور جس کے لئے آپ بھی ہمیشہ حاضر ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ جو ہمارے لئے ہمیشہ حاضر ہوتے ہیں' وہ ہم سے ہماری ان کے لئے حاضری کی توقع نہیں رکھتے مگر خاور..... مجھے احساس ہوا کہ شاید تم میرے سب سے اچھے دوست تھے۔''

بوندیں تڑتڑ شیشوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ خاور کی آنکھیں اوپر کہیں جمی تھیں۔ جسم سے نالیاں لگی تھیں اور وجود میں ذرا سی جنبش بھی نہ ہوتی تھی۔ سوائے پلکیں جھپکنے کے۔

''اب تک میں تم سے غصے میں تھا۔ ناراض تھا۔ سوچتا تھا' کیا اتنی نفرت تھی تمہیں میرے باپ سے کہ ان کو مار ہی ڈالا؟ مگر اب میں ناراض نہیں ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں اب سمجھنے لگا ہوں۔ تمہیں بھی اور خود کو بھی۔ اپنے ہاتھوں سے ایک محبوب انسان کو مارنے کے بعد مجھے لگنے لگا ہے کہ قتل صرف نفرت اور دشمنی میں نہیں کیے جاتے۔ محبت میں بھی ہو جاتے ہیں۔ مجبوری لے ڈوبتی ہے۔ شاید تمہیں میرے باپ سے کوئی نفرت نہ ہو' شاید تمہاری مجبوری ہو' مگر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں اب تمہیں سمجھ سکتا ہوں۔''

وہ اداسی سے کہہ رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ ہنوز قائم تھی۔ خاور اسی طرح ایک طرف دیکھے گیا۔

''مجھے آج کہنے دو کہ میں تمہیں مِس کرتا ہوں۔ تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ تمہارے جانے کے بعد ہر چیز میرے لئے خراب ہونے لگی ہے۔ سب بگڑ رہا ہے۔ مگر میں آخری دم تک لڑوں گا' لیکن مجھے کہنے دو کہ کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا' کاش تم میرے ساتھ ہوتے ان دنوں۔

کاش تم نے میرے باپ کو نہ مارا ہوتا۔'' پھر وہ آگے ہوا' اور قریب سے اس کو دیکھا۔ ''کیا واقعی تم نے ڈیڈ کو مارا تھا؟'' اس کی آواز میں ایک شبہ سا تھا۔ ایک شک۔ ہیجان۔ خاور دوسری جانب دیکھتا رہا۔ وہ اٹھا اور گھوم کر اس کی وہیل چیئر کے سامنے آیا' دونوں ہاتھ وہیل چیئر کے بازوؤں پہ رکھے' اور اضطراب سے اس کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا جو کہیں اور دیکھ رہی تھیں۔

''اور اگر تم نے ہی ان کو مارا تھا' تو کس کے کہنے پہ؟ کیا میری....'' آواز کانپی۔ ''میری ماں کے کہنے پہ؟ ہاں' بتاؤ مجھے۔'' اس کی رنگت سرخ پڑ رہی تھی' اور وہ تڑپنے کے سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ ''مجھے بتاؤ پلیز' کیا میری ماں نے میرے باپ کو مارا ہے؟ میں وجہ نہیں پوچھتا۔ صرف ہاں یا ناں پوچھ رہا ہوں کیونکہ میں....'' وہ سیدھا کھڑا ہوا اور پیشانی تکان سے مسلی۔ ''میں دو دن سے اس کشمکش میں ہوں کہ میری ماں اس وقت صرف کور اَپ کر رہی ہے' یا وہ واقعی بے قصور ہے۔ اور میرا دل دونوں باتوں کو نہیں مانتا۔''

''مگر ایک بات میں جانتا ہوں کہ.... شاید اب میں ممی کو سمجھ سکتا ہوں۔ میں تمہیں بھی سمجھ سکتا ہوں۔ اپنے ہاتھ سے پہلی جان لی ہے میں نے' اور بہت کچھ کھو دیا ہے۔ اگر یہ سچ ہوا نا خاور.... اگر واقعی ممی نے یہ سب کیا ہے' تو میں.... میں ان سے راستہ الگ کر لوں گا۔ ان کو چھوڑ دوں گا۔ ان سے محبت کرنا ترک نہیں کر سکتا لیکن۔ اور ہاں' ان کو ہر حال میں سمجھتا رہوں گا۔ قتل مجبوری میں ہوتے ہیں۔ شاید ان کی بھی کوئی مجبوری ہو۔'' پھر وہ تلخی سے ہنسا۔ ''چند ماہ پہلے تک میں ایسا نہیں تھا۔ اب میں بدلتا جا رہا ہوں۔ میں بے حس ہوتا جا رہا ہوں۔ لیکن شاید یہ سعدی کی کوئی نئی گیم ہے۔ اگر ممی انوالوڈ ہوتیں تو ہم دونوں کو صاحبزادی بیگم کے ملازم کا بیان نہ بتاتیں۔ اس بات کو چھپاتیں۔ وہ بے قصور ہیں اسی

لئے تو...'' اس نے سر جھٹکا۔ ''کیا تم مجھے سن رہے ہو؟'' اس نے امید سے پکارا' یاس سے پکارا۔ مگر دوسری طرف وہی خاموشی تھی۔

''شاید تم سن نہیں سکتے۔ تمہاری سماعت متاثر ہوئی ہے۔ مگر اچھا لگا تم سے بات کر کے۔'' وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے' ایک آخری نظر اس پہ ڈالتا' مڑا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ خاور نے آنکھوں کا رخ پھیر کر دروازے کو دیکھا تھا۔ ان آنکھوں میں کوئی تاثر نہ تھا۔

.....❖❖❖.....

نہ وہ رنگ فصلِ بہار کا، نہ روش وہ ابرِ بہار کی ..... جس ادا سے یار تھے آشنا وہ مزاجِ بادِ صبا گیا

کالونی کے بنگلوں کی بتیاں رات میں جلتی ہوئی بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ حبس اور گرمی کے بعد بارش نے سارے میں رونق بخش دی تھی۔ کچھ لوگوں کے گھروں میں بنتے ہوں گے پکوڑے اور چپس مگر مورچال میں حنین پینٹ کی بُو ہی پھیلائے بیٹھی تھی۔ سارا گھر اس سے بے زار تھا' مگر چونکہ وہ اپنا ہیرو خود تھی' تو اس کا دماغ عرصے سے آسمان سے اترنا بھول گیا تھا۔ فارس اس ساری چخ چخ جوندرت' حنہ اور حسینہ کے درمیان جاری تھی' سے تنگ آ کر اوپر ٹیرس پہ آ بیٹھا تھا۔ موسم خوشگوار تھا' اور ٹھنڈی ہوا بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ پیر لمبے کر کے میز پہ رکھے' آنکھیں بند کیے' ٹیک لگا کر بیٹھا' خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

''Knok knock!'' آواز پہ چونک کر آنکھیں کھولیں۔ زمر اس کے سر پہ کھڑی تھی۔ سبز رنگ کے لباس میں' گھنگریالے بال آدھے باندھے' وہ کھلی کھلی سی لگ رہی تھی' ساتھ میں بھاپ اڑاتی چائے کا مگ بھی بڑھا رکھا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''تھینک یو۔'' اور مگ لے لیا۔ وہ اس کے ساتھ کرسی پہ آ بیٹھی یوں کہ اس کی طرف گھومی ہوئی تھی۔

''کیا سوچ رہے ہو؟''

''ہوں؟ کچھ نہیں۔'' فارس نے سر جھٹکا۔ اور مگ ہونٹوں سے لگایا۔

''اور میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ سوچو بھی نہیں۔'' وہ چونکا۔ ''کیوں؟''

زمر کی اس پہ جمی بھوری آنکھوں میں فکرمندی دکھائی دیتی تھی۔ ''تم خود کو مت پریشان کرو۔ مت تھکاؤ۔ گلٹی فیل مت کرو۔ آبدار کے ساتھ جو ہوا' اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی۔ فارس ہلکا سا مسکرایا۔

''پھر کس کا قصور ہے؟''

''ہاشم کا۔ اس کے باپ کا۔ وہ لوگ ذمہ دار ہیں۔ تم نہیں۔''

''مگر میں نے اس کو استعمال کیا تھا زمر' یہ سوچے بغیر کہ وہ مشکل میں پڑ سکتی ہے۔''

''تم نے سری لنکا تک اس کو استعمال کیا تھا' وہاں تو وہ مشکل میں نہیں پڑی نا؟ جس مشکل میں تمہارا ہاتھ نہیں' تمہاری نیت نہیں' اس کے لئے دل بھاری مت کرو۔''

''اچھا۔ کوشش کروں گا۔'' وہ زخمی سا مسکرا کے گھونٹ بھرنے لگا۔

''اور یہ سب مت سوچو جو سوچ رہے ہو۔ اور میں جانتی ہوں کہ کیا سوچ رہے ہو۔ تم ضبط کیے بیٹھے ہو۔ اور چاہتے ہو ایک ہی وقت میں جا کر ان سب کو مار ڈالو۔ آبدار اور میرے ساتھ جو ہوا اس رات اس کے ذمہ داروں کو سزا دینے کا مت سوچو فارس۔'' وہ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے سمجھا رہی تھی۔ وہ چپ چاپ چائے پیتے سنے گیا۔ ''میں جانتی ہوں تم فرسٹریٹڈ ہو۔ بہت چپ رہنے لگے ہو۔ تمہیں یہ ساری بھڑاس ان لوگوں پہ نکالنی ہے' مگر میں چاہتی ہوں تم درگزر کر جاؤ۔ معاف کر دو۔ نہیں تو صبر کر لو۔ ہمارا کیس عدالت میں ہے۔ ہمیں وہ جیتنے دو۔ اور پھر میں تو ٹھیک ہوں بالکل۔''

''تم ٹھیک ہو نا؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔

''ہوں۔'' اس نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اس وقت نہیں تھی۔ شاک میں تھی۔ شل تھی' مگر اب ٹھیک ہوں۔ وعدہ کرو تم کچھ نہیں کرو گے ان کے خلاف؟''

''او کے۔ میں کچھ نہیں کروں گا۔'' اس نے آخری گھونٹ پیا اور کپ اسے تھما دیا۔ زمر نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اتنی شریفانہ شکل بنا کر جب حکم مانتے ہو تو مجھے پتہ نہیں کیوں یقین نہیں آتا۔''

''تمہاری سوچ ہی خراب ہے۔''

''اور تمہاری نیت۔''

''اُف۔'' وہ کراہا۔ ''اچھا بھلا میں تیسری شادی کرنے کے قابل ہو رہا تھا' اب پچھتا رہا ہوں کہ کیوں بچانے گیا تمہیں۔''

''تمہیں سچ میں تیسری شادی کا اتنا شوق ہے یا صرف میرے سامنے بنتے ہو؟''

''تم کہتی ہو تو تجربہ کر کے دکھا دوں تمہیں؟''

''ہونہہ!'' وہ ناک سکوڑ کر سیدھی ہوئی اور ٹیک لگا کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ نیچے سے حنین اور ندرت کی بحث کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

''میں سوچ رہا ہوں' ہم نیا گھر لے لیں۔''

''چیونٹی کا گھر چھوڑ دو گے تم؟'' زمر کو یقین نہیں آیا۔

''بی بی یہ چیونٹی کا گھر نہیں ہے۔ یہ پورا چڑیا گھر ہے۔'' تڑپ کر جیسے وہ بولا تھا۔ وہ ایک دم ہنسنے لگی۔

''میں سنجیدہ ہوں۔ چلو اب ہم اپنا گھر لیتے ہیں۔ جہاں ہم سکون سے رہ سکیں۔ ہر وقت یہ سرحدی جھڑپیں ہوتی رہیں جہاں اور ہر دوسرے دن کدو گوشت نہ بنا کرے۔''

''تم اتنا تنگ ہو میرے گھر والوں سے؟'' وہ خفا ہوئی۔

''میں اس سے بھی زیادہ تنگ ہوں۔'' وہ سخت اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ ''مجھے تو یہاں کوئی اپنا سمجھتا ہی نہیں ہے۔''

''میں تو سمجھتی ہوں نا۔ اچھا واقعی.... میں تمہیں سمجھنے بھی لگی ہوں۔ سنو' پھر سے بتانا' تمہیں واقعی نہیں معلوم تھا کہ قانونِ شہادت میں ایسا آرٹیکل بھی ہے جس کے تحت میاں بیوی کو ایک دوسرے کے خلاف گواہی دینے پہ مجبور نہیں کیا جا سکتا!''

''بیڑہ غرق ہو قانونِ شہادت کا۔ یہ ہماری ہر بات میں کیوں آ جاتا ہے۔''

اور وہ ہنستی چلی گئی۔ ''میں اس کا جواب تمہیں نہیں دوں گی مگر میں صحیح تھی۔ تمہیں واقعی اس آرٹیکل کا نہیں علم تھا۔ کاش تم نے کلاس میں مجھے دیکھنے کے سوا بھی کچھ کیا ہوتا۔''

''کیوں نہیں کیا تھا؟ دو لڑکیاں بہت پسند تھیں مجھے۔ ایک کا نام رباب تھا' اس کے گھر کا پتہ تک یاد ہے مجھے۔ اور دوسری....'' اور جواب میں وہ خفگی سے کچھ کہنے لگی تھی۔ مگر وہ اثر لئے بغیر ٹیک لگا کر بیٹھا' پاؤں میز پہ رکھے' بولے جا رہا تھا۔ اس پانی کی ساری تلخی اور تکلیف بالآخر دھل گئی تھی اور وہ پہلے جیسا ہو کر پہلے جیسی باتیں کرنے لگا تھا۔

وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

زمر کے خیال میں۔

.....❖❖❖.....

(ڈیئر علیشا کاردار' تمہارا خط ڈھائی سال پہلے مجھے ملا تھا۔ مگر جواب لکھنے آج بیٹھی ہوں۔)

عدالت اور موسم' دونوں پہ گرما گرمی کا عالم چھایا ہوا تھا۔ وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا' ریت کی طرح انگلیوں سے پھسل رہا تھا' آبشار کے پانی کی طرح پتھروں سے سر پٹخ رہا تھا.....

(دراصل علیشا ان ڈھائی سالوں میں بہت کچھ بدلا ہے۔ اور میں نے جان لیا ہے کہ تم غلط تھیں۔)

کمرہ عدالت میں کٹہرے میں جواہرات کھڑی تھی اور زمر اس سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا یہ درست نہیں ہے کہ 21 مئی کو نوشیرواں پاکستان میں ہی تھا' مگر اس کو دیکھنے والے تمام ملازم آپ نے چند دنوں میں فارغ کر دیے تھے؟''

''ملازم دوسری وجوہات پہ فارغ کیے تھے' سب کے ٹرمینیشن لیٹرز کی کاپیز میں آج ہی جمع کروائے دیتی ہوں۔'' وہ مسکرا کے بولی تھی۔ ''نوشیرواں دبئی میں تھا' اور آپ کی اس شادی کے بعد ہی چلا گیا تھا جس کو کروانے کے لئے آپ نے میری منت کی تھی' زمر صاحبہ!''

''شادی کے بارے میں آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے مسز کاردار' آپ پہ تو ویسے بھی آج کل اپنے ہی شوہر کو قتل کروانے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔'' وہ بھی تپانے والی مسکراہٹ سے بولی۔ ہاشم کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔ دھاڑ سے وہ ''آب جیکشن'' بولتا اٹھا۔

''وِدڈران!'' (واپس لیا۔) زمر نے سادگی سے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ جواہرات نے تلخ مسکراہٹ سے سر جھٹکا تھا.....

(میں نے یہ بھی جان لیا ہے علیشا کہ صرف میرے اندر دو بھیڑیے نہیں ہیں نیکی اور بدی کے۔ یہ ہر شخص کے اندر ہوتے ہیں۔ ہر شخص گلٹی ہے۔ لیکن تمہاری طرح میں اب دوسروں کو جج کر کے ان کو گلٹ میں نہیں ڈالنا چاہتی۔ کتنا بہتر ہوتا اگر تم اپنے اعمال پہ زیادہ غور کرتیں بجائے میری فکر کرنے کے۔)

لیبارٹری میں کھڑا ڈاکٹر نوازش تکان سے اپنا بیگ سمیٹ رہا تھا۔ چیزیں الٹ پلٹ کرتے' اس نے اپنا موبائل اٹھا کر دیکھا۔ چند پیغام تھے۔ ان کو پڑھنے وہ کھڑا ہو گیا۔ تب ہی اچانک سے لیب کی بتی بند ہو گئی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ ادھر ادھر دیکھا' مگر اس سے پہلے کہ وہ مڑتا' پیچھے سے کسی نے اس کو دھکا دیا تھا۔ موبائل پھسلا' اور خود وہ نیچے لڑھکا۔ پھر یکا یک بوکھلا کر سر اٹھایا۔ اس کے ساتھ دو جوگرز آ رکے تھے۔ اس نے حیران نظریں اٹھائیں۔ اوپر جینز اور سرمئی شرٹ پہنے' آستین چڑھائے' چھوٹے کٹے بالوں والا فارس غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

''کون ہو؟ اندر کیسے آئے؟'' مگر فارس جواب دینے کی بجائے جھکا' اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا' اور اس کا چہرہ اپنی سرخ آنکھوں کے قریب لے جا کر غرایا۔

''آبدار عبید کا پوسٹ مارٹم تم نے کیا تھا؟''

''کون ....آب دا....'' وہ ہکلایا مگر بات مکمل نہیں ہوئی۔ فارس نے اسے میز پہ یوں دھکیلا کہ بہت سا سامان' شیشے کی بوتلیں' فلاسک وغیرہ نیچے گرتی گئیں۔ ہر طرح ٹوٹتے کانچ کی آوازیں اور کرچیاں بکھر گئی تھیں۔ ڈاکٹر کا سر پھٹ گیا تھا اور وہ کراہ رہا تھا۔

''یاد داشت آئی ہے واپس تو اب بتاؤ۔'' اسے گدی سے پکڑ کر اٹھایا اور کھڑا کیا۔

''کیا کیا لکھنا بھول گئے تھے اس کی رپورٹ میں؟''

''بتاتا ہوں۔ بتاتا ہوں۔'' وہ جلدی جلدی بولنے لگا۔ چہرے پہ خوف و ہراس تھا' اور ماتھے سے خون کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ ''اس کے جسم پہ تشدد کے نشان تھے۔ بازو ہاتھ اور گردن پہ۔ اور پھیپھڑوں سے ملنے والا fluid کسی جھیل یا.... یا سمندر کا نہیں تھا' اگر ہوتا تو اس میں diatoms....''

''کس کے کہنے پہ بنائی تھی رپورٹ؟ بتاؤ!'' وہ غرایا تو اس کی گرفت میں پھڑ پھڑاتا مخنی سا ڈاکٹر کانپ اٹھا۔ ''ڈاکٹر آفتاب واسطی' ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ!''

آئندہ.... تم کسی کی بھی رپورٹ بنانے کے قابل نہیں رہو گے۔'' اور یہ کہہ کر اس نے اس کے دائیں ہاتھ کو مروڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ عجیب سی آواز آئی اور ڈاکٹر کی چیخیں نکل گئیں۔ فارس نے نفرت سے اسے پرے پھینکا' اور دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر مڑا' اور بڑی میز کو دھکیلتے ہوئے' سامان سمیت اس کے اوپر گرا دیا۔ ایک کرسی کو ٹھوکر ماری اور پھر نفرت سے اسے دیکھتا باہر نکل گیا.....

(تم جیسے لوگ علیشا خود تو ناکام اور تلخ ہوتے ہی ہیں مگر دوسروں کو ہر وقت عقابی آنکھ تلے رکھتے ہیں۔ اصل میں کچھ لوگوں کو بڑا دکھنے کا شوق ہوتا ہے۔ ان کو اپنے دوستوں کے سامنے بڑا لگنے کے لیے دوستوں پہ جا بجا تنقید کی عادت پڑ جاتی ہے۔)

کمرہ عدالت میں سب دلچسپی اور توجہ سے کٹہرے میں کھڑی شہرین کو سن رہے تھے جو ڈھٹائی سے کہہ رہی تھی۔ ''میرے علم میں نوشیرواں کے پاس ایسی کوئی گن نہیں ہے' اور نہ ہی میں نے اسے کبھی گلاک کا یہ ماڈل چلاتے دیکھا ہے۔''

''مگر کیا اس دن آپ میرے اور فارس کے پاس نہیں آئی تھیں یہ کہنے کہ ہم آپ کو کیا دیں گے اگر آپ اس گن کا لائسنس ڈھونڈ دیں ہمیں؟'' زمر سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

''یہ صریح بہتان ہے۔ میں آپ کے گھر کبھی نہیں آئی۔'' اس نے کندھے اچکائے تھے۔

(اور اگر تم جیسوں کا کوئی دوست میرے جیسا ہو جس کا دل ایسا ہی حساس ہو' تو وہ تم نقاد دوستوں کی باتوں کو دل سے لگا کر ڈپریشن میں چلے جاتے ہیں۔ مگر اب وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں بتا دوں کہ تم جیسے لوگ دوستوں کی سب سے بری قسم سے تعلق رکھتے ہو۔)

دفاع کی کرسیوں پہ موجود ہاشم کا موبائل بجا تو اس نے نکال کر دیکھا۔ بلاک نمبر سے پیغام موصول ہوا تھا۔ ''اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم سعدی یوسف کو دہشت گرد ثابت کروانے میں کامیاب ہو جاؤ گے تو یہ ہندسے لکھ کر ٹوئیٹ کر دو۔ میں سمجھ جاؤں گا۔'' ہاشم نے ٹوئیٹر کھولا اور ''پر امید'' کے نیچے وہی ہندسے لکھ کر ٹوئیٹ کر دی۔ پھر مسکرا کے فون جیب میں رکھا' ذرا سا مڑا تو پیچھے گول چشمے والا آدمی اپنا موبائل دیکھ رہا تھا۔

ہاشم مسکرا کے سیدھا ہوا اور نوشیرواں کی طرف جھکا۔ ''تم بے فکر رہو۔ سعدی یوسف کے دوسرے دشمن ہم سے زیادہ اس خاندان کی تباہی کے خواہشمند ہیں۔'' شیر وخاموش رہا تھا۔

(میں اس امت سے تعلق رکھتی ہوں علیشا' جس کے نبی ﷺ نے ایک شخص کو برے حلیے میں دیکھا تو خود کچھ نہیں کہا مگر اس کے جانے کے بعد صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم اس کو کہہ دیتے تو اچھا تھا۔ مگر ساری بات یہ ہے کہ انہوں نے خود کچھ بھی کہنے سے حیا کی۔ ہمارا اللہ ہمیں حیا سکھاتا ہے۔ یہ خود کو صاف گو اور منہ پھٹ کہنے والے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ اچھے دوست نہیں بن سکتے اور اپنی بدکلامی کی وجہ سے آخر میں اکیلے رہ جائیں گے۔)

مورچال گرمی بھری رات میں ڈوبا تھا' اور سرونٹ کوارٹر میں بیٹھا صداقت افسوس سے سامنے بیٹھی حسینہ کو کہہ رہا تھا۔ ''مجھے بڑا ارمان لگا کہ فارس بھائی اس دن ہم پہ شک کر رہے تھے۔ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''اصل میں' میں نے جو بول دیا کہ تم لائے ہو' تو وہ اس لئے شک کرنے لگے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ وہ چونکا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ یہ تمہاری امی جی نے تمہیں تحفے میں دیا ہے۔''

''ایسے ہی بتاتی؟ نظر لگ جاتی ہے۔''

(سچے لوگ بدکلام نہیں ہوتے اور منہ پھٹ اور تلخ کلام لوگ سچے نہیں ہوتے۔ منافقین کہتے تھے' محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ حالانکہ جو بات وہ کہہ رہے تھے وہ تو سچ تھی۔ مگر وہ جھوٹے اس لیے تھے کہ ان کا دل اس کی گواہی نہیں

دیتا تھا۔)

رات مزید گہری ہوئی تو وہ سرونٹ کوارٹر سے نکل کر' سہج سہج چلتی چار دیواری کی پچھلی سمت جانے لگی۔ یہاں کونے میں ایک بڑا سا درخت تھا۔ وہ کسی بلی کی طرح اس پہ چڑھی اور پھر چڑھتی گئی' دیوار تک پہنچی' پھر وہاں سے دوسری طرف پھلانگ گئی۔ سامنے اندھیرے میں وہ شخص کھڑا تھا' اور اس نے سرخ سا مفلر چہرے پہ لپیٹ رکھا تھا۔

''اب اور کیا کرنا ہے مجھے؟ بہت مشکل سے آئی ہوں۔ اگر میرے مالکوں کو معلوم ہو گیا نا تو میری جان لے لیں گے....''

''بس....ایک آخری کام!'' وہ آہستہ سے بولا تھا اور پھر دھیمی آواز میں اس کو کچھ سمجھانے لگا تھا۔

(سچے لوگ وہ ہوتے ہیں جو وہ کہیں جس کی گواہی ان کا دل دے۔ اور آپ کا دل جب آپ کو بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ بات کہنے سے آپ کے دوست کا دل دکھ جائے گا اور آپ پھر بھی اسے کہہ ڈالیں تو آپ نے سچ نہیں کہا۔ آپ نے بدکلامی کی۔)

کمپیوٹر اسکرین روشن تھی اور سعدی اور حنین اس کے سامنے پورے انہماک سے بیٹھے تھے۔ حنہ ساتھ ساتھ ٹائپ بھی کیے جا رہی تھی۔

''مزے کی بات یہ ہے کہ پی ایم ڈی سی نے سارے پاکستان کے ڈاکٹرز کا ڈیٹا اپنی ویب سائٹ پہ ڈال رکھا ہے۔ معمولی سی ہیکنگ اور یہ دیکھیں....'' حنہ مزے سے کہہ رہی تھی۔ ''میرا فیشل ریکوگنیشن سافٹ ویئر اپنا کام چند منٹ میں کر لے گا' اور اگر ڈاکٹر مایا کی شکل کی کوئی لڑکی یہاں ہوئی' تو وہ نکل آئے گی۔''

''ویری گڈ جاب' ہیڈ گرل!'' اس نے حنہ کا شانہ تھپکا تھا۔ وہ مسکرا کر اور سعدی فکرمندی سے اسکرین کو دیکھے گیا۔

(اور علیشا انسان کو ایسا دوست نہیں بننا چاہیے جو اپنے دوست کو صرف اس لیے خط لکھے کہ جب وہ خود جیل میں اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچا ہے تو دوسرے کو بھی کہنے لگے کہ حنین تم بھی کچھ برا ضرور کرو گی۔ یہ دوسروں کے بارے میں فتوے پتہ نہیں تم جیسے دوست کیوں دے لیتے ہیں جن کو اپنے کل کا نہیں پتہ ہوتا۔)

سرخ نشان ابھرا تو حنین اور سعدی' دونوں کے منہ کھل گئے۔ پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ مایوسی سارے میں پھیل گئی تھی۔ ''یعنی مایا پاکستان میں رجسٹرڈ ہی نہیں ہے۔ اسے کسی اور ملک سے بلوایا گیا تھا۔'' وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''یعنی اب ہمارے پاس اور کوئی گواہ نہیں ہے۔ اب بند کر دوان کی ویب سائٹ۔''

''ارے واہ۔ ایسے ہی بند کر دوں؟ تھوڑی سی editing تو کرنے دیں۔'' اس کی آنکھیں چمکیں اور اس نے کی بورڈ سنبھال لیا۔ سعدی حیرت سے دیکھنے لگا۔ وہ پاکستان میڈیکل اینڈ ڈینٹل کاؤنسل کا ''اباؤٹ'' سیکشن ایڈٹ کر رہی تھی۔

''ہم سے ملیے۔ ہم ہیں پاکستان مینٹل اینڈ ڈپریسڈ کمیونٹی۔ ہم نے صرف پرائیوٹ میڈیکل کالجز کو کھلی چھٹی دے کر بچوں کا بیڑہ غرق نہیں کیا' بلکہ ہم نے انٹری ٹیسٹ کے نام پہ دنیا کا سب سے منافع بخش کاروبار بھی شروع کر رکھا ہے۔ آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ انٹری ٹیسٹ کیا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس کو ہم اس لئے ختم نہیں کر رہے کیونکہ ہمارے بہت سے دوست اور رشتہ دار انٹری ٹیسٹ پریپ کی اکیڈمیاں چلا کر ہر سیزن میں اربوں روپے بنا لیتے ہیں۔ ورنہ باقی اس کا صرف ایک مقصد ہے۔ اٹھارہ انیس سال کے بچوں کے ذہن کو مفلوج کرنا۔ ان کو خوفزدہ کرنا۔ میٹرک سے ان کے ذہن پہ سوار کر دینا کہ انہوں نے تعلیم نہیں حاصل کرنی بلکہ ایک ہزار سے اوپر نمبر لینے ہیں۔ اور وہ بچے اپنے سینئرز کو ان کے ناموں سے نہیں ''998 نمبر والا'' اور ''1021'' نمبر والی جیسے القابات سے یاد کرتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے پاس سیٹیں تھوڑی ہوتی ہیں' اور ہم ہزاروں بچوں کو کامیاب نہیں کر پاتے' تو ہمیں فخر ہے کہ جس کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہ ہو' اس کو معاشرہ ''نالائق'' سمجھتا ہے۔ وہ بچہ کسی بھی فیلڈ میں چلا جائے' وہ اس احساسِ کمتری اور ڈپریشن میں رہتا ہے کہ اس کا میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں ہوا اور

ان ہزاروں ناکام بچوں کو ہماری کوشش ہے کہ کبھی یہ نہ پتہ چلنے دیا جائے کہ انٹری ٹیسٹ پاس یا فیل کرنا اہم نہیں ہے۔اس کی تیاری کرنا اور اس کو دے ڈالنا' یہی سب سے بڑی جدوجہد ہے جسے اگر آپ نے کرلیا ہے' تو بھلے آپ کا میڈیکل میں ایڈمشن نہ ہو' آپ دنیا کی ہر اچھی فیلڈ میں کامیابی کے جھنڈے گاڑھ سکتے ہیں اگر آپ خود پہ اعتماد رکھیں۔آپ نالائق نہیں تھے۔یہ آپ کی حکومت کا ناانصافی پہ مبنی نظام تھا۔''

''بس کردو حنہ۔سائبر کرائم میں پکڑی جاؤ گی۔'' وہ اس کو باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ایویں!''

(علیشا تمہارے اس ایک خط نے مجھے ذہنی طور پہ بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔دوستوں کو تم جیسا نہیں ہونا چاہیے۔دوستوں کو دوستوں کی خامیاں نرمی اور پیار سے بتانی چاہئیں۔اور خامی سے زیادہ ان کا حل بتانا چاہیے۔''تم پہ سیاہ رنگ بالکل سوٹ نہیں کر رہا'' کی بجائے''تم پہ سیاہ سے زیادہ سبز سوٹ کرتا ہے۔'' کہہ دینا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔)

''پلیز گولی مت چلانا۔میری بات سنو' میں تمہیں سب سچ سچ بتا دوں گا۔'' وہ نیم اندھیر کمرہ تھا اور اوپر بلب جھول رہا تھا۔نیچے ایک میز رکھی تھی جس کے سامنے کرسی پہ بندھا ہوا ڈاکٹر آفتاب پسینہ پسینہ ہوئے کہہ رہا تھا۔اس کے ہاتھ پیچھے کو ہتھکڑی سے بندھے' اور گریبان کے دو بٹن کھلے تھے' کہنی سے شرٹ پھٹی تھی اور جلد چھلی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔بال بکھرے تھے اور چہرے پہ خوف تھا۔

آستین چڑھائے کھڑے فارس نے پستول میز پہ رکھا' اور اس کے سامنے جا ٹھہرا۔تیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے' ایک جوتا اس کے گھٹنے پہ رکھا اور دبایا۔گھٹنے پہ شاید کوئی زخم تھا' جس سے خون رسنے لگا اور وہ کراہنے لگا۔

''رکو۔پلیز میری بات سنو۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''میرے بھائی کی رپورٹ تم نے بنائی تھی نا۔وہ اینٹی ڈپریسنٹ کھاتا تھا' یہ بھی لکھا تھا تم نے۔اس کے جسم پہ تشدد کے نشان نہیں تھے' میرے جری بھائی نے خودکشی کی تھی' یہ سب لکھا تھا نا تم نے۔آبدار کی رپورٹ بھی تم نے بنوائی ہے نا۔''

''میں نے ہاشم کے کہنے پہ....'' وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ایک ہی سانس میں سب کہتا گیا۔

''اور کس چیز سے جواہرات نے تمہیں مجبور کیا کہ تم اس کے شوہر کی رپورٹ بدلنے پہ مجبور ہو گئے؟'' ڈاکٹر آفتاب چپ ہو گیا تو اس نے پستول اٹھایا اور اس کے دوسرے گھٹنے کی طرف تان لیا۔اس کا چہرہ اتنا سرد تھا' اور اتنی تپش لئے ہوئے تھا کہ ڈاکٹر کا سانس اٹکنے لگا۔

''میں بتاتا ہوں۔طوبیٰ....میری بیوی کی بیٹی تھی۔میری بیوی اور اس کا بیٹا....طوبیٰ کا بھائی....نہیں جانتے کہ طوبیٰ نے میری وجہ سے خودکشی کی تھی۔میں نے....'' وہ جلدی جلدی بتاتا گیا۔اس عمر میں وہ ہڈیوں میں لگنے والی گولی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔وہ چپ ہوا تو فارس نے جوتا اٹھا لیا۔

''میں چاہتا تھا تمہارے بازو کی اس نس میں چھرا گھونپ دوں جو تمہاری انگلیوں کو سن کر دے گی' اور تم کبھی دوبارہ سرجری نہیں کر سکو گے' مگر نہیں۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے گریبان پہ اٹکا پین اتارا' اس کی کیپ کو پریس کیا اور اسے دکھایا۔''میں نے تمہاری طوبیٰ والی کہانی ریکارڈ کر لی ہے' اور میں اسے تمہاری بیوی اور اس کے بیٹے کو دے دوں گا۔وہ دونوں خود فیصلہ کریں گے کہ انہیں تمہارے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔''

''نہیں....'' اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔''ایسے مت کرو۔''

''یہ رہی تمہاری ہتھکڑی کی چابی۔'' اس نے چابی اس کی طرف بڑھائی اور جب اس نے امید سے دیکھا تو فارس نے چابی اس کے قدموں میں گرا دی۔

''جب تک تم اپنی ہتھکڑی کھول کر آزاد ہو پاؤ گے' وہ یہ ویڈیو دیکھ چکے ہوں گے۔'' اور ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر بولا۔''الوداع۔'' بازو بڑھا کر لیمپ کھینچا۔بلب بجھ گیا۔اب اس کے دور جاتے قدم سنائی دے رہے تھے.....

(جو دوست اپنی بات کا آغاز ''سوری مجھے کہتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا مگر ایسا ہے کہ.....'' یا ''دیکھو برا تو نہیں مانو گی ایک بات کہوں'' کی طرح کے فقروں سے کرتے ہیں' وہی سب سے برے دوست ہوتے ہیں۔ ایسی بات کہی ہی کیوں جائے جس سے دوست برا مانے؟ بلکہ کیوں نہ بری لگنے والی باتیں بھی اچھے انداز میں کی جائیں؟ اللہ کے رسول ﷺ تو کسی کو کچھ کہنے سے پہلے ''برا تو نہیں مانو گے؟'' نہیں پوچھا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ دوسرے کی مدد کرنا چاہتے تھے' اسے شرمندہ کرنا نہیں۔ وہ ایسی بات کہتے ہی نہیں تھے جس سے کوئی برا فیل کرے بلکہ اسے حل بتاتے تھے۔)

''گواہوں کے بیانات اور شواہد سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے یور آنر کہ.....'' زمر چبوترے کے سامنے کھڑی' دونوں ہاتھوں میں قلم کو گھماتی بلند آواز میں کہہ رہی تھی۔ ''کہ ملزم نوشیرواں کاردار نے میرے موکل سے ذاتی عناد کے باعث پہلے اس کا پیچھا کیا' پھر اس کو تنہا پا کر اسے گولیاں ماریں۔ پھر بھی اس کی جان نہیں گئی تو اسے ہسپتال سے اغوا کرا لیا۔ اور ملک سے باہر بھیج دیا۔ ملزم کے اثر و رسوخ کو دیکھ کر یہ یقین کرنا قطعاً مشکل نہیں ہے کہ یہ سب اس کے لئے بہت آسان تھا۔ میرے موکل کو قید میں نو ماہ شدید اذیتیں دی گئیں اور اب تک ذہنی تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ نہ صرف ملزم کو مجرم قرار دیا جانا چاہیے بلکہ اس کو سزائے موت بھی سنائی جائے۔'' اور ذرا ٹھہر کر وہ سرد آواز میں بولی۔

''Prosecution pleads for death penalty''

(اور دوستوں کو میری طرح بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اسکول کالج میں کوئی دوست' یا انٹرنیٹ پہ کوئی فرینڈ بات بات پہ صاف گوئی کی آڑ میں ہمیں طنز کا نشانہ بناتا ہو' اور ہم اس کی باتیں سن کر دکھی پہ دکھی ہوتے چلے جائیں' یہ بھی درست نہیں۔)

اسکول کے آڈیٹوریم میں عجیب ہنگامہ سا مچا تھا۔ جہاں چند منٹ پہلے بچے اسٹیج پہ پرفارم کر رہے تھے' وہاں اب وہ سہم کر ایک طرف کھڑے تھے' اور انہی میں چپ چاپ سر جھکائے کھڑی سونی بھی تھی۔ پروجیکٹر اسکرین پہ ایک ویڈیو چل رہی تھی جس میں شہرین کارڈز کھیلتی اور پیسے ہارتی نظر آ رہی تھی۔ ڈی جے پاگلوں کی طرح کیز دبا رہا تھا' کسی طرح اس ویڈیو کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ اسٹاپ نہیں ہو رہی تھی۔ انتظامیہ ندامت سے ادھر ادھر بھاگ رہی تھی اور حاضرین میں کھڑی شہرین کا چہرہ مارے خفت کے سرخ پڑ رہا تھا۔ والدین مڑ مڑ کر اسے دیکھ رہے تھے' چہ مگوئیاں کر رہے تھے' اور ساتھ کھڑی جواہرات تلخی سے بڑبڑا رہی تھی۔ ''آج کے بعد تم سونی کے دو فٹ قریب بھی نہیں آؤ گی۔ ایک لفظ مت بولنا۔ تم قابلِ حقارت عورت ہو۔ اس قابل نہیں ہو کہ اس بچی کی پرورش کر سکو۔ ابھی اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ سونی کو گھر میں لے جاؤں گی۔'' اور شہری نے کانپتے ہاتھوں سے اپنا پرس اٹھایا تھا۔

(میں نے جان لیا ہے علیشا کہ انسان کو رشتے دار چننے کا اختیار بھلے نہ ہو مگر دوست چننے کا ضرور ہوتا ہے۔ اور ایسے دوستوں سے انسان کو خود ہی دور ہو جانا چاہیے جو بات بہ بات آپ کو اپنی تلخی کا نشانہ بناتے ہوں۔)

''میں اس کی گارجین اینجل ہوں' پتہ ہے آپ کو مادام شہرین!'' شہری خفت سے چہرہ جھکائے' پرس ماتھے پہ رکھے تیز تیز باہر چلتی جا رہی تھی جب آڈیٹوریم کے باہر سے کسی نے اسے پکارا۔ وہ ٹھٹک کر مڑی۔ حنین کو دیکھا تو بے اختیار پرس والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ آنکھوں میں اچنبھا' اور پھر بے یقینی در آئی۔ ''تم نے کیا ہے یہ؟''

''میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ ہر بری گھڑی میں' میں فارس غازی کے ساتھ کیوں ہوتی ہوں؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے' اپنا ٹیبلیٹ ایک ہاتھ میں پکڑے سادگی سے کہہ رہی تھی۔ ''جب وارث ماموں کو مارا گیا تب میں ان کے ساتھ تھی۔ جب زرتاشہ کو گولی لگی' تو وہ میرے ساتھ ہوٹل میں تھے۔ جس قمر الدین کے قتل کا الزام لگا ان پہ' اس کے قتل کے وقت اس صبح بھی وہ میرے ساتھ تھے۔ پھر اس رات جب تم نے اور تمہارے سائیکو شوہر نے زمر کو مارنا چاہا' تب بھی میں فارس غازی کے ساتھ تھی۔ پتہ ہے کیوں؟'' وہ دو قدم قریب آئی۔ اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیونکہ میں فارس غازی کی گارجین اینجل ہوں۔ اور میرا کام ہے ان کے راستے کی چھوٹی موٹی جڑی بوٹیوں کو صاف کرنا۔'' اور وہ

آگے بڑھ گئی۔شہری مارے غصے کے پیر پٹخ کر رہ گئی مگر اس کے پیچھے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ وہیں سے سارے والدین نکل کر آ رہے تھے۔

(اور علیشا میں نے یہ بھی جان لیا ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو تبدیل نہیں کر سکتے' صرف ان کو بدل سکتے ہیں۔ہم ان کا رویہ اور ان کی عادات نہیں تبدیل کروا سکتے ان سے' اس لیے دوست بدل لینا زیادہ بہتر ہے ہر وقت کی دل آزاری سے۔)

''یور آنرز مسز زمر کے افسانوں کے برعکس.....'' ہاشم اب چبوترے کے سامنے دائیں سے بائیں چلتا' ہاتھ ہلا ہلا کر متانت سے کہہ رہا تھا۔''اس کیس میں فی الحال تک صرف یہی بات ثابت ہو پائی ہے کہ سعدی یوسف کو کسی نے اغوا نہیں کیا تھا۔وہ واقعی زخمی ہوا تھا' اور یہ اس کے ساتھ زیادتی تھی' ہم بھی چاہتے ہیں کہ اس کے مجرم نیاز بیگ کو' جو جرم قبول کر چکا ہے واقعی سزا ملنی چاہیے۔مگر انتہائی افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس gold-digger لڑکے نے اپنی زخمی حالت کا ناجائز فائدہ اٹھایا' اور شوال میں مقیم اپنے دہشت گرد سہولت کاروں سے کہلوا کر خود کو خود غائب کروایا۔ہرگواہ چیخ چیخ کر بتا چکا ہے کہ سعدی یوسف کی سرگرمیاں مشکوک تھیں اور وہ شر پسند عناصر کے ساتھ میل جول رکھتا تھا۔اب چونکہ وہ واپس آ چکا ہے' تو اپنے اتنے مہینوں کی گمشدگی کو کوراَپ کرنے کے لئے اس نے ایک امیر خاندان کو نشانہ بنایا۔تاکہ کیس کے دوران وہ خاندان سیٹل منٹ کے نام پہ اس کو بھاری رقم ادا کر دے اور تیسرے فریقین کے ذریعے بارہا اس نے کیس سیٹل کرنے' اور پیسے لینے کا عندیہ بھی ظاہر کیا' مگر ہم نے ٹھان لی تھی کہ پیسے نہیں دیں گے' بلکہ انصاف لیں گے اور.....'' اس کی آواز عدالت میں گونج رہی تھی اور سب خاموشی سے سن رہے تھے۔

(میں یہ نہیں کہتی کہ دوستوں کو ان کی خامیوں سے آگاہ ہی نہ کیا جائے بلکہ ان کی ہر وقت جھوٹی تعریفیں کی جائیں۔میں صرف یہ کہتی ہوں علیشا کہ اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ سچا کوئی نہیں تھا مگر جب وہ سچ بول کر بھی اپنے ساتھیوں کا دل نہیں دکھاتے تھے تو ہمارے سچ ہمارے دوستوں کو آزردہ کیوں کر دیتے ہیں؟ ہم سچ بولنے سے پہلے ''برا نہ ماننا'' کہہ کر کیوں اقرار کرتے ہیں کہ بات برا ماننے والی ہی ہے؟)

قصرِ کاردار کی عقبی بالکونی میں ہاشم کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔سامنے' دور پہاڑوں پہ سورج غروب ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' شرٹ کے آستین موڑے' مغموم سے انداز میں اس نارنجی تھال کو دیکھ رہا تھا جو بس کسی پل لگتا تھا زمین پہ الٹ جائے گا' مگر بادل اس کو سنبھالے ہوئے تھے۔سہارا دیے ہوئے تھے۔

''تم نے شہری کو بے دخل کر کے اچھا کیا۔اس کی وجہ سے سونی کی بہت انسلٹ ہوئی۔سونیا تب سے ڈپریشن میں ہے۔'' ساتھ بیٹھی جواہرات کہہ رہی تھی۔

''ہوں۔'' ان نے ہنکارا بھرا۔نظریں ڈوبتے سورج پہ جمی تھیں۔''سونی کو اس کی ماں کے غلط کاموں کی وجہ سے پریشان نہیں کرنا چاہتا میں۔ایسی ماں کے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہیے جو اولاد کی پرواہ کیے بغیر اتنے غلط کام کرتی رہی ہو۔''

جواہرات کا دل زور سے دھڑکا مگر بظاہر مسکرائے گئی۔''صحیح کیا۔ہر ماں تمہاری ماں جیسی نہیں ہوتی جو اولاد کے لئے ہر شے قربان کر دے۔''

ہاشم نے نظریں پھیر کر اجنبی سے انداز میں اسے دیکھا۔''ہمارے لئے کیا آپ کو کچھ بہت مشکل کام بھی کرنے پڑے تھے؟'' اور وہ جان گئی کہ وہ جان گیا ہے۔آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بہت مشکل کام ہاشم۔بہت ہولناک کام۔'' ہاشم اسے دیکھتا رہا۔گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی صاف دکھائی دی۔

''اور ایسے کام کرتے وقت کیا کوئی دوسرا راستہ نہ تھا آپ کے پاس تب شاید.....آپ وہ نہ کرتیں؟''

''دوسرے راستوں میں میرے بیٹوں کی تباہی تھی۔میں نے بیٹوں کو چنا۔'' اس کی آنکھ سے آنسو ٹپ سے گرا تھا۔دونوں ایک دوسرے پہ نظریں جمائے ہوئے تھے۔سانس بندھے تھے۔ایک دوسرے کو کھوجنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''اور کیا آپ نے سوچا کہ آپ کے کسی ایسے قدم سے.....ہولناک قدم سے.....آپ کے بیٹوں کو کتنی تکلیف ہو سکتی ہے؟''

''تکلیف کا علم تھا' مگر تباہی سے بچانے کے لئے ذرا سی تکلیف دینا بہتر تھا۔''

(میں چاہتی ہوں کہ ہم دوسروں سے ایسی دوستی کریں کہ ہمارے دوستوں کو ہمارے منہ کھلتے دیکھ کر ڈر نہ لگا کرے کہ ابھی ان کی زبان سے کچھ ایسا کہا جائے گا جس پہ میرا دل برا ہو جائے گا۔ عجیب بات ہے مگر ان صاف گو منہ پھٹ دوستوں کے اپنے بارے میں جب کچھ کہا جائے تو آگ بگولہ ہو کر زمین آسمان ایک یہی کرتے ہیں۔)

''ذرا سی.....تکلیف؟'' اس کا دل جیسے کٹ کر رہ گیا۔ وہ بس دکھی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ ''ہو سکتا ہے کہ آپ کی اولاد کا دل اس ذرا سی تکلیف سے باہر اب تک نہ نکلا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے بیٹے کے ہر تلخ فیصلے کے پیچھے آج بھی اسی تکلیف کا ٹراما بسا ہو۔ پتہ نہیں اگر یہ ''تکلیف'' ایسی ہے تو ''تباہی'' کیسی ہو گی؟'' پھر سر جھٹکا اور سامنے نظر آتے سورج کو دیکھنے لگا۔

''ٹرائل کا فیصلہ آ جائے' پھر میں اور سونیا یہاں سے شفٹ کر جائیں گے۔ میں نے آفس کے قریب ایک گھر لیا ہے۔ جب تک ہمارا نیا گھر تعمیر نہیں ہوتا' ہم وہیں رہیں گے۔''

جواہرات کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ ''میں.....تمہارا گھر دیکھنے آ سکتی ہوں؟''

''نہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھ گیا اور اندر چلا گیا۔ وہ دل مسوس کر بیٹھی رہ گئی۔

اندر ہاشم کی اسٹڈی ٹیبل پہ دو کاغذات پڑے تھے۔ ایک اورنگزیب کی پوسٹ مارٹم رپورٹ جس میں موت کا وقت لکھا تھا۔ ایک اندازہ کہ اتنے سے اتنے بجے کے درمیان موت واقع ہوئی ہے اور دوسرا.....اس نے وہ کاغذ اٹھا کر دیکھا۔ وہ ایک ای میل تھی۔ جب اس رات جواہرات کمرے سے باہر آئی تھی' تو اس نے ہاشم سے کہا تھا کہ اس کا جی میل کام نہیں کر رہا' تب ہاشم نے جواہرات کے فون سے اپنے فون پہ ''یہ ہاشم ہے مام کے فون سے'' لکھ کر ای میل بھیجی تھی۔ اس کے کوئی آدھے گھنٹے بعد انہوں نے اورنگزیب کو مردہ پایا تھا۔ اس ای میل کا وقت پوسٹ مارٹم میں لکھے موت کے وقت سے اوپر تھا۔ (جواہرات اورنگزیب کو قتل کر کے' خود کو سنبھال کر' کمپوز ڈ کر کے' میک اپ کر کے باہر نکلی تھی۔ اس سب میں وقت لگا تھا۔) اس ٹائم اسٹیمپ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اورنگزیب کی موت اس وقت ہوئی' جب وہ کمرے میں تھی۔ ہاشم نے کرب سے آنکھیں موند لیں اور اس کاغذ کو مٹھی میں مروڑ دیا۔

(میں چاہتی ہوں علیشا کہ ہم انسان اپنے خود ساختہ سچائی کے ملمع کو چہرے سے نوچ پھینکے اور جان لیں کہ بدگوئی اور حق گوئی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ حق اور سچ میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔ حق کہتے ہیں سچی بات کو درست موقعے اور درست جگہ پہ درست انداز میں کرنا۔ اسی لیے ظالم حکمران کے سامنے کلمہ سچ نہیں' کلمہ حق لگایا جانا جہاد ہے۔ یہ نہیں کہ اس کے محل کے سامنے جا کر دہائیاں دینے لگ جاؤ بلکہ اس کے دربار میں کھڑے ہو کر اچھے انداز میں دلیل کے ساتھ اپنی بات پیش کرو اور اسے اس کے ظلم کا احساس دلاؤ۔)

فرش پہ ایک لکڑی کے پھٹے کے اوپر شاہ فرمان چت لیٹا تھا۔ اس کا جسم ڈکٹ ٹیپ سے بندھا نظر آ رہا تھا۔ سامنے ڈرل چار جنگ پہ لگی تھی اور وہ بار بار ضبط کرتا فارس کو دیکھ رہا تھا جو اب کرسی ڈالے اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔

''تم دن میں ہوٹل سیکیورٹی دیکھتے ہو اور رات میں فری لانس کنٹریکٹر کے طور پہ کام کرتے ہو۔ بڑے بڑے لوگوں کے برے برے کام کر کے دیتے ہو۔ میری بیوی کو لفٹ میں ڈبونے کے کتنے پیسے دیے تھے کاردارز نے؟''

''پیسے کام کے.....بعد ملنے تھے۔''

''جیسے مجھے تو علم ہی نہیں کہ سارے کنٹریکٹرز آدھے پیسے پہلے لیتے ہیں۔''

''تم وہ پیسے لے لو۔ مجھے جانے دو۔'' وہ کرسی سے اٹھا اور بوٹ سے اس کے منہ پہ ٹھوکر ماری۔

''مجھے تمہارے پیسے نہیں چاہیے ہیں۔'' اس کے دانت پہ لگی تھی۔ بھل بھل خون بہنے لگا۔ ''میرا دل چاہتا ہے اس رات کی اذیت کے بدلے.... میں تمہارے جسم میں اس ڈرل سے اتنے سوراخ کروں کہ....'' مارے ضبط کے اس نے زور سے آنکھیں میچیں۔ پھر گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔ ''مجھے بتاؤ' میں کیوں نہ کروں تمہارے ساتھ یہ سلوک؟''

''تم.... تم میرے کلائنٹس کی لسٹ لے سکتے ہو۔ میں نے ان کے جو بھی کام کیے ہیں' تم وہ دیکھ سکتے ہو۔'' وہ تیز تیز ہانپنے لگا تھا۔

فارس واپس کرسی پہ بیٹھا اور ڈرل مشین اٹھالی۔ ہوا میں بلند کر کے ٹریگر دبایا۔ زوں کی آواز سے وہ چلنے لگی۔ اس نے الٹ پلٹ کر اس کا جائزہ لیا۔ پھر اسے بند کر کے دیکھا۔ ''اور تم نے ''رسیدیں'' سنبھال کر رکھی ہیں تاکہ بوقتِ ضرورت اپنے کلائنٹس کو بلیک میل کر سکو؟

واہ۔'' وہ تلخی سے ہنسا تھا۔

''ہر کوئی ڈاکومنٹس سنبھال کر رکھتا ہے۔ اگر کبھی پکڑے جاؤ تو سیاستدان بچانے آجاتے ہیں۔''

''مجھے تمہارے سیاستدانوں میں دلچسپی نہیں ہے۔ ہاشم کاردار کے بارے میں بتاؤ۔'' اس نے ڈرل مشین سامنے رکھ دی۔ شاہ فرمان کی نظریں ڈرل پہ جمی تھیں۔

''اس کی ماں کا..... ایک کام کیا تھا میں نے۔'' وہ تیزی سے بول اٹھا۔ فارس رک گیا۔ پھر سیدھا ہوا۔ آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ ''اچھا.... کیسا کام؟ کسی کا قتل؟ اغوا؟''

''نہیں..... چھوٹا سا کام تھا۔ ڈاکومنٹس forgery۔'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

(اس لیے جاتے جاتے میں تمہیں ایک نصیحت کروں گی کہ تلخ لوگوں کو دوسروں پہ نصیحت کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ میں آج خود کو اس خط کی قید سے آزاد کرتی ہوں۔ ہر شخص میں ہوتے ہیں دو بھیڑیے اور بدی کا بھیڑیا کبھی غالب آ بھی جائے اور بھلے انسان کا ماضی کتنا ہی داغدار کیوں نہ ہو جائے' مگر دوست وہ ہوتا ہے جو اپنے دوست کو یہ بتائے کہ تمہارا مستقبل اب بھی کورا ہے۔ بلینک۔ اس کو تم اب بھی پاکیزہ روشنائی سے لکھ سکتی ہو۔ کاش تم نے مجھے اس وقت یہ بتایا ہوتا۔)

اس رات فوڈ لی ایور آفٹر کا اوپری ہال تاریک تھا اور اس میں صرف ٹیبل لیمپ کی روشنی جلتی دکھائی دے رہی تھی۔ فارس میز پہ چند کاغذ پھیلائے پرسوچ' الجھی ہوئی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔ بار بار کوئی تعلق بنانے کی کوشش کرتا۔ بار بار وہ ٹوٹ جاتا۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

گھڑی کی سوئیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ اب کرسی پہ بیٹھا تھا اور سر ہاتھوں میں گرائے سوچ رہا تھا۔

گھڑی اب رات کے تین بجا رہی تھی۔ وہ کاغذات دیوار پہ چسپاں کیے' ان کے سامنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں قلم تھا اور مختلف نقطوں پہ نشان لگاتا پھر نفی میں سر ہلاتا۔

باہر صبح طلوع ہو چکی تھی۔

(اور میں چاہتی ہوں کہ تم جیسے دوست اپنے دوستوں کی نام نہاد بہتری اور بھلائی سوچنے کے بجائے اپنے آپ پہ توجہ دینے لگیں تو زیادہ اچھا ہو۔ میں حنین یوسف' یہ عہد کر چکی ہوں کہ اب میں کبھی اپنے دوستوں کے رویوں کو خود پہ طاری نہیں ہونے دوں گی اور ان کی وجہ سے اپنے آپ کو برا نہیں سمجھوں گی۔ میں اپنا ہیرو خود ہوں۔

حنین۔)

❖❖❖

انہیں کی شہ سے انہیں مات کرتا رہتا ہوں ..... ستم گروں کی مدارات کرتا رہتا ہوں

مورچال میں آج ٹی وی کا شور نہیں تھا۔ حنین اور ندرت کا بالآخر اس بات پہ اتفاق ہو گیا تھا کہ کچھ عرصے کے لئے ٹی وی کو پیک کر کے رکھ دیا جائے' اور اسامہ سخت ناخوش تھا۔ فیصلہ بھی اسی کی پڑھائی کی وجہ سے کیا گیا تھا۔ اس کا ٹیب بھی حکومت نے ضبط کر لیا تھا۔

مگر جب سے ٹی وی خاموش ہوا تھا' اس سبز بیلوں سے ڈھکے بنگلے میں کوئی انوکھا سا سکون در آیا تھا۔ سب کے پاس وقت ہی وقت تھا۔ ذہن توانا تھے۔ آنکھیں تکان زدہ نہیں تھیں۔ سب لاؤنج میں بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور صد شکر کہ موبائلز پہ نہیں لگے تھے۔

''اس شیطان کے ڈبے کو واقعی کچھ عرصے کے لئے پیک کر دینا چاہیے۔'' ابا بڑے ہی خوش تھے' بار بار اظہار کرتے۔ ''عجیب ڈپریشن پھیلا کر رکھتا ہے گھر میں۔ اور اب دیکھو' وقت میں برکت سی محسوس ہونے لگی ہے۔''

''بالکل۔'' اسامہ برے دل سے بڑبڑایا تھا۔ ابا نے نہیں سنا۔ وہ کچھ اور سوچنے لگے تھے' پھر زمر کو دیکھا۔ ''فارس کہاں ہے؟''

''پتہ نہیں۔ میں نے تو کل سے اسے نہیں دیکھا۔ فون کیا تھا۔ کہہ رہا تھا کچھ کام کر رہا ہے۔'' اس نے رسان سے بتایا۔

''زمر.... وہ ٹھیک تو ہے؟'' ندرت نے اس کے پاس بیٹھتے پوچھ لیا۔ وہ چپ ہو گئی۔

''لگ تو ٹھیک رہا تھا۔'' اندر سے کچھ اس کو بھی کھٹکتا تھا۔

''مگر مجھے وہ ایسا لگا جیسا جیل سے آنے کے بعد لگتا تھا۔ اور سعدی کی گمشدگی کے دنوں میں۔ اسی طرح خاموش' عجیب سا۔'' وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں۔

''کچھ معاملات ہمیں اتنے پریشان کرتے رہتے ہیں بھابھی کہ کوئی دوسرا کام ہو ہی نہیں پاتا۔ یا تو انسان ان کی وجہ سے گھل گھل کر ختم ہو جائے یا پھر اللہ تعالیٰ سے کہے' کہ یہ پریشانی میں نے آپ کے حوالے کر دی۔ جب تک میں آپ کے دوسرے بندوں کی مدد کر لوں اور لوگوں کے لئے اچھے کام کر لوں' تب تک آپ اس مسئلے کو خود سلجھا دیجئے گا۔'' وہ اندرونی خلفشار پہ قابو پا کر متانت سے بولی تھی۔ سب خاموش ہو گئے۔ گھر میں ویسے ہی بہت خاموشی محسوس ہونے لگی تھی۔

چند میل دور..... آفس بلڈنگ کے بالائی فلور پہ ہاشم اپنے آفس میں بیٹھا' کام میں مصروف تھا۔ جب انٹر کام بجا۔ اس نے کان سے لگایا۔ چہرے پہ چونکنے کے آثار نظر آئے۔

''فارس آیا ہے؟'' ذرا ٹھہرا۔ ''ٹھیک ہے اندر بھیجو۔'' اور عینک اتار کر رکھی' اور ٹیک لگا لی۔ ٹائی ڈھیلی کیے' آستین موڑے' آنکھوں میں سپاٹ پن لئے' وہ منتظر سا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

دروازہ کھلا اور چوکھٹ میں فارس نظر آیا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے' وہ سرسری نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ ہاشم کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آ ٹھہری۔

''کیسے آنا ہوا' کزن؟''

فارس قدم قدم چلتا' گردن موڑ موڑ کر دیکھتا آگے آیا اور میز کے قریب آ ٹھہرا۔ پھر ہاشم کو دیکھا۔ ''بے فکر رہو' تمہاری سکیورٹی مجھے چیک کر

چکی ہے۔ کوئی خفیہ کیمرہ' وائر یا ہتھیار نہیں ہے میرے پاس۔'' ذرا رکا اور مسکرایا۔ ''میں آج تمہیں اپنی زبان سے مارنے آیا ہوں۔'' ہاشم کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

''بیٹھو نا۔'' مگر فارس گردن موڑ کر ایکویریم کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا اسی میں مارا تھا تم نے آبدار کو؟'' سرد سی ہوا کا جیسے تھپیڑا سا کمرے میں آ کر ساکن ہو گیا تھا۔ ہاشم نے بھی رخ موڑ کر آب

زیدان کو دیکھا۔

''اس دن اس کی ساری مچھلیاں بھی مر گئیں۔ میں نئی مچھلیاں لایا بھی نہیں۔ شاید اس کا کانچ تک زہریلا ہو چکا ہے۔'' فارس کرسی کھینچ کر بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا لئے۔ پھر افسوس سے ہاشم کو دیکھا۔ ''تمہیں ترس نہیں آیا اس پر؟''

ہاشم نے شانے اچکائے۔ ''وہ خود چاہتی تھی کہ میں اسے ماردوں۔ میں نے صرف اس کی خواہش پوری کی۔ مگر اسے اس سب میں تم نے دھکیلا تھا۔ تم مجھ سے زیادہ قصوروار ہو۔''

''ویسے اس سے فرق نہیں پڑتا مگر میرے اور اس کے درمیان کچھ بھی نہیں تھا۔''

''بعد میں سب یہی کہتے ہیں۔''

''واٹ ایور!'' فارس نے ناک سے مکھی اڑائی۔ چند لمحے کی خاموشی دونوں کے بیچ حائل ہوگئی۔

''خیر..... تم ابھی سے کیوں آئے ہو؟ حالانکہ ابھی تو تم لوگوں کو عدالتی فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے۔ ویسے بھی میں نے ابھی اپنا آخری پتہ کھیلا نہیں ہے۔''

''تم پتے کھیل رہے تھے؟ میں تو شطرنج کھیل رہا تھا۔''

''مگر میں نے تو سنا ہے' آج کل آگے پیچھے لوگوں کو ٹارچر کرتے پھر رہے ہو۔ کیوں میرا غصہ ان غریبوں پہ نکال رہے ہو؟'' وہ دونوں بنا سانس لئے بات پہ بات پھینک رہے تھے۔

''غصہ تو بہت تھا مجھے' اور چند دن نکالتا بھی رہا۔ مگر اب..... ٹھنڈا ہو گیا ہوں' ویسے بھی اصل انتقام ٹھنڈا کر کے کھانے کا نام ہے۔''

''ہوں۔ سو کیوں آئے ہو؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''تمہیں کچھ خاص بتانے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرا کے بولا۔ ''میں جانتا ہوں تمہارے باپ کو کس نے قتل کیا ہے۔''

ہاشم ایک دم زور سے ہنس دیا۔ ''یہ تم اور سعدی میرے باپ کے قتل کے گرد سیاست کرنا کب چھوڑو گے؟''

''ہاشم میں واقعی تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارے باپ کا اصل قاتل کون ہے۔'' وہ اب سنجیدہ ہوا۔

''تم نے دیر کر دی۔ سعدی یہ کارڈ بہت پہلے کھیل چکا ہے اور اس کی وجہ سے میں نے خاور کو.....''

''خاور نے نہیں مارا تمہارے باپ کو۔''

''یہ بھی جانتا ہوں۔ اور تم نے مجھے مایوس کیا ہے۔ کیونکہ میں جان گیا ہوں کہ میرے باپ کو میری ماں نے مارا ہے' صاحبزادی صاحبہ نے بتا دیا تھا مجھے۔'' تلخی سے اسے دیکھتے وہ چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔ ''مگر تم لوگ زیادہ خوش نہ ہو۔ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے اور میں نے موو آن کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''ہاشم!'' اس نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو جھکا۔ ہمدردی سے اسے دیکھا۔ ''تمہاری ماں نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔''

کمرے میں ایک دم بھیانک سا سناٹا چھا گیا۔ ہاشم کا سانس تھما۔

''سعدی' صاحبزادی صاحبہ' احمر' سب غلط تھے۔ جواہرات نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔''

''اوہ پلیز!'' اس نے اکتا کر ہاتھ اٹھایا۔ آنکھوں میں بے پناہ بے زاری تھی۔ ''اب کس تیسرے فریق پہ الزام ڈالنے آئے ہو؟ میرے پاس تمہاری کہانیوں کے لئے وقت نہیں ہے۔''

''مجھے تم پہ ترس آ رہا ہے مگر تم واقعی بے خبر ہو۔ میں تمہاری بے خبری دور کرنا چاہتا ہوں۔ آگہی عذاب ہے' اور میں چاہتا ہوں تم یہ

عذاب چکھو۔''

''اچھا!'' اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''پھر بتاؤ' اب کی دفعہ کس نے مارا ہے میرے باپ کو۔'' فارس چند لمحے اس کی آنکھوں میں ترحم سے دیکھتا رہا پھر لب کھولے۔

''تم نے خود!''

ہاشم پل بھر کو الجھا' پھر ستائش سے ابرو اٹھائے۔ ''واؤ۔ اس سے اچھا طریقہ نہیں ملا تمہیں کسی کو ڈسٹرب کرنے کا؟'' پھر افسوس سے سر جھٹکا۔ ''واقعی فارس۔ میرے جیسے آدمی کو تم اب آ کر یہ کہو گے کہ محاورتاً میری کسی حرکت کا دکھ لے کر میرا باپ مرا' یہ وہ..... تاکہ میں ڈپریشن میں چلا جاؤں' اور خود کو اپنے باپ کی موت کا ذمہ دار سمجھوں؟ واٹ رلیش!''

''تم نے اپنے باپ کا قتل کیا ہے۔ ہاشم!'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔ آنکھیں ہاشم کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔ ''تم ہو اپنے باپ کے اصل قاتل۔''

''اور اس ساری بے تکی کہانی کا کیا مقصد ہے؟ مطلب کس طرح مارا ہے میں نے اپنے باپ کو' ہاں؟'' اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

''جیسے مارا جاتا ہے۔ قتل کر کے۔'' فارس نے شانے اچکائے۔

''میں جانتا ہوں میرے باپ کو کس نے مارا ہے۔ میری اپنی ماں نے۔ اور اس سارے معاملے کو میں کھوج رہا ہوں' مگر تمہاری اس ساری بکواس سے.....''

''جواہرات نے تمہارے باپ کو نہیں مارا۔'' ہاشم دھاڑ سے اٹھا اور میز کی چیزیں پرے گرائیں۔

''ممی نے ہی اورنگزیب کاردار کو قتل کیا ہے۔ جانتا ہوں میں۔'' میز پہ مٹھیاں رکھے' وہ اونچی آواز میں غرایا تھا۔ رنگت سرخ تھی اور آنکھوں

سے شعلے نکل رہے تھے۔

وہ سکون سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ''ہاں انہوں نے ہی مارا ہے اورنگزیب کاردار کو..... مگر یہ کس نے کہا کہ وہ تمہارا باپ تھا؟''

اور ہاشم کاردار کے جسم کا ہر عضو سن ہو گیا۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکن ہو گئیں۔ ہاتھ میز پہ رکھے رکھے جم گئے۔ نگاہیں اس پہ ہی پتھر ہو گئیں۔

''کس نے کہا ہاشم کاردار' کہ اورنگزیب کاردار تمہارا باپ تھا؟'' فارس اٹھ کھڑا ہوا۔ ''جواہرات نے بے شک اسے مارا ہے' مگر وہ تمہارا باپ نہیں تھا۔ تمہارا باپ جواہرات کا کزن طیب مطیع تھا۔''

ہاشم کے لب پھڑ پھڑائے' مگر آواز نہ نکلی۔ اس کی سانس رک چکی تھی۔ جسم پتھر تھا۔ آنکھوں میں سرخی دوڑ رہی تھی مگر وہ کسی سکتے کے عالم میں فارس پہ جمی تھیں۔

''ایک پرائیوٹ کانٹریکٹر کو ایک کام دیا تھا جواہرات بیگم نے۔ جب تم نے اور تمہارے..... کیا کہنا چاہیے..... نقلی باپ اورنگزیب کاردار نے..... مالی بدعنوانی کے باعث جواہرات کے کزن کو جیل بھجوایا تھا' اور خاص تمہارے حکم پہ اس کے اوپر تشدد کروایا گیا تھا' تو تمہیں یاد ہو گا کہ اس تشدد سے وہ ہسپتال جا پہنچا تھا۔ جہاں گو کہ وہ مر گیا' مگر اس کے جو بلڈ ٹیسٹ کی رپورٹ آئی تھی' وہ درست نہیں تھی۔ کیونکہ جواہرات بیگم نے ایک کانٹریکٹر کو کہہ کر اصل بلڈ سیمپل لیب سے غائب کروا کے کسی اور مریض کی رپورٹس جمع کروا دی تھیں۔ مگر ان کانٹریکٹرز کا ایک مسئلہ ہوتا ہے۔ یہ رسیدیں ضرور سنبھال کر رکھتے ہیں۔ اس نوجوان نے اس بلڈ سیمپل کو ضائع کرنے سے پہلے اس کی بہت ساری رپورٹس نکلوالی تھیں'

کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ امیر عورتیں عموماً ڈی این اے رپورٹس بدلوایا کرتی ہیں۔اس نے مجھے رپورٹس دیں' اور میں نے ان کو تمہارے بلڈ بینک میں جہاں تم غریب لوگوں کے لئے خون کا عطیہ ہر چند ماہ بعد دیتے ہو اور ساتھ میں فوٹو شوٹ کرواتے ہو' تمہارے سیمپل کے ساتھ میچ کروالیا۔ واٹ اے پرفیکٹ میچ۔یقین نہیں ہے تو خود دیکھ لو۔'' اس نے جیب سے ایک تہہ شدہ لفافہ نکال کر میز پہ رکھا۔آنکھیں ہنوز ہاشم پہ جمی تھیں جو ابھی پتھر ہوا کھڑا تھا۔اسے لگا وہ سانس بھی نہیں لے رہا تھا۔پلک بھی نہیں جھپک رہا تھا۔

''سو اورنگزیب تمہارا باپ نہیں تھا۔'' فارس ٹہلتے ہوئے اب کہہ رہا تھا۔ہاتھ ہلاتے ہوئے جیسے خود کو سمجھا رہا تھا۔''مگر طیب کو خود بھی معلوم نہیں تھا کہ اس جیسے بے کار' گھٹیا اور کنگال آدمی کا ایک شاندار سا بیٹا بھی ہے۔کسی زمانے میں وہ امیر اور خوش شکل تھا مگر آخری وقت میں تو کافی رذیل سا ہو گیا تھا۔'' وہ اب ٹہلتے ٹہلتے ایکویریم کے قریب آ رکا تھا۔انگلی اس نے شیشے کی دیوار پہ اس جگہ پھیری جہاں کبھی آبی نے سفید پڑتے ہاتھ رکھے تھے۔''اسی لئے وہ آخری وقت تک جواہرات کو بلیک میل کر رہا تھا اور وہ تمہیں روکتی تھی کہ اس کو جیل میں نہ پھینکواؤ' مگر زیادہ کوشش اس نے بھی نہیں کی کیونکہ وہ اس کا اصل راز نہیں جانتا تھا۔نہ ہی اورنگزیب کا کردار جانتے تھے۔'' وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا' اور باہر تاریک رات اور شہر کی روشنیوں کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔''اورنگزیب کو ہمیشہ نوشیرواں پہ شک ہوتا تھا مگر اس کی مشابہت ان سے بہت تھی۔تم پہ کبھی شک نہیں کیا۔لیکن تم ان جیسے نہیں تھے۔اپنی ماں پہ گئے تھے۔یہی وجہ تھی کہ میں اور نوشیرواں .....ہماری شکلیں اور آوازیں ملتی ہیں۔ہم اورنگزیب جیسے ہیں۔تم ویسے نہیں تھے۔تم ہمیشہ مختلف تھے۔تم علیشا جیسے بھی نہیں تھے۔تم سب سے الگ تھے۔کیونکہ تم کاردار تھے ہی نہیں۔'' پھر چہرہ موڑ کر اسے دیکھا۔وہ سن کھڑا تھا۔اس کی پیشانی تر تھی' قطرے کنپٹی سے نیچے ٹپک رہے تھے.....مگر اسے سانس نہیں آتی محسوس ہوتی تھی۔فارس اس کے قریب چلتا آیا۔

''دوسروں کے باپ کو مارتے یہ خیال آیا تھا کبھی ہاشم کہ اپنے باپ کے بھی قاتل نکلو گے ایک دن؟ اور جس کو تم ساری زندگی اپنا باپ مانتے رہے' جس کی سیاست بچانے کے لئے تم نے امل اور نور سے ان کا باپ چھینا' وہ آدمی تو تمہارا کچھ لگتا ہی نہیں تھا۔'' پھر اس پہ ایک تاسف بھری نظر ڈالی۔''تم تاش کھیلنے کی تیاری کر رہے تھے۔اور میں شطرنج کھیل رہا تھا۔اور اسے.....'' اس نے میز پہ رکھا لفافہ اٹھایا۔

''اسے شہ مات کہتے ہیں!'' کاغذ زور سے ہاشم کے اوپر دے مارا۔وہ اس سے ٹکرا کر نیچے گر گیا۔مگر برف اور آگ کے بت میں کوئی جنبش نہیں ہوئی۔فارس نے سر جھٹکا' اور باہر کی طرف بڑھ گیا۔وہ ایسے ہی کھڑا تھا اور اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

اگلا سفر کیسے تمام ہوا' کوئی اندازہ نہ تھا۔کتنے دن بیتے' کتنی راتیں کاٹیں' کوئی احساس نہ تھا۔بس من من بھر قدم اٹھاتا وہ چل رہا تھا۔بال بکھرے تھے' حلیہ بے ترتیب تھا۔اور وہ قصر کے سبزہ زار پہ قدم رکھتا جا رہا تھا۔ملازم اسے دیکھ کر حیرت سے پیچھے ہٹنے لگے۔اس کے ہاتھ میں ایک شیشے کا جار تھا جس کا منہ بند تھا اور وہ سامنے دیکھتا اس بھری دوپہر میں قدم اٹھاتا جا رہا تھا۔لاؤنج کا دروازہ کھولا تو سیڑھیوں کے اوپر وہ دونوں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔جواہرات فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔''تم دوبارہ اس کے دوستوں سے پتہ کرو۔وہ چار دن سے گھر نہیں آیا شیرو۔'' وہ روہانسی لگتی تھی۔شیرو'' کرتا ہوں دوبارہ'' کہہ کر فون پہ نمبر ملانے لگا تھا۔تبھی جواہرات کی نظر نیچے پڑی جہاں لاؤنج کے کھلے دروازے کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔اس کا چہرہ سفید اور آنکھیں سرخ تھیں۔جواہرات کی آنکھوں میں نمی در آئی۔تیزی سے زینے اترنے لگی۔

''ہاشم تم کہاں تھے؟ اوہ گاڈ.....ہم سب کتنے پریشان تھے تمہارے لیے۔تم ٹھیک ہو بیٹا؟'' وہ پریشانی سے اسے دیکھتی قریب آئی۔ وہ عجیب سی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔جار میز پہ رکھ دیا۔

''کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔مت سنو لوگوں کی باتیں۔سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔'' وہ اس کے سامنے کھڑی بے بسی سے کہہ رہی تھی۔وہ اسے دیکھتا ہوا قدم قدم قریب آنے لگا۔جواہرات کو عجیب خوف سا آیا۔وہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''میں نے نہیں مارا اورنگزیب کو۔جھوٹ بولتے ہیں سب۔اور تم....تم اورنگزیب کی محبت میں مجھے بھلا بیٹھے ہو کیا؟'' وہ آنسو بہاتی

کہہ رہی تھی۔اوپر کھڑا نوشیرواں ناگواری سے اسے دیکھے گیا۔ہاشم اس کے قریب آرہا تھا اور وہ پیچھے ہٹ رہی تھی۔

''کیا کیا اورنگزیب نے تم لوگوں کے لیے جو میں نے نہیں کیا؟ تمہارے ہر راز کی پردہ دار میں تھی۔جو بھی کیا تمہارے لیے کیا نے۔تم مجھے سب سے عزیز تھے۔ہاشم میں نے تمہاری پرستش کی۔تم مجھے سب سے عزیز ہو۔شیرو سے بھی زیادہ۔تم مجھے ایسے نہ دیکھو۔'' وہ رونے لگی تھی۔وہ اس کے بالکل قریب آرکا۔اسے گھورتے ہوئے ایک دم سے.....اس کی گردن دبوچی۔جواہرات کے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی رکھی تھی۔

''ایک ہی دفعہ پوچھوں گا۔سچ سچ بتانا۔'' سرخ انگارہ آنکھوں سے گھورتے ہوئے وہ غرایا تھا۔ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبو

''میرا باپ کون تھا؟ میرے ڈیڈ یا تمہارا وہ کزن طیب؟''

اور وہ ایک ایسا لمحہ تھا جب جواہرات کے سارے آنسو تھم گئے۔اس کی آنکھوں میں بے یقینی ابھری۔وہ ایک عجیب ششدر سا ل تھا۔وہ یک ٹک ہاشم کو دیکھے گئی۔

''کیا وہ میرا باپ تھا؟ بولو۔'' وہ دبا دبا سا غرایا۔

اوپر کھڑا نوشیرواں سن ہو گیا۔گرد و نواح کے کونوں میں کان لگائے کھڑے ملازموں نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیے۔جواہرات کے لب پھڑ پھڑائے۔اس نے تھوک نگلا۔

''I can explain!'' اور ہاشم نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ہاتھ نیچے گرا دیا۔اس کی آنکھوں میں ایسا درد ابھرا تھا جو جواہرات کی جان نکالنے لگا۔

وہ مڑ گیا۔اور چند قدم آگے گیا۔ابھی سب سن کھڑے تھے۔دم سادھے۔سانس روکے۔

وہ میز تک گیا' جار اٹھایا' اس کا ڈھکن اتارا اور واپس اس کی طرف گھوما۔''آج تم نے.....میرے ڈیڈ کو.....دوسری دفعہ مار دیا۔'' اور یہ کہہ کر اس نے جار میں موجود پانی اس کے چہرے پہ پھینک دیا۔

یہ جواہرات کا کردار کی چیخیں تھیں جنہوں نے وہاں کھڑے ہر شخص کو بتایا تھا کہ وہ پانی نہیں تھا۔

وہ تیزاب تھا۔

❖❖❖

باب30:

ایڈس مارزِیئے ابھی بیتے نہیں!

ایک دن جب آیا
جولیس سیزر اپنی رعایا کے سامنے!
تو اسے پکار کے بولا ایک نجومی...
''اے سیزر، خبردار رہنا
ایڈس مارزِیئے سے۔''
پوچھا سیزر نے مصاحبوں سے
''کیا کہتا ہے یہ آدمی؟''
بتایا کسی نے۔''یہ کہتا ہے کہ خبردار رہیے
مارچ کی درمیانی تاریخ (ایدس مارزیئے) سے۔''
جب آئی مارچ کی پندرہ تاریخ
اور داخل ہوا سیزر اپنے دربار میں
تو نظر آیا اسے وہ نجومی۔
اس کو دیکھ کر بولا سیزر اطمینان سے مسکرا کے۔
''ایڈس مارزِیئے تو آ چکے ہیں!''
اس پہ کہا نجومی نے سر جھکا کر۔
''بجا فرمایا سیزر۔
وسط مارچ کے دن شروع چکے ہیں'
مگر ابھی ختم نہیں ہوئے۔'' (ولیم شیکسپیئر کے ڈرامے ''جولیس سیزر'' سے ماخوذ)

(اور پھر اسی دن ایڈس مارزِیئے یعنی مارچ کی پندرہ تاریخ کو ہی سیزر کو بروٹس اور دوسرے باغیوں نے قتل کیا تھا۔)

رات کا اندھیرا ہر شے کو سالم نگل کر سادگی سے دنیا والوں کو دیکھ رہا تھا۔ سرونٹ روم میں اس کا بستر خالی تھا' اور وہ گھر کی پچھلی طرف لگے درخت پہ چڑھ کر' دیوار کے پار اتر رہی تھی۔ جیسے ہی وہ زمین پہ اتری' سرخ مفلر والا آدمی کسی کونے سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ جھنجھلائی

ہوئی سی سیدھی ہوئی۔''اس درخت پہ چڑھتے اترتے میرے جسم پہ دس بار زخم آئے ہیں۔کیا تم مجھ سے کسی اور طرح سے نہیں مل سکتے؟''

''بات سنو لڑکی!''وہ اندھیرے میں کھڑا تھا اور اس کے چہرے کے خدوخال نظر نہیں آتے۔''تمہارے نام کا مطلب ہوتا ہے' پری چہرہ لڑکی۔سپید جلد والی حسین لڑکی۔تمہاری اپنے مالکوں سے غداری کے بدلے میں تمہیں جتنے پیسے میں دے رہا ہوں' ان سے تم اپنے نام کی طرح خوبصورت زندگی گزارو گی۔''

اس بات پہ اس کی آنکھیں چمکیں اور لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

''تمہاری یہی باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔''پھر گردن کڑا کر بولی۔''بتاؤ۔اب مجھے کیا کرنا ہے۔''

.....❖❖❖.....

دشتِ ہستی میں شبِ غم کی سحر کرنے کو ..... ہجر والوں نے لیا رختِ سفر سناٹا

فارس ابھی ابھی لاؤنج میں داخل ہوا تھا اور بغیر تمہید کے اس نے وہ تکلیف دہ خبر سنا دی تھی۔

لاؤنج میں سناٹا طاری ہو گیا۔سب شل سے اسے دیکھے گئے۔وہ اسی طرح کھڑا رہا۔

''ہاشم نے اپنی ماں پہ....؟''زمر کی آنکھیں پھٹی پھٹی رہ گئی تھیں۔حنین سے کچھ بولا نہیں گیا۔ندرت نے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''اس کو حیا نہیں آئی؟ وہ اس کی ماں تھی۔''ان کا دل کانپا۔

''کوئی اپنی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہے؟''بڑے ابا انگشت بدنداں تھے۔

''کیونکہ اس کی ماں نے اسے یہی سکھایا ہے۔''سعدی نے افسوس سے سر جھٹکا تھا۔''میں اسی لئے ان کی اصلیت ہاشم کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔مجھے ڈر تھا وہ ان کو مار ڈالے گا۔''

''مارا ہی تو نہیں ہے اس نے ان کو۔''فارس سپاٹ سے انداز میں کہہ کر کمرے کی طرف بڑھ گیا۔زمر اٹھ کے اس کے پیچھے آئی۔وہ کمرے میں آ کر چپ چاپ صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔

''تمہیں افسوس نہیں ہوا؟''وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

فارس نے وہی بے تاثر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔''ایک انسان ہونے کی حیثیت سے' ہاں ہوا ہے۔میں یہ چاہتا تھا کہ وہ اپنی ماں کو خود سزا دے۔وہ دونوں میرے بھائی اور بیوی کے قتل میں شریک جرم تھے۔البتہ میں اس سے اتنی سفاکی کی توقع نہیں کر رہا تھا' مگر یہ وہ عورت ہے جس نے نوشیرواں کی ایسی تربیت کی کہ وہ سعدی کو گولیاں مار کے چلا گیا۔جس نے ہاشم کی ایسی تربیت کی کہ وہ ہماری زندگیاں اجاڑتا رہا۔جس نے سعدی کے قتل کا حکم نامہ جاری کیا۔تمہاری صحت کے ساتھ کھیلتی رہی۔اس لئے سچ پوچھو تو مجھے کوئی زیادہ افسوس نہیں ہے۔میں نے کئی برس جن دنوں کا انتظار کیا تھا۔بالآخر وہ دن آ گئے ہیں۔''اس کی آواز سرد ہو گئی تھی۔

زمر اداسی سے اسے دیکھتی رہی۔''کیا انتقام پا کر سکون ملتا ہے فارس؟''

وہ زخمی سا مسکرایا۔''تم نے وہ تین قدیم چینی بددعائیں سن رکھی ہیں؟ خدا کرے تم جیو دلچسپ زمانوں میں....خدا کرے تمہیں اعلیٰ عہدوں پہ فائز لوگ پہچاننے لگیں۔۔۔اور تیسری۔۔''اس نے گہری سانس بھری۔۔''خدا کرے تمہیں وہ مل جائے جس کی تمہیں تلاش تھی۔''

''یہ بددعائیں ہیں؟''

''پتہ نہیں مگر مجھے لگتا ہے میری طرف آتی ساری بددعاؤں کی قبولیت کا وقت آ پہنچا ہے۔''اور وہ اٹھ گیا۔

''کتنا شوق تھا مسز کاردار کو پلاسٹک سرجریز کروانے کا۔''باہر بیٹھی حنین خلاء میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔''اب ان کو ساری زندگی جانے کتنی سرجریز کروانی پڑیں گی۔''

''ہاشم ایسا تو نہیں تھا۔'' سعدی افسوس سے بولا تو سب نے اسے دیکھا۔ آنکھیں نکال کر۔ ابھی زمر کو لفٹ میں ڈبونے والے واقعے کو دن ہی کتنے ہوئے تھے؟

''میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ وہ پہلے ایسا نہیں تھا۔ جب میں اس کی قید میں تھا' تب وہ پچھتاتا تھا۔ اس کا دل ایسا نہیں تھا۔ اب وہ ہر حد پار کرتا جا رہا ہے۔'' وہ ترحم سے کہہ رہا تھا۔ حنین کے دل کے اندر.... کچھ آج بھی ڈوبتا تھا۔ شاید وہ یادیں تھیں۔ شاید کچھ اور....

''وہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا بیٹا۔'' بڑے ابا نے تلخی سے مسکرا کے کہا۔ ''تم یہ نہ سمجھو کہ وہ شروع میں اچھا تھا، یاد کرو، تب اس نے وارث کو قتل کروایا تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ تب وہ پچھتانے والی باتیں کر کے تمہاری ہمدردی سمیٹ لیتا تھا۔ تمہیں لگتا تھا وہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ مگر اب اس نے سچ بولنا شروع کر دیا ہے۔ وہ کبھی نہیں بدلے گا۔''

سعدی خاموش ہو گیا۔ شیشے کی دیواروں والی قصرِ کاردار کی لائبریری یونہی یاد آ گئی تھی۔

❖❖❖

جنہیں غرور تھا اپنی ستمگری پہ بہت ..... ستم تو یہ ہے کہ وہ بھی ستم رسیدہ ہوئے

''ایک ہفتے بعد۔''

ہسپتال کے اس پرتعیش کمرے میں جا بجا پھول رکھے تھے۔ کوئی عزیز' رشتے دار ایسا نہ تھا جس نے پھول نہ بھجوائے ہوں۔ وہ جیسے خوشی کے پھول تھے۔ اب ملنے کوئی نہیں آ رہا تھا۔ پہلے دو دن جو لوگ آئے' سو آئے۔ اب سکوت تھا۔

جواہرات کے بیڈ کے آگے پردے گہرے تھے۔ نوشیرواں اس طرف کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' وہ ان پھڑ پھڑاتے پردوں کو دیکھ رہا تھا۔ کبھی کسی درز سے وہ لیٹی ہوئی نظر آ جاتی۔ آنکھیں چھت پہ جمی تھیں' اور چہرہ پٹیوں میں جکڑا تھا۔ اس کا صرف دایاں گال اور کان بچ پائے تھے۔ باقی چہرہ بائیں طرف اور سامنے سے جل گیا تھا۔ چل پھر سکتی تھی کام کر سکتی تھی مگر بینائی پہ اثر پڑا تھا۔ ناک غائب ہو گئی تھی۔ آنکھوں کا نور بھی بجھ سا گیا تھا۔

''ان کو گھر کب لے جا سکتے ہیں؟'' شیرو نے دھیمی آواز میں پیچھے کھڑی میری سے پوچھا۔

''بہت جلد۔''

''کیا جو نقصان ہوا ہے وہ ٹھیک ہو سکے گا؟''

''نہیں سر۔ سرجریز سے تھوڑا بہت فرق پڑے گا۔ باقی میڈم کو اب ان زخموں کے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔'' وہ ٹھنڈے انداز میں بتا رہی تھی۔

''کیا کوئی بات کی انہوں نے تم سے؟'' شیرو کی نظریں پردوں پہ جمی تھیں۔

''وہ صرف ہاشم کا نام لیتی ہیں۔ ان کو پکارتی ہیں۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ یہ وقتی صدمہ ہے۔ وہ جلد شاک سے نکل آئیں گی۔'' شیرو نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''تم جانتی تھیں انہوں نے میرے باپ کو مارا' پھر بھی ہمیں نہیں بتایا؟'' اس کی آواز میں دبا دبا غصہ اور کرب در آیا۔

''ہاشم مجھ سے یہ بات پوچھ چکے ہیں اور میں بتا چکی ہوں۔ میں ایک وفادار ملازمہ ہوں' اور جیسے کورٹ میں آپ کے اور ہاشم کے راز کی حفاظت کی' اسی طرح میڈم کے راز کی بھی حفاظت کی۔ اس تیزاب والے واقعے کے بعد جب سب ملازم استعفیٰ دے رہے ہیں' میں اسی لئے یہاں موجود ہوں کیونکہ میں اب بھی مسز کاردار کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔''

وہ اسے چند لمحے دیکھے گیا۔ کمرے میں پھولوں کی خوشبو میں کافور کی بو گھلنے لگی تھی۔

''بھائی نے بہت ظلم کیا۔ مگر میں ممی کو معاف نہیں کرسکتا۔ اگر ڈیڈ مجھے عاق کررہے تھے' تب بھی ان کو ڈیڈ کو.... میرے ڈیڈ کو قتل نہیں کرنا چاہیے تھا۔ سن رہی ہیں آپ ممی۔'' اس نے چہرہ پھڑ پھڑاتے پردوں کی طرف موڑا۔ ''ڈیڈ اس حالت میں مرے کہ وہ مجھ سے ناراض تھے۔ میں ان سے معافی نہیں مانگ سکا۔ میں ساری عمر اس گلٹ میں رہوں گا کہ میرا باپ مجھ سے ناراض تھا۔'' وہ گیلی آنکھوں کے ساتھ الٹے قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ ''اب عدالت مجھے جیل میں ڈال دے' یا سولی چڑھادے' میں دوبارہ آپ سے ملنے نہیں آسکوں گا۔ باپ تو وہ میرا تھا' مگر منہ پہ آپ کے اب بھی ہاشم کا نام ہے۔ شیرو تو آپ کو یاد ہی نہیں۔'' وہ اب پیچھے ہٹتا جارہا تھا۔

اور بستر پہ پٹیوں میں جکڑا وجود اسی طرح چھت کو تک رہا تھا۔ ہونٹوں سے صرف ایک آواز نکل رہی تھی۔ ''کوئی ہاشم کو بلائے .... میرے ہاشم کو....''

شیرو کے جانے کے بعد میری کاؤچ پہ بیٹھ گئی اور اطمینان سے میگزین کھول لیا۔

.....❖❖❖.....

جن پر ستم تمام قفس کی فضا کے تھے ..... مجرم وہ لوگ اپنی شکستِ اَنا کے تھے

ہاشم کے بیڈروم کی ساری بتیاں روشن تھیں اور وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے کھڑا رئیس کہہ رہا تھا۔

''نیا اسٹاف آج سے کام شروع کردے گا۔ چھوڑ جانے والے ملازموں کو میں نے سنبھال لیا ہے۔ یہ صرف گیس ہیٹر کا حادثہ تھا اور ہر جگہ یہی بتایا گیا ہے۔ اور سر....'' وہ رکا۔ ''آپ کی مدر کے علاج کے لئے ڈاکٹرز نے....'' ہاشم نے جھٹکے سے ٹائی کی آخری گرہ کھینچی۔

''میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں' کہ میرے باپ اور نگزیب کاردار کی بیوی کے علاج کے لئے تمام رقم کمپنی ادا کرے گی۔ اب مزید میں اس معاملے پہ کچھ نہیں سننا چاہتا۔'' اس نے درشتی سے کہتے ہوئے کالر سیدھے کیے۔ رئیس خاموش ہوگیا۔

''اس غیر شناسا نمبر سے پھر میسج آیا سر؟''

''دو روز پہلے آیا تھا۔ وہ سعدی کو دہشت گرد ثابت کرنے کے لیے ہماری کوششوں پہ خوش تھا۔ میں نہیں جانتا وہ لوگ سعدی کو دہشت گرد کیوں ثابت کروانا چاہتے ہیں لیکن اتنا یقین ہے کہ وہ ہماری قابلیت جانچ رہے تھے۔ وہ ہمارے ساتھ کام کرنے کا خواہشمند لگتا ہے۔''

رئیس نے کوٹ اٹھا کر اس کی پشت پہ کیا تو وہ اس میں بازو ڈال کر اسے پہننے لگا۔

''سر میں نے کوٹ روم والے آدمی کا.... وہ چشمے والا آدمی.... اس کا پیچھا کیا تھا۔ مگر وہ ہر دفعہ چکمہ دے کر نکل جاتا ہے۔ آپ کو یقین ہے کہ یہ پیغام بھیجنے والا' اور سعدی کا پاسپورٹ دینے والا دراصل وہی آدمی ہے۔''

''ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ ہمارے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے۔ میں نے سعدی پہ تمام الزامات لگا کر اس کا اعتماد خرید لیا ہے۔ یہاں تمام عسکری گروپ اسی طرح اپنے سہولت کاروں کا اعتماد جانچتے ہیں اور پھر پارٹنر شپ شروع کرتے ہیں۔ جرائم کے سفر کا آغاز ہمیشہ ایک چھوٹے سے فیور سے شروع ہوتا ہے۔''

''سعدی کو دہشت گرد ثابت کر کے ان کو کیا ملے گا؟''

''اس سے میری کریڈیبلیٹی بڑھے گی۔ جج اسے دہشت گرد مان نہیں لے گا لیکن لوگ مجھے دہشت گردوں کا مخالف سمجھیں گے اور کوئی بھی عسکری تنظیم ایسے سہولت کار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتی۔ ہمیں بہت جلد نئے بزنس پارٹنرز ملنے والے ہیں۔'' اب وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کمرے سے نکل رہے تھے۔

لاؤنج میں فیونا کھڑی صفائی کررہی تھی۔ میری اور وہ... بس دو ملازم رہ گئے تھے۔ ہاشم جب سیڑھیوں سے اترتا ہوا اس کے سامنے

سے گزرا تو وہ بولی۔

''سر.....میں نیکسٹ منتھ سے چلی جاؤں گی۔''اس کی آواز میں تذبذب تھا۔

''جو چاہے کرو۔''وہ نخوت سے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

باہر صبح تازہ اور خوبصورت تھی۔مگر قصر اداس لگتا تھا۔وہ موسم سے بے نیاز کار کے قریب آیا ہی تھا کہ.....

''کاردار صاحب۔''بے چین سی نسوانی آواز پہ وہ ٹھٹکا اور مڑا۔ڈاکٹر ایمن چند گارڈز کے ہمراہ چلی آ رہی تھی۔ہاشم کے ماتھے پہ بل پڑے۔''بی بی میں تمہیں بتا چکا ہوں۔مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

''میں نے اور میرے شوہر نے ان جج صاحب اور کرنل خاور کے کہنے پہ آپ کے لئے اتنا کچھ کیا۔''وہ تیز تیز چلتی قریب آئی اور غصے سے انگلی اٹھا کر بولنے لگی۔''اور اب جب ہم کنگال ہو چکے ہیں تو آپ ہماری مدد بھی نہیں کر سکتے۔''

ہاشم نے تندہی سے اسے گھورا۔''کیا چاہتی ہو تم؟''

''مجھ سے کوئی نیا کام لیں یا ہمیں مالی طور پہ سپورٹ کریں۔ہمیں...ہمارا...ریوارڈ چاہیے۔آپ اپنے سہولت کاروں سے یوں منہ نہیں موڑ سکتے۔''

ہاشم چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر تاثرات نرم ہوئے۔آگے آیا اور نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

''آئی ایم سوری' میں کچھ پریشان ہوں آج کل۔بس کچھ روز میں...یہ کیس ختم ہو جائے...میں آپ سب کو نوازوں گا۔میں مدد کرنے والوں کو بھولا نہیں کرتا۔مگر تب تک آپ کو خاموشی سے انتظار کرنا ہوگا۔''ڈاکٹر ایمن کے تنے تاثرات ڈھیلے پڑے۔اس نے سر ہلا دیا مگر ابھی تک اضطراری انداز میں انگلی میں پہنی نوکیلے ہیرے والی انگوٹھی مروڑ رہی تھی۔

''کیا آپ مجھے زبان دے رہے ہیں؟''

''بالکل۔''وہ چند لمحے نرمی سے اس کی تسلی کراتا رہا پھر اس کے جانے کے بعد...وہ رئیس سے آہستہ سے بولا تھا۔''ان سب کا بھی کچھ کرنا پڑے گا۔یہ تو میری جان کو آ رہے ہیں۔''

.....❖❖❖.....

اِک خواب ہے کہ بارِ دگر دیکھتے ہیں ہم ..... اِک آشنا سی روشنی سارے مکاں میں ہے

مور چال پہ رات گہری چھائی تھی۔گرمی اور حبس دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔لاؤنج نیم روشن تھا۔فارس ابھی ابھی آیا تھا اور چابیاں کھونٹی پہ لٹکا رہا تھا جب دیکھا' ندرت تن فن کرتیں کچن سے نکلی ہیں اور دھاڑ سے سیم کے کمرے کا دروازہ کھولا ہے جو اندھیرے میں ڈوبا تھا اور حنین اور اسامہ اپنے اپنے بستر پہ لحاف اوڑھے گھپ سو رہے تھے۔

''کوئی انسانیت ہے تم لوگوں میں؟''وہ حلق کے بل چلائیں۔''میں نے کہا تھا آدھے گھنٹے بعد دودھ کے نیچے چولہا بند کر دینا مگر جب تک دودھ کی آبشار نہ بہہ جائے' تم لوگوں کی تسلی نہیں ہوتی۔''

''آپا!''وہ اکتا کر ان کے قریب آیا۔''وہ سو رہے ہیں' ان کے سر پہ آپ کیوں چلا رہی ہیں۔''ندرت نے اتنے ہی غصے سے مڑ کر اسے دیکھا۔

''بس کرو۔بڑے سو رہے ہیں۔ان بے غیرتوں کا واٹس ایپ کا last seen تو تین منٹ پہلے کا نظر آ رہا ہے۔بس ماں کو دیکھ کر فرعون کی ممیاں بن جاتے ہیں۔ہونہہ۔''وہ غصے سے بولتی ہوئی باہر نکل گئیں۔فارس نے بے اختیار ان دونوں کے پلنگ دیکھے جن میں جنبش تک نہ ہوئی تھی۔وہ سر جھٹک کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

''یارحنہ!'' سیم نے جھٹ منہ نکال کر اسے پکارا۔ وہ بھی فوراً اٹھ بیٹھی۔

''ہاں ہاں میں بھی وہی سوچ رہی ہوں جو تم سوچ رہے ہو۔ امی کا انٹرنیٹ بند کرنا پڑے گا۔ یہ تو بگڑتی جارہی ہیں۔''

''بالکل۔ ماں باپ کو اتنی آزادی دینا اچھی بات نہیں ہے۔ آج کل کے زمانے کا کوئی بھروسہ نہیں۔'' دونوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

فارس اپنے کمرے میں آیا تو وہ ہمیشہ کی طرح بہت سی فائلز کے درمیان بیٹھی نظر آرہی تھی۔ اسے دیکھ کر سر اٹھایا' اور مسکرائی۔ وہ بھی مسکرادیا۔

''کام ہورہا ہے؟'' آدمی گھر آئے اور بیوی مسکراتی ہوئی ملے تو.....

''ظاہر ہے' اب کسی بے روزگار کو کیا پتہ جاب کے بکھیڑے۔ خیر کھانا لاؤں یا کسی پرانی دوست کے ساتھ کھا آئے ہو؟''

اور فارس کا حلق تک کڑوا ہوگیا۔ ''بہت مہربانی۔ کھا چکا ہوں۔'' اور اس کے سامنے بیڈ پہ بیٹھا۔

زمر نے مسکراہٹ دبالی۔ ''مجھے پتہ ہے میں تمہاری ویسی خاطر مدارت نہیں کرتی جیسی کسی بیوی کو کرنی چاہیے۔ بس یہ کیس ختم ہو جائے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں۔ تم مجھے جیل بھیج سکتی ہو' میرے خلاف بیان دے سکتی ہو مگر تم مجھے کھانا نہیں پوچھ سکتیں۔'' وہ اب جھک کر جوتوں کے تسمے کھول رہا تھا۔ زمر بے اختیار ہنس دی۔ گھنگریالے بال آدھے باندھے' آدھے سامنے کو جھول رہے تھے۔ وہ کافی اچھی لگ رہی تھی۔ ناک کی لونگ' انگلی کی نیلے رنگ والی انگوٹھی اسے مزید حسین بناتی تھیں۔

''تم ہمیشہ سے اتنے ہی ظالم تھے یا اب ہوئے ہو؟''

''آپ کی صحبت کا اثر ہے مادام' ورنہ میں تو چند ماہ پہلے تک ایک شریف آدمی تھا۔ ویسے...'' وہ اس کے سامنے نیم دراز ہوگیا۔ ''اس چڑیا گھر سے ہم کب نکل رہے ہیں۔''

''نکلنا کیوں چاہتے ہو یہاں سے؟''

''میں چاہتا ہوں ہمارا اپنا علیحدہ گھر ہو۔ جہاں ہم دو نارمل انسانوں کی طرح رہیں۔''

''ابھی ہم نارمل نہیں ہیں کیا؟''

''آپ کے بارے میں تو شک ہے بی بی۔'' اس کے سامنے' کہنی کے بل لیٹے' کان تلے ہاتھ کا سہارا دیے وہ مسکرا کے اسے دیکھتے بولا تھا۔

''اور نئے گھر میں جا کر تم کوئی نوکری شروع کرو گے یا نہیں؟''

''آپ نا مجھے اپنا ذاتی خدمتگار رکھ لیجئے گا۔ اس سے بڑی نوکری کیا ہوگی؟ ماشاءاللہ وکیل ہیں آپ' لوگوں کی کھال کھینچ کر پیسے لیتی ہیں۔ مجھے بھی تنخواہ تو اچھی دیں گی۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اور وہ ہنستی جارہی تھی۔

''ہمیشہ جاب کی بات ٹال دیتے ہو۔ مگر میں بھی ہار ماننے والی نہیں ہوں۔ پیچھے پڑی رہوں گی۔'' قلم سے تنبیہہ کرتے وہ دوٹوک بولی اور پھر سے لکھنے لگی۔ پھر سر اٹھا کر بولی۔

''اگر فارس' ہمارے پاس وارث غازی کی فائلز ہوتیں' یا حنین کا میموری کارڈ ہوتا جس میں کاردارز کے خلاف کچھ مواد تھا' تو ہم یہ کیس بہت آسانی سے جیت لیتے۔''

''ہمارے پاس ایک انتہائی قابل وکیل ہے' جو بے شک انتہائی بے مروت اور سفاک واقع ہوئی ہے' مگر میں اچھی امید رکھتا ہوں۔'' اور اب بہت ہو چکا تھا۔ زمر نے فائل اٹھا کر اسے دے ماری تھی۔

''کیا کہا تھا میں نے ابھی؟ سفاک اور بے مروت وکیل۔'' فارس نے فائل پکڑ کر سامنے سے ہٹائی اور افسوس سے سر جھٹکا۔ وہ ہنس کر سر جھٹکتی دوبارہ سے کام کرنے لگی تھی۔

.....❖❖❖.....

آسمانوں سے فرشتے جو اتارے جائیں ..... وہ بھی اس دور میں سچ بولیں تو مارے جائیں

کمرہ عدالت میں ہمیشہ سے زیادہ گھٹن تھی۔ مگر کم از کم آج کے دن موسم ثانوی شے بن کر رہ گیا تھا۔ کیا بادلوں کی سیاہی' اور کیا درختوں کا سبزہ' سب بے اثر تھا۔ لوگ آ رہے تھے۔ نشستیں بھری جا رہی تھیں۔ آوازیں' شور' حرکت۔

دفاع کی کرسیوں پہ رش کم تھا۔ چند ایک کاروباری دوستوں کے ہمراہ ہاشم اور نوشیرواں موجود تھے۔ شیروسیاہ سوٹ میں ملبوس تھا اور چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ ہاشم البتہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے اطمینان سے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ طنزیہ سرد مسکراہٹ۔

استغاثہ کی کرسیوں پہ ان کا سارا خاندان یوں اکٹھا ہو رہا تھا جیسے کوئی تہوار ہو۔ وہ بنی اسرائیل کی مانند ایک جھتہ لگ رہے تھے۔ فارس جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا' مسکرا کے ساتھ کھڑی سارہ کی بات سن رہا تھا' جو سر پہ سفید دوپٹہ اوڑھے' ہری آنکھوں سے مسکراتی ہوئی اپنی بیٹیوں کی کوئی بات بتا رہی تھی۔ زمر کرسی پہ بیٹھی' گھنگریالے بال آدھے باندھے' بدستور فائلوں پہ جھکی تھی' اور سیاہ ڈریس شرٹ میں ملبوس سعدی اس کے کندھے پہ جھکا' اس کے ساتھ ہی کاغذات پڑھنے میں لگا تھا۔ شاید کوئی نکتہ مل جائے جو کیس کو لمبا کر سکے۔ کچھ وقت گواہ ڈھونڈنے کا اور مل جائے۔ ندرت ایک کرسی پہ بیٹھیں' تسبیح کے دانے گراتی منہ میں کچھ پڑھ رہی تھیں۔ ایسے میں حنین اور اسامہ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔

''حنہ .....اگر ہم ہار گئے تو؟''

''اور اگر ہم جیت گئے تو؟'' وہ چہک کر بولی تھی۔

پچھلی نشستوں پہ موجود تماشائی اور رپورٹرز مرعوب' اور کچھ تنقیدی نگاہوں سے اس خاندان کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سب ایک ساتھ کھڑے' ایک جتھے کی صورت.....دور بیٹھے' قیمتی ملبوسات' اور مصنوعی مسکراہٹوں والے'' کاردارز'' اور ان کے دوستوں سے زیادہ متاثر کن لگ رہے تھے۔ جنگیں لڑ کر آیا خاندان.....زخموں کو اپنے ہاتھوں سے بغیر نشہ لئے سی کر آیا خاندان..... پانی میں ڈوب کر ڈر اور خوف کو ختم کر کے آیا خاندان .....ظالم کے خوف سے ایک دوسرے کو چپ کروا کے چھپ جانے کی بجائے انصاف اور انتقام کی ایک طویل جنگ لڑ کر آیا خاندان.....وہ یوں کھڑے تھے' اٹھی گردنوں اور فاتحانہ مطمئن مسکراہٹوں کے ساتھ کہ لگتا تھا آج وہ انصاف سے کم کسی شے پہ راضی نہیں ہوں گے.....وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور ایک دوسرے سے ہزار اختلاف رکھتے تھے مگر وہ ظلم کے خلاف کھڑے ہو کر ایک اونچی دیوار لگنے لگے تھے۔

''کیا استغاثہ کے پاس کوئی مزید گواہ ہے؟'' جج صاحب کی آمد کے ساتھ ہی خاموشی چھا گئی اور انہوں نے پہلا سوال یہی پوچھا۔ زمر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''یور آنر' ہمارا گواہ ملک سے باہر ہے' ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں ایک تاریخ اور دی جائے۔''

''سر ئیسلی مسز زمر!'' جج صاحب نے تحیر سے اسے دیکھا۔

''Delaying Tacticts!'' ہاشم نے بلند سا تبصرہ کیا۔

''مسز زمر!'' جج صاحب کی آواز میں سرزنش تھی۔ ''آپ کے پاس ابھی گواہ ہے یا نہیں؟''

''یور آنر' کاردار صاحب نے گواہوں کو غائب کروا دیا ہے' مگر.....''

''آب جیکشن یور آنر' مسز زمر بغیر ثبوت کے الزام لگا کر خود ہی testify کر رہی ہیں۔'' وہ بیٹھے بیٹھے بولا تھا۔

''آپ کے پاس گواہ ہے یا نہیں؟'' جج صاحب نے زور دے کر پوچھا۔

''نہیں یور آنر' لیکن اگر عدالت وزارتِ داخلہ کو حکم دے تو ہمیں گواہ کو ڈھونڈنے میں مدد مل سکتی ہے اور.....''

''مسز زمر عدالت اپنی حدود میں رہ کر کام کرتی ہے' ثبوت لانا جج کا نہیں استغاثہ کا کام ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس کچھ پیش کرنے کو نہیں ہے تو ہم آج اس کیس کا فیصلہ کر دیں گے۔'' وہ قدرے ناگواری سے کہہ رہے تھے۔ سب خاموشی سے دم سادھے کبھی زمر کو دیکھتے' کبھی جج صاحب کو۔

''یور آنر اگر آپ ہمیں ایک موقع اور دیں تو.....''

''آپ عدالت کا وقت ضائع کر رہی ہیں۔ آپ تمام ثبوت اور گواہ پیش کر چکی ہیں' اب بہت ہو گیا۔'' انہوں نے اب کے قدرے نرمی سے اسے اشارہ کیا اور فائل کھول لی۔ زمر نے گہری سانس لی۔ فیصلے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

''عدالت فیصلہ سنانے کے لئے تیار ہے۔'' جج صاحب کا یہ کہنا تھا کہ سب نشستوں سے اٹھ گئے۔ دونوں فریق اب برابر کھڑے تھے۔ اور جج صاحب اونچے چبوترے پہ بیٹھے' عینک ناک پہ لگائے کاغذ سے پڑھ کر کہہ رہے تھے۔

''سرکار بنام نوشیرواں کاردار میں مدعی سعدی یوسف نے نوشیرواں کاردار ولد اورنگزیب کاردار.....(ہاشم نے تھوک نگلی۔) کے اوپر اقدامِ قتل' تشدد' اغوا' اور حبسِ بے جا میں قید رکھنے کا الزام لگایا تھا جو کہ تعزیرات پاکستان آرٹیکل 350 ,307,365 کے تحت آتے ہیں۔''

فارس سب سے پیچھے کھڑا تھا۔ سب کی طرح وہ بھی بھنویں بھینچے سانس روکے سن رہا تھا۔ البتہ گردن بھی گھما لیتا تھا۔ چشمے والا آج نہیں آیا تھا۔

''عدالت نے ان سنگین الزامات کو دیکھتے ہوئے ان کے اوپر کارروائی شروع کی اور دونوں فریقین کو اپنے اپنے ثبوت اور گواہ لانے کا حکم دیا۔'' جج صاحب پڑھتے ہوئے گاہے بگاہے ان کو دیکھ بھی لیتے جو دم سادھے سن رہے تھے۔ (اسامہ بور ہو رہا تھا۔ ڈراموں میں تو ایک ہی فقرے میں فیصلہ کر دیتے تھے' یہ اتنی لمبی تقریر کیوں کر رہے ہیں؟)

''استغاثہ نے ڈاکٹر سارہ غازی کو عدالت میں عینی شاہد کے طور پہ پیش کیا۔'' (سارہ نے نروس سے انداز میں کان کے پیچھے بال اڑسے۔) ''سعدی یوسف کی بہن نے گواہی دی کہ ملزم کے بھائی نے ان کے سامنے اعتراف کیا تھا۔ مگر اسی واردات کے دوسرے مبینہ ملزم نیاز بیگ نے گواہی دی کہ اس نے سعدی کو گولی ماری ہے' البتہ اس کے بیانات میں تضادات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ قابلِ بھروسہ نہیں ہے۔ (سعدی نے بے چینی سے پہلو بدلا) ملزم کے ملازموں اور گھر والوں کے بیانات استغاثہ کے دعوؤں سے بالکل برعکس تھے' اور وہ قابلِ اعتبار تھے یا نہیں' ہمیں یہاں فیصلہ یہ کرنا ہے کہ کیا عینی شاہد کا بیان قابلِ بھروسہ ہے؟''

سب کی سانسیں رک رک کر چل رہی تھیں۔ دل بندھے ہوئے تھے۔

''ڈاکٹر سارہ صرف اقدامِ قتل کی گواہ ہیں۔ اغوا' اور حبس بے جا میں رکھنے کا استغاثہ نے کوئی گواہ پیش نہیں کیا۔ میری ایجنسی کو لمبو کی کسی جیل میں سعدی کے ساتھ تھی؟ جواہرات کاردار وہاں سعدی سے ملنے گئی تھیں؟ آبدار عبید کی وہاں سعدی سے ملاقات ہوئی تھی؟ ان باتوں کے حق میں کوئی گواہ یا ثبوت نہیں پیش کیا گیا۔ آلہ واردات سے ملزم کے تعلق کا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا گیا۔ اس لئے سارا کیس آخر میں عینی شاہد ڈاکٹر سارہ کی گواہی کے گرد آ کھڑا ہوتا ہے۔''

وہ سانس لینے کو رکے۔ بہت سے حلق خشک ہو رہے تھے۔ ہاشم لب کاٹ رہا تھا۔ نوشیرواں کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔ سعدی کو پسینے آ رہے تھے۔

''دفاع نے اپنی باری پہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ سعدی یوسف ایک دہشت گرد ہے مگر اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں دیا گیا کہ یہ نو ماہ سعدی نے دہشت گردوں کے ساتھ گزارے۔ عدالت سعدی یوسف کے اس دعوے سے اتفاق کرتی ہے کہ اس کو واقعی اغوا کیا گیا' اور حبسِ بے جا میں رکھا گیا' گو کہ سعدی یوسف کی واپسی کے بارے میں اور وہاں ہوئے چند واقعات جیسے دو افراد کا سیلف ڈیفینس میں قتل خود سعدی یوسف کے کردار کو بھی مشکوک بناتا ہے مگر یہ باتیں اس کیس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ عدالت میں استغاثہ کا کام یہ ثابت کرنا تھا کہ اغوا کرنے والا اور گولی مارنے والا ایک شخص نوشیرواں کا کردار تھا۔ استغاثہ ملزم کے گواہوں جیسے کاردار صاحب کی سیکرٹری حلیمہ یا ملازمہ میری ایجیو کو جھوٹا ثابت کر دے' تب بھی کیا نوشیرواں حملہ آور اور اغوا کار ثابت ہوتا ہے؟ اگر سعدی اکیس مئی کو ہاشم کاردار کے آفس گیا بھی تھا' تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کئی گھنٹے بعد اسے گولیاں نوشیرواں نے ہی ماریں۔ آفس میں تو نہیں مارا گیا تھا نا سعدی کو۔ گھوم پھر کے ہم واپس ڈاکٹر سارہ کی گواہی کی طرف آ کر رک جاتے ہیں۔''

اب تو دل کی دھڑکنیں بھی رک گئی تھیں۔

''ڈاکٹر سارہ ایک طرف ایک پروفیشنل سائنسدان ہیں اور اعلیٰ عہدے پہ فائز ہیں' ایسے عہدے انسان کو باہمت اور بہادر بناتے ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے ایک سال تک ایسا کوئی بیان نہیں دیا جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ عینی شاہد ہیں۔ ان کا بیان آخری وقت آیا اور اگر اس کو درست مان لیں تو یہ بات کہ وہ ذہنی سکون کے لئے دواؤں کا استعمال کرتی ہیں' سائیکیٹرسٹ کے پاس زیرِ علاج ہیں' اور سعدی کی نہ صرف باس بلکہ رشتے دار ہیں' یہ بات ان کی گواہی کو جانبدار بنا دیتی ہے اور کیس میں شک پیدا ہو جاتا ہے' اور قانون کہتا ہے کہ شک کا فائدہ ملزم کو دیا جائے اس لئے.... یہ عدالت.... آج نوشیرواں کاردار کو.... ان تمام الزامات سے جو سعدی یوسف نے ان پہ لگائے تھے.... باعزت بری کرتی ہے۔''

اور سارے میں ایسا سناٹا چھایا تھا جیسے کسی کے مرنے پہ چھا جاتا ہے۔

چند لمحے کے لئے تو ہر شخص پھٹی پھٹی آنکھوں سے جج صاحب کو دیکھے گیا۔ خود ہاشم بھی۔ پھر ایک دم دفاع کی کرسیوں پہ شور سا بلند ہوا۔ ''مبارک سلامت'' کے نعرے۔ قہقہے۔ خوشی کی چہکار۔ سعدی نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ گردن موڑی تو دیکھا۔ ہاشم خوشی سے مسکراتے ہوئے نوشیرواں کو گلے لگا رہا تھا' جو شل کھڑا تھا۔ پیچھے سے سب مبارک بادیں دے رہے تھے۔

زمر سر جھٹکتی اپنے کاغذ سمیٹنے لگی۔ ندرت نے سر جھکا کر آنسو پونچھے۔ سیم نے آسمان کو دیکھا۔ فارس زخمی سا مسکرا دیا۔

''یہ سب میرا قصور ہے۔'' سارہ نے گیلی آواز میں کہتے سر جھکا دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سارہ کا سر تھپکا۔

''آپ نے اپنی بساط سے بڑھ کر جدوجہد کی ہے۔ یہ انصاف کی عدالتیں نہیں ہیں' یہ قانون کی عدالتیں ہیں۔''

''ہم اپیل کریں گے۔ خیر ہے سعدی!'' زمر نے باہر نکلتے ہوئے اسے تسلی دی جو شل سا تھا۔ فکرمند سی حنین نے بھی دوسری طرف سے پکارا۔ ''ہاں بھائی' ہم اپیل کریں گے۔''

''فائدہ کیا ہوا اس سب کا پھر؟'' سیم مایوسی سے بول اٹھا تھا۔ وہ اب راہداری میں آ کھڑے ہوئے تھے۔ سعدی ابھی تک سن تھا۔ ششدر۔ جامد۔

''کاردار صاحب' مبارک ہو۔'' ہاشم وکلاء کے جھرمٹ میں مسکراتا ہوا' لوگوں سے ہاتھ ملاتا باہر نکل رہا تھا۔ نوشیرواں کے حواس بحال ہو رہے تھے' اور وہ اب وکیلوں کے بڑھے ہاتھوں سے مصافحہ کر رہا تھا۔ ہر شخص فاتح وکیل سے ہاتھ ملانے اور مبارک باد دینے کا خواہاں تھا۔ سب چاہتے تھے کہ ہاشم ان کو یاد رکھے۔ وہ جو کچھ عرصے سے نیچے جا رہا تھا' آج اس کا گراف پوری شان و شوکت سے بلند ہو گیا تھا۔

دونوں گروہ ساتھ ساتھ احاطے سے باہر آئے تھے۔ رپورٹرز کے مائیک تیزی سے سب کے سامنے آئے تو زمر محض ''ہم اپیل کریں

گے'' جیسے چند فقرے کہہ کر سعدی کا بازو تھامے آگے بڑھ گئی۔ فارس سمیت باقی گھر والے پارکنگ کی طرف جا رہے تھے' مگر سعدی نے بازو چھڑا لیا اور مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔

وہاں ہاشم اور شیرو کھڑے تھے۔ ان کی پشت پہ مجمع تھا' اور سامنے مائیکس۔ ہاشم دن کی روشنی میں کھڑا' مسکرا کر بلند آواز میں کہہ رہا تھا۔'' آج انصاف اور قانون کی فتح ہوئی ہے۔ آج معزز عدالت نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کوئی گولڈ ڈگر' مشکوک کردار کا مالک غریب لڑکا اٹھ کر کسی باعزت شہری کو اس کی امیری کی سزا نہیں دے سکتا۔'' وہ فاتحانہ انداز میں اطراف میں نظریں دوڑاتا کہہ رہا تھا۔ کیمرے کلک کلک کرتے اس کی تصاویر اتار رہے تھے۔ ساتھ کھڑے شیرو کی نظر سعدی پہ پڑی تو وہ نظریں چرا گیا۔ وہ خود بھی اتنا ہی بے یقین تھا جتنا کہ سعدی۔

'' سعدی یوسف نے کیس کے دوران متعدد بار ہم سے بھاری رقوم کا مطالبہ کیا مگر ہم جانتے تھے کہ عدالت میں فتح سچ اور حق کی ہی ہوگی۔ ہم ان وکلاء میں سے ہیں جنہوں نے چیف جسٹس کی بحالی اور عدلیہ تحریک کے لئے قربانیاں دی تھیں۔ ہم نے اس ملک میں جمہوریت کی بقا کے لئے قربانیاں دی ہیں۔ اب وہ زمانے چلے گئے جب لالچی لوگ اس طرح غریب کارڈ کھیلتے تھے۔ اب عدالتیں آزاد ہیں۔''

'' سعدی چلو۔'' زمرا سے کہنی سے کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر اس نے پھر سے بازو چھڑا لیا اور پتلیاں سکیڑے ہاشم کو دیکھے گیا۔

فارس آدھے راستے سے مڑ کر واپس آیا اور برہمی سے اسے پکارنے لگا۔'' سعدی! کیا کر رہے ہو؟''

ادھر ہاشم کہہ رہا تھا'' میں اعلیٰ حکام سے درخواست کرتا ہوں کہ بھلے ہم نے سعدی یوسف کو معاف کر دیا ہو' مگر کیس کے دوران جو سعدی کے دہشت گردوں کی معاونت کے ثبوت اور گواہ سامنے آئے ہیں' ان کے بارے میں مکمل تحقیقات ہونی چاہئیں۔''

'' کاردار صاحب۔ آپ کے اپنے ہی بھائی نے آپ کی کمپنی کے خلاف پریس کانفرنس کی تھی اور پیپر شائع کیا تھا جس سے آپ کی کمپنی کو کافی نقصان ہوا۔ اس بارے میں کیا کہیں گے؟''

'' اسی سے آپ اندازہ لگا لیں کہ کیا اتنا سچا اور مخلص انسان کسی کو گولی مار سکتا ہے؟'' وہ شیرو کی طرف اشارہ کر کے ترکی بہ ترکی بولا تھا۔

'' کاردار صاحب آپ اپنی والدہ کے حادثے کے بارے میں کیا کہیں گے؟''

مگر وہ سوال مکمل ہونے سے پہلے ہی'' ابھی کے لئے اتنا ہی کافی ہے'' کہہ کر مسکراتا ہوا آگے آنے لگا۔ رپورٹرز بکھرنے لگے' اور وہ دونوں بھائی جھرمٹ میں راستہ بناتے چلتے ہوئے اس طرف آنے لگے۔ سعدی اسی طرح کھڑا تھا۔ اس کا تنفس تیز ہو رہا تھا' ہاتھ کانپ رہے تھے۔ چہرہ دھوپ کی تمازت سے سرخ پڑ رہا تھا۔ وہ سامنے سے آتے فاتح ہجوم کو دیکھ کر چلایا تھا۔

'' جھوٹ بول رہے ہو تم لوگ۔''

ہاشم نے دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کر مسکرا کے اسے دیکھا۔ رپورٹرز اب اس طرف گھوم گئے تھے۔

'' اللہ قہر نازل کرے تم پہ۔ اللہ غارت کرے تمہیں۔'' کیمرے دھڑا دھڑ سعدی کی تصاویر اتار رہے تھے' ویڈیو بنا رہے تھے۔

ہاشم مجمع کی طرف گھوما اور تبصرے کے سے انداز میں کہنے لگا۔'' شکست کے بعد بہت سے لوگوں کو نفسیاتی امراض کے ہسپتالوں میں داخلے کی ضرورت ہوتی ہے' مجھے افسوس ہے اس بچے کے لئے۔ لیکن میں نے اس کے جھوٹوں کے لئے اس کو معاف کیا۔'' ہاشم پھر سے چلنے لگا۔ وہ اسی طرف آ رہا تھا۔ اسے آگے بڑھنے کے لئے سعدی کے پاس سے گزرنا تھا۔

اور سعدی مٹھی بھینچ کر آگے بڑھا' کہ اس کے منہ پہ دے مارے' مگر فارس نے پیچھے سے اس کو کہنی اور بازو سے جکڑ لیا۔

'' چلو یہاں سے۔'' وہ دبے دبے سختی سے بولا تھا۔'' وہ تمہیں اکسا کر تماشہ کرنا چاہتا ہے' چلو یہاں سے۔'' ہاشم اب مسکراتا ہوا قریب آ چکا تھا۔ آخری بات پہ بھی سعدی نہ رکتا' اگر فارس اسے زبردستی کھینچتا ہوا وہاں سے نہ لے جاتا۔ ساتھ ہی وہ اس کو ڈانٹ بھی رہا

تھا۔'' کیا کر رہے تھے تم؟ اس کو مکا مارتے تو وہ اقدام قتل کا مقدمہ کر دیتا' اور اس کے پاس ثبوت بھی ہوتے اور گواہ بھی۔ وہ یہی تو چاہتا ہے۔''

سعدی لڑکھڑاتے قدموں سے چلنے لگا۔ چلتے چلتے کندھا جھٹک کر اس نے بازو چھڑا لیا۔ چہرہ سرخ تھا' آنکھوں میں پانی تھا۔ سب گھر والے کار پارکنگ میں رکے کھڑے تھے اس نے کسی کو نہیں دیکھا.... کسی سے بات نہیں کی۔ بس آگے بڑھتا گیا.... بڑھتا گیا....

نوشیرواں اور ہاشم کافی دیر بعد اپنی اپنی کار کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ مبارکبادوں اور تعریفوں کو سمیٹنے میں وقت لگا تھا۔ نوشیرواں اب سنبھل چکا تھا اور صرف سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ ہاشم نے مسکرا کر اسے دیکھا اور بولا۔

''تم آزاد ہو۔ آج سے نئی زندگی شروع کر سکتے ہو۔''

''آپ کو یقین تھا ہم جیت جائیں گے؟''

''اگر میں شروع میں اسے نہیں لڑنا چاہتا تھا تو اس لئے کہ ہم بدنام ہوں گے' کاروبار کو نقصان پہنچے گا مگر مجھے معلوم تھا کہ یہ کیس وہ نہیں جیت سکتے۔ قتل کرنا آسان ہے شیرو' اسے ثابت کرنا بہت مشکل۔'' اس نے مسکرا کے شیرو کا شانہ تھپکا۔ نوشیرواں جواباً اس کے گلے لگ گیا۔

''مجھے بچانے کا شکریہ بھائی۔'' اس کے کان کے قریب شیرو بولا تھا۔ ''مگر مجھے افسوس ہے کہ دوسروں کی طرح میں نے بھی آپ کو استعمال کیا۔ یہ جو ٹوٹی ہوئی ہینڈ زفری میں آپ کی جیب میں ڈال رہا ہوں' یہ وہ ہے جس کا ائیر بڈ آبدار نے اس روز توڑ کر جھوٹ بولا تھا کہ وہ بگ ہے۔'' ایک ہاتھ سے اس کی جیب میں ٹوٹی ہوئی تاریں ڈالتے' وہ دھیرے سے زہر اس کے کانوں میں انڈیل رہا تھا۔ ''زمر کو اس نے نہیں' میں نے بچایا تھا۔ جس جرم کی آپ نے اس کو سزا دی' وہ اس نے کیا ہی نہیں تھا۔'' یہ کہہ کر وہ اس سے الگ ہوا تو دیکھا.... ہاشم کی تلخ مسکراہٹ ویسی ہی قائم تھی۔

''میرے بے وقوف بھائی!'' اس نے شیرو کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تو سرد سی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑتی گئی۔ ''تمہیں لگتا ہے مجھے یہ نہیں معلوم؟ تم ہمیشہ بیوقوف رہو گے شیرو۔ فارس کو لفٹ کا علم پہلے سے تھا' یہ دیکھ کر ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ تم نے کیا ہے۔ میں نے تم سے پوچھا بھی تھا' تم نے انکار کر دیا' لیکن میں تمہارے ساتھ وہ نہ کرتا جو آبی کے ساتھ کیا۔ میں نے اس کو اس لئے مارا کیونکہ وہ مجھے اکسا رہی تھی' وہ خود اپنا قتل چاہتی تھی۔ وہ پیپر نائف سے مجھے نہیں مار سکتی تھی' وہ صرف چاہتی تھی کہ میں اسے مار ڈالوں۔ میں نے اس کی خواہش پوری کی۔ میں نے اس پہ احسان کیا۔ اس کا جرم وہ تمام دھوکے تھے جو وہ مجھے اس سے پہلے دے چکی تھی۔ مجھے اب کسی شے کا کوئی پچھتاوا نہیں ہے۔ اور میں تمہارا کیس تمہیں بچانے کے لئے نہیں لڑتا رہا۔ صرف اپنے نام کو کلیئر کرنے کے لئے لڑتا رہا ہوں۔''

نوشیرواں شل ہو گیا تھا۔ یہ عدالتی دھچکے سے زیادہ بڑا دھچکا تھا۔

''اگر وہ الزام اپنے سر نہ لیتی تو میرے.... میرے ساتھ کیا کرتے آپ؟''

''وہی جواب کرنے جا رہا ہوں۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''ہم دونوں الگ الگ گاڑیوں میں واپس جائیں گے' الگ زندگیوں کی طرف۔ سونیا کے ساتھ میں قصر سے شفٹ ہو رہا ہوں۔ تم اور تمہاری ماں وہاں رہ سکتے ہو۔'' پھر ایک ملامتی مسکراہٹ کے ساتھ اسے چند لمحے دیکھتا رہا۔ ''تم سب نے مجھے تباہی کی طرف دھکیلا ہے شیرو۔ تم.... ممی.... سعدی.... شہرین.... آبی.... تم سب سے محبت کی تھی میں نے۔ تم سب نے مجھے میری محبت کی سزا دی۔'' کہہ کر اس نے سن گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے.... ان کی سرخی اور نمی چھپا لی اور کار میں بیٹھ گیا۔ کالا شیشہ بند ہو گیا تو شیرو اسے دیکھنے کے قابل بھی نہ رہا۔

چند لمحے بعد وہاں سے دو کاریں دو الگ راستوں پہ روانہ ہوئی تھیں۔ اور عدالت کی اونچی عمارت کی قدیم دیواریں خاموشی سے اپنے جہنمی شور کو سنتی رہی تھیں۔

.....❖❖❖.....

دیکھا نہ کسی نے بھی مری سمت پلٹ کر ..... محسن میں بکھرتے ہوئے شیشوں کی صدا تھا

وہ کن قدموں سے گھر پہنچا اسے معلوم نہ تھا۔ سب خاموشی سے اندر آئے تھے صرف وہ تیزی سے آگے بھاگتا گیا تھا۔ کمرے میں آ کر اس نے دروازہ لاک کر دیا۔ پردے گرے تھے' اور دوپہر کے باوجود روشنی نہ تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ قانون کی کتابیں رکھی تھیں۔ سعدی چند لمحے گلابی پڑتی آنکھوں سے ان کتابوں کو دیکھتا رہا۔

''میں سچ بول رہا تھا۔'' اس نے موٹی کتاب اٹھا کر زور سے دیوار پہ دے ماری۔

''میں سچ بول رہا تھا۔'' اس نے بوٹ کی ٹھوکر سے میز لڑھکا دی۔ اسٹڈی لیمپ نیچے آ گرا۔ فرش سے ٹکرا کر بلب چکنا چور ہو گیا....

''میں سچ بول رہا تھا۔'' وہ اب ریک میں رکھی کتابیں نکال نکال کر زمین پہ پھینک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔

''میں سچ بول رہا تھا۔'' وہ روتے ہوئے گھٹنوں کے بل زمین پہ گرتا گیا۔ سر جھکائے' آنکھیں سختی سے میچے' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔ سامنے کتابوں کا ڈھیر لگا پڑا تھا جن میں ہزاروں قوانین اور دستور درج تھے۔

''میں سچ بول رہا تھا۔'' اس نے گیلی آنکھیں کھولیں۔ پھر غصے اور بے بسی سے ایک کتاب اٹھائی' اور کھول کر صفحے پھاڑنے چاہے۔ مگر ہاتھ کانپ گئے۔ وہ یہ نہیں کر سکا.....

''میں سچ بول رہا تھا۔'' وہ سیاہ جلد والی سیاہ و سفید کی مالک کتابوں کے سامنے اکڑوں بیٹھا تھا اور سر گھٹنوں میں دیے بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ ''مگر کیا فائدہ ہوا سچ بولنے کا؟ سچ کے لئے لڑنے کا؟''

باہر سب خاموشی سے اس کی توڑ پھوڑ اور اب سسکیوں کی آوازیں سن رہے تھے مگر ایک دوسرے سے نظریں چرائے ہوئے تھے۔ بڑے ابا نے کسی سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ چہرے بتا رہے تھے کہ جو انصاف مانگنے گئے تھے' وہ مصلحتوں میں لپٹے نظریہ ضرورت جیسے فیصلے کو اٹھا لائے تھے۔

ادھر اپنے آفس' کی راہداری میں تیز تیز چلتے ہاشم نے رئیس سے پوچھا تھا۔ ''آخری کارڈ کھیلنے کا وقت آ گیا ہے۔ پارٹی کی تیاری مکمل ہے؟''

''جی سر۔ سب تیار ہے۔''

''اچھا۔ میں نیا گھر دیکھنے جا رہا ہوں۔ انٹیریئر ڈیزائنر نے آج کام ختم کر لینا تھا۔ کیا وہ ہو گیا؟'' وہ سیل فون دیکھتے تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ زندگی کی مصروفیت پھر سے شروع ہو چکی تھی۔

''یس سر۔ آپ کیس کے سلسلے میں بزی تھے' میں نے اس کو سنبھال لیا تھا۔''

''تم نے نہیں۔'' اس نے مسکرا کے ٹوکا۔ ''میں نے.... ہاشم نے سنبھالا ہے ہر شے کو۔'' اور آگے بڑھ گیا۔۔۔۔

.....❖❖❖.....

ناشناسائی کے موسم کا اثر تو دیکھو ..... آئینہ خال و خد آئینہ گر کو ترسے

اس تپتی صبح لگتا تھا سارے شہر پہ سونے کا ملمع چڑھا دیا گیا ہو۔ شاید زمین کے اندر بڑے بڑے جہنم دہک رہے تھے جس سے اوپر چلنے والے بے خبر تھے۔ ایسے میں ہسپتال کی مرمریں راہداری میں وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ زمر سبز رنگ کے لباس میں ملبوس تھی' اور سن گلاسز بالوں پہ ٹکا رکھے تھے۔ فارس سیاہ شرٹ پہنے' ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے' چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''تم واقعی ان سے ملنا چاہتی ہو؟''

ایک دروازے کے سامنے وہ رک گئی اور مڑ کر اسے دیکھا۔ ''تم اپنی آنٹی سے نہیں ملو گے؟''

''میرا دل تمہاری طرح نہیں ہے۔ میں ابھی کچھ نہیں بھولا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ کر وہیں رک گیا۔ زمر گہری سانس لے کر آگے

بڑھ گئی۔

زمر اندر آئی ہی تھی کہ شہرین باہر آتی دکھائی دی۔اس نے سونی کی انگلی پکڑ رکھی تھی اور میری اینجیو تحکم سے اسے کہہ رہی تھی۔

''ہاشم کا حکم ہے کہ آپ آخری دفعہ سونی کو ساتھ لے جا رہی ہیں' ویک اینڈ پہ جب آپ اسے چھوڑنے آئیں گی تو اس کے بعد....''

زمر کو دیکھ کر وہ چپ ہوئی۔شہری نے بھی دیکھا تو سر جھٹک کر سونی کو لئے آگے بڑھ گئی۔

میک اپ اور ڈائمنڈ جیولری پہنے کھڑی میری نے ملکہ کی شان سے گردن کڑا کے اسے مخاطب کیا۔''خوش آمدید مسز زمر۔اندر آیئے۔مسز کاردار آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔''

وہ اندر چلی آئی۔آج کمرے میں کوئی پھول نہ تھا۔پردے ہٹے تھے اور چمکیلی روشنی چھن کر اندر آ رہی تھی۔کھڑکی کے سامنے آرام کرسی پہ جواہرات بیٹھی تھی۔رخ موڑ رکھا تھا' اور سر پہ شال لے کر چہرہ ڈھک رکھا تھا۔زمر کافی پیچھے بیٹھ گئی تاکہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

''تم جاؤ میری!'' جواہرات نے گلاخراب کی سی آواز میں میری کو کہا' مگر میری زمر کے قریب صوفے پہ بیٹھ چکی تھی۔''نہیں مسز کاردار' مجھے یہاں ہونا چاہیے۔''اس کی آواز میں تمکنت تھی' ایسی تمکنت جسے جواہرات رد نہ کر سکی۔خاموش ہوگئی۔

''کیوں آئی ہو زمر؟'' وہ باہر دیکھتے ہوئے آزردہ سی ہو کر پوچھنے لگی۔

''آپ کی خیریت لینے آئی تھی۔'' توقف کیا۔''میں جانتی ہوں کہ میری رپورٹس' میری صحت' میری زندگی کے ساتھ آپ کیسے کھیلتی رہی ہیں۔شاید آپ مجھ سے حسد کرتی تھیں۔حالانکہ میں آپ جیسی خوبصورت بھی نہ تھی' مگر آپ کو اپنے سامنے کسی کی تمکنت اچھی نہیں لگتی۔بہر حال۔''اس نے سر جھٹک کر گہری سانس لی۔آنکھیں جواہرات کی پشت پہ جمی تھیں۔''میں آپ کو معاف کرنے آئی ہوں۔دل سے ابھی تک بھولی کچھ بھی نہیں ہوں مگر میں آپ کو معاف کرنا چاہتی ہوں۔ہاشم کا معاملہ میں نے اللہ پہ چھوڑ دیا ہے۔''

ایک آنسو جواہرات کی آنکھ سے ٹپکا اور چہرے پہ پھسلتا گیا۔

''میں نے تم جیسے بہت سے لوگوں کو اجاڑا ہے زمر۔مجھے کون کون معاف کرے گا؟''

''آپ معافی مانگ لیں' یہی اہم ہوتا ہے۔''

''ہاشم مجھے معاف نہیں کرے گا' شیرو مجھے معاف نہیں کرے گا۔اب کچھ پہلے جیسا نہیں ہوگا۔ہاشم سے کہو' مجھے معاف کر دے۔مجھ سے ملنے آجائے۔''

''میں یہ نہیں کر سکتی مسز کاردار' مگر میں آپ کو اپنے اوپر کیے گئے تمام مظالم کی قید سے آزاد کرتی ہوں۔میرے اور میرے خاندان کا کوئی حساب اب آپ پہ ادھار نہیں ہے۔''

جواہرات اسی طرح باہر دیکھتی رہی۔آنسو گر رہے تھے۔''میں تم سب سے بہت شرمندہ ہوں۔مجھے معاف کر دو۔میری مدد کرو۔مجھے اکیلا مت چھوڑو۔مجھے اپنے سارے گناہوں کا احساس ہے۔''

زمر زخمی سا مسکرائی' اور پرس کندھے پہ ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔''نہیں مسز کاردار۔آپ نہ شرمندہ ہیں' نہ آپ کو احساس ہے۔آپ اب بھی مجھے استعمال کرنا چاہتی ہیں ہاشم کو منانے کے لئے۔اکثر انسان نہیں بدلتے۔''جواہرات بالکل چپ ہوگئی۔آنسو بہنا رک گئے۔

''یعنی تم لوگ اب مجھے دشمنی کے قابل بھی نہیں سمجھتے۔''پھر اس کے لبوں سے سرد آہ نکلی۔

''اللہ آپ کو صحت دے اور آپ پہ رحم کرے۔میں چلتی ہوں۔''وہ باہر کی طرف بڑھ گئی۔

فارس راہداری میں دیوار کے ساتھ کھڑا تھا' ہاتھ جیبوں میں ڈال رکھے تھے' اور چھت کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔یونہی نگاہ پھیری تو سامنے سے شہری اور سونی آتی دکھائی دیں۔شہرین نے اسے دیکھ کر فوراً نظریں چرا لیں۔فارس نے سونی کو دیکھا' وہ چھوٹے چھوٹے

قدم اٹھاتی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے دیکھے گیا۔ انتہائی خوبصورت بچی تھی وہ۔ وہ نرمی سے مسکرایا۔ تو سونیا نے غصیلی آنکھوں کے ساتھ ہونٹوں کو بنا آواز کے ہلا کے کہا۔ ''آئی ہیٹ یو۔'' اور منہ موڑ کے آگے بڑھتی گئی۔

فارس کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ آنکھوں میں اچنبھا بھر آیا۔ کچھ دور اندر زخمی بھی ہوا تھا۔

پھر اس نے سر جھٹکا۔ چند لمحے بعد زمرا آتی دکھائی دی تو وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔ مگر دو سیاہ خوبصورت آنکھیں' ان کا یک ٹک اسے دیکھنا' اور ہونٹوں کا ہلا کر بنا آواز کے تین الفاظ بولنا' وہ دماغ سے زیادہ دل کے اندر تک پیوست ہو گیا تھا۔

.....❖❖❖.....

وقت رکتا ہی نہیں خواب ٹھہرتے ہی نہیں ..... پاؤں جمتے ہی نہیں بہتے ہوئے پانی پر

کتنی راتیں اتریں' کتنے دن ڈھلے' زندگی میں گھل جانے والی مایوسی سعدی کو ہر شے سے بے نیاز کر چکی تھی۔ وہ تمام گھر والوں سے نظریں چرا کے صبح جلدی نکل جاتا۔ پھر یونہی سڑکوں پہ پھرتا رہتا۔ یا سارا سارا دن کمرے میں پڑا رہتا۔ اس روز سے اس کا جیسے دل ہی ٹوٹ گیا تھا۔ ملک' قانون' انصاف کے ادارے ہر شے سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ پاکستان کا کوئی مستقبل نہیں ہے' وہ جان گیا تھا۔

آج پھر وہ کمرے میں پڑا تھا۔ صوفے پہ لمبا لیٹا' موبائل پہ انگلی پھیرتا سوشل میڈیا دیکھ رہا تھا۔ سیو سعدی یوسف پیج کے علاوہ۔ وہاں تو شرمندگی سے وہ جاتا ہی نہیں تھا۔

باہر لاؤنج میں آؤ تو ٹی وی ہنوز غائب تھا' اور بڑے ابا' اسامہ اور حنین سے محو گفتگو دکھائی دیتے تھے۔ اسی اثناء میں ندرت سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھیں' اور میز پہ کبابوں کے کچے آمیزے کا برتن رکھا۔ ساتھ میں پانی کا پیالہ' اور بڑی ٹرے جس میں ٹکیاں بنا بنا کر رکھنی تھیں۔ چند لمحے گزرے اور دونوں اولادیں ان کے دائیں بائیں آ بیٹھیں۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی لاپرواہی تھی۔

''امی صبح جو آپ نے حلیم بنایا تھا وہ بہت مزے کا تھا۔''

ندرت نے ایک نظر ان دونوں کو دیکھا۔ ''کسی کا ہاتھ کبابوں کے ایک فٹ بھی قریب آیا تو میں نے جوتے مار مار کر شکل بدل دینی ہے۔''

''یہ دھمکی اب پرانی ہو چکی مام ڈارلنگ!'' حنہ نے دو انگلیوں سے مصالحہ اچک کر منہ میں رکھا۔ امی کی ناک کے نیچے سے کچے کبابوں کا آمیزہ کھانا.... آہ وہ... من وسلویٰ تھا یہ۔

ایک زور کا تھپڑ اس کے ہاتھ پہ آ لگا۔ ''ہزار دفعہ کہا ہے درمیان سے مت اچک لیا کرو۔ بے برکتی ہوتی ہے۔'' مگر ان کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

''ندرت'' ابا کو کچھ یاد آیا۔ ''فارس کہہ رہا تھا وہ لوگ نیا گھر لینا چاہ رہے ہیں۔''

''حالانکہ یہ اتنا بڑا گھر کافی ہے سب پہ۔'' ندرت کو بات پسند نہیں آئی تھی۔

''امی آپ کیوں اسٹار پلس والی دادی بننا چاہ رہی ہیں؟ ان کو رہنے دیں جہاں وہ چاہتے ہیں۔'' حنہ نے ناک سکوڑی تھی۔

''لو... میں تو ایک بات کہہ رہی تھی۔''

''امی آپ نا بھائی کی شادی کر دیں۔ یوں رونق آ جائے گی گھر میں۔'' اس نے چٹکی میں حل بتایا۔ ندرت نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کے سعدی کے کمرے کو دیکھا۔ (سیم نے آنکھ بچا کر ذرا سا آمیزہ اٹھا کر منہ میں رکھا۔ من وسلویٰ۔) ''پتہ نہیں کس کی نظر لگ گئی میرے بیٹے کو۔''

''چلو جی۔'' حنہ نے منہ بنایا۔ ''ساری دنیا کے لوگوں کو مسئلے ان کے اعمال کی وجہ سے پیش آتے ہیں' ایک ہم پاکستانیوں کو ہر بات میں یا تو نظر لگتی ہے یا جادو ہوتا ہے۔''

''نظر برحق ہے بیٹا۔'' ابا نے تنبیہہ کی۔

''جی ابا' بالکل برحق ہے' یہ اونٹ کو ہانڈی اور انسان کو قبر تک پہنچا دیتی ہے' مگر جب قرآن میں اللہ تعالیٰ لوگوں پہ آنے والی مصیبتوں کا ذکر کرتا ہے تو فرماتا ہے کہ نمبر ایک' وہ ان کو ان کے اعمال کے سبب پہنچیں' نمبر دو' وہ لوحِ محفوظ میں اللہ نے ایسی ہی لکھ رکھی تھیں۔ مجھے لگتا ہے ابا کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہم پاکستانی نظر اور جادو سے نکل آئیں' اور اپنے مسئلوں اور اعمال کو own کرنا سیکھیں۔ نظر لگتی ہے اور جادو بھی ہوتا ہے مگر ذرا سی باتوں میں نہیں ہوتا۔ رہا آپ کا بیٹا تو والدہ ماجدہ' ادب کے ساتھ' مگر آپ کے بیٹے اور بھائیوں کے اعمال ہی ایسے تھے۔ انہوں نے برے لوگوں کے ساتھ پنگا لیا' گو کہ انہوں نے اچھا کیا تھا' مگر ہر اچھے کام کے نتیجے میں اچھائی تو نہیں ملتی نا۔''

سر پہ ندرت کا تھپڑ لگا تو وہ چپ ہوئی۔ ''زیادہ بک بک نہ کرتی رہا کرو ہر وقت۔ بس ماں کی غلطیاں نکالنے پہ لگتا ہے انعام ملنا ہوتا ہے تم لوگوں کو۔ اب جاؤ' بھائی کو بلا کر لاؤ' کھانے کا بتائے' کیا کھائے گا' میں وہی بناؤں۔''

''امی یہ کباب فرائی کر دیں۔'' اسامہ چہکا۔

''یہ مہمانوں کے لئے ہیں۔ ہٹو اب۔'' اور جب حنین بھائی کے کمرے کی طرف جا رہی تھی تو پیچھے سے سیم کے ''مہمانوں'' کی شان میں قصیدے سن سکتی تھی۔ (کسی کے گھر جاؤ تو نہیں کھانے دیتیں.... اور اپنے گھر میں ہر اچھی چیز مہمانوں کے لیے رکھ دیتی ہیں۔)

سعدی اندھیرا کیے صوفے پہ بیٹھا فون دیکھ رہا تھا۔

''بھائی۔'' حنہ اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی' پھر جھک کر دیکھا۔ وہ ہاشم کا ٹوئیٹر دیکھ رہا تھا۔ تصویر میں ہاشم تھا' اسٹائلسٹ اس کے کوٹ کا کالر درست کر رہا تھا' اور آگے پیچھے لوگ کام کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ''وکٹری پارٹی۔ کاردارز کا ٹیم۔ تھینک یو پاکستان۔ سرکار بنام نوشیرواں کاردار۔'' یہ تمام الفاظ Hashtag کر کے لکھے گئے تھے۔

''اس کو مت دیکھا کریں بھائی۔ اب بس نکل چکے ہیں یہ لوگ ہماری زندگی سے۔''

''یہ مایا ہے.... ڈاکٹر مایا....'' وہ تیزی سے بولا تو حنین سناٹے میں رہ گئی۔

''یہ جو لڑکی کونے میں نظر آ رہی ہے' سائیڈ پوز!'' وہ زوم کر کے دیکھ رہا تھا۔ بے یقینی سے۔ حیرت سے۔ ''یہ مایا ہی ہے۔ یہ ہے وہ گواہ جو ہم ڈھونڈ رہے تھے۔'' مگر حنہ نے اسکرین پہ ہاتھ رکھ دیا۔

''مگر اب کوئی فائدہ نہیں۔ اس کو بند کریں اور باہر آئیں۔ امی بلا رہی ہیں۔''

وہ کہہ کر خود تو آ گئی' مگر جب کافی دیر گزرنے کے بعد سعدی نہ آیا تو حنہ دوبارہ اس کے کمرے میں گئی۔

کمرہ خالی تھا۔ بیرونی گیلری کو جاتا دروازہ کھلا تھا۔ الماری کے پٹ کھلے تھے' ہینگر بیڈ پہ پڑا تھا۔ گویا اس نے لباس بدلا تھا۔ حنین دم بخود سی کھڑی رہ گئی۔ پھر میز پہ نظر پڑی جہاں سیاہ فون بک کھلی نظر آ رہی تھی۔ یہ زمر کی تھی جس میں وہ عرصے سے وکلاء اور ججز کے گھر کے پتے لکھ کر محفوظ کرتی تھی۔ حنہ نے صفحے پلٹائے۔ ایچ نکالا۔ ہاشم کاردار۔ اس کے دو تین پتے لکھے تھے۔ تیسرا کاردارز کا ٹیم کا تھا.... اس کا فارم ہاؤس جو چک شہزاد کی طرف تھا۔

وہ فوراً باہر بھاگی۔ اس کا دل بری طرح سے کانپ گیا تھا۔ یوں لگتا تھا اکیس مئی کی صبح پھر سے آن پہنچی ہو.... وہ تب بھی تیار ہو کر.... سوٹ پہن کر گھر سے گیا تھا.... بغیر بتائے.... نہیں.... آج نہیں.....

❖❖❖

منظر جو آنکھ میں ہے گنوا دیجئے اسے ..... پتھر جو دل پہ ہے اسے کیسے ہٹائیے

ذرا سی بارش ہوئی تھی مگر درخت اور پودے نہا کر سرسبز نکل آئے تھے۔ مٹی کی سوندھی خوشبو سارے میں رچ بس گئی تھی۔ زمر کار سے

نیچے اتری اور گردن اٹھا کر دھلے دھلائے خوبصورت بنگلے کو دیکھا تو ہونٹوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ سن گلاسز آنکھوں سے اوپر لے جا کر ماتھے پ
لیں۔ فارس ڈرائیونگ ڈور بند کر کے باہر نکلا اور مسکراتا اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''کیسا لگا ممکنہ طور پہ ہمارا نیا گھر؟''

''اچھا ہے۔'' اس نے مسکرا کے سراہا۔ وہ دونوں اب کار کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے بنگلے کو دیکھ رہے تھے۔

''اس چڑیا گھر سے تو بہت ہی اچھا ہے۔'' وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔ زمر نے خفگی سے آنکھیں گھما کر اسے دیکھا۔

''میرے گھر والوں کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو؟''

''کیونکہ بی بی آپ سے زیادہ وہ میرے گھر والے ہیں۔''

''مس کرو گے تم ان کو۔'' زمر نے واپس گھر کی طرف چہرہ موڑ لیا۔

''میں انشاء اللہ تعالیٰ کسی کو بھی مس نہیں کروں گا۔'' وہ جھرجھری لے کر بولا تھا۔

''مگر میں ان کے بغیر رہوں گی کیسے؟'' وہ مصنوعی اداسی سے بولی۔ فارس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''جی جی۔ آپ تو جیسے بڑی خدمت گزار بہو ہیں۔ دن میں چھے قسم کے کھانے بناتی ہیں' اور بڑا لگاؤ ہے آپ کو جوائنٹ فیملی سے۔'

''یہ تم ہمیشہ سے اتنے ہی طنز کرتے تھے کیا؟'' وہ اب سچ مچ برا مان گئی تھی۔

''آپ کی صحبت کا اثر ہے۔''

''ہم گھر دیکھنے آئے ہیں یا لڑنے؟''

''جو آپ کا موڈ ہو' آپ بتا دیں۔''

''ہونہہ۔'' ناک سکوڑ کر اس نے سر جھٹکا اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ آگے گئی تو فارس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر آئی' مگر جلدی سے سنجیدہ چہرہ بنا تا اس کے پیچھے لپکا۔

''تم خوش ہو؟'' اس کے ساتھ اندر جاتے اس نے پھر سے اسے چھیڑا۔

''ہم کیس ہار گئے۔ مجھے کیسا ہونا چاہیے۔'' وہ واقعی اداس ہوئی۔

''جیت کر کیا ہوتا۔ وہ اپیل کرتے اور شیرو بری ہو جاتا۔ یا ہاشم اسے جیل سے غائب کروا دیتا اور ملک سے باہر بھجوا دیتا۔ سب کا وقت بچ گیا۔ اب نئی زندگی کا سوچو۔'' وہ اس نئے تعمیر شدہ مکان کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے۔ وہ آگے تھی اور وہ پیچھے چل رہا تھا۔

''نئی زندگی میں تم اچھے اور شریف ہو جاؤ گے کیا؟'' وہ مڑ کر سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''استغفر اللہ۔'' وہ بڑبڑایا۔ دو چار فقرے زبان تک آئے تھے مگر فون کی گھنٹی.... اس نے برے موڈ سے موبائل نکال کر دیکھا۔ حنین کالنگ۔ اس کا دماغ گویا بھنا اٹھا۔

''حنین تم آخر پیدا کیوں ہوئی تھیں ہمارے گھر؟ کیا تم پہ لازم ہے کہ جب آدمی مصروف ہو' تم کوئی نہ کوئی کال کر کے ضرور دماغ خراب کرو گی۔'' وہ واقعی غصے سے بول رہا تھا مگر دوسری طرف کے الفاظ سن کر اس کے ماتھے کے بل ڈھیلے پڑے۔ چہرہ پھیکا پڑا۔

''کب گیا ہے وہ؟ ہم آ رہے ہیں۔'' ساتھ ہی فون بند کرتے زمر کو دیکھا جو چونک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ ''کیا ہوا؟''

''سعدی.....'' اور وہ نیچے دوڑا۔ وہ بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔ ایک دم سے سب کچھ بدل گیا تھا۔

.....❖❖❖.....

یہ اہلِ ہجر کی بستی ہے احتیاط سے چل! ..... مصیبتوں کی یہاں انتہا گزرتی ہے

کاردارز کا ٹیج چھوٹا سا تھا مگر اس کے چاروں اطراف کھلے سبزہ زار بکھرے تھے۔ کاٹیج کی چار دیواری لکڑی اور شیشوں کی بنی تھی۔ دروازے کھڑکیاں.... سب اونچے شیشوں سے مرصع تھے۔ دعوت شروع ہو چکی تھی اور ائیر کنڈیشنڈ لاؤنج میں کھڑے مہمانوں کو شیشے کی کھڑکیوں سے اطراف میں پھیلا سبزہ زار صاف دکھائی دیتا تھا۔ اندر میوزک کا شور کافی تھا' لوگ ہاتھوں میں گلاس لئے' ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ کاٹیج کے کچن میں آؤ تو اس کے ساتھ ایک اور کمرہ بنا تھا۔ اس میں دیوار گیر آئینہ لگا تھا اور سامنے کھڑا ہاشم ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔

''سب ٹھیک جا رہا ہے؟'' اس نے اپنے عکس کے پیچھے نظر آتے رئیس کو دیکھ کر پوچھا۔

''یس سر! آپ کے ٹوئیٹر پہ وہ فوٹو شاپڈ پکچر لگا دی ہے۔ سعدی دیکھے گا تو سمجھے گا کہ یہ ڈاکٹر مایا ہے اور وہ دیکھنے ضرور آئے گا....''

پن اسٹرائپ کوٹ پہنتے ہوئے وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر مسکرایا۔ ''میک شیور کہ اسے آرام سے اندر داخل ہونے دیا جائے۔ وہ مایا کو ڈھونڈنے کی کوشش کرے گا' جو یہاں ہے ہی نہیں۔'' وہ اب دھیمی آواز میں مزید ہدایات دے رہا تھا.....

فارس جس وقت دھاڑ سے دروازہ کھول کر مور چال کے لاؤنج میں داخل ہوا' حنین بے چینی سے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی اور پیچھے ابا' ندرت اور سیم پریشان سے بیٹھے تھے۔

''کون سی ڈائری ہے' دکھاؤ۔'' وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ راستے میں جتنا سن چکا تھا' وہ بہت تھا۔ آگے بڑھا' حنہ سے ڈائری خود ہی جھپٹ لی اور صفحے پلٹائے۔ بار بار بالوں میں انگلیاں چلاتا' آستین سے پیشانی پونچھتا۔

''اس کا فون کیوں آف ہے؟'' پیچھے پریشان سی زمر فون کان سے لگائے اندر آ رہی تھی' وہ سارا راستہ اسے کال کرتی رہی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' حنہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''میرے بھائی کو واپس لائیں۔''

''فارس.... وہ کیا کرنے گیا ہے ادھر....'' ندرت نے کچھ کہنا چاہا مگر گلا رندھ گیا۔ انہوں نے سر پکڑ لیا۔ مگر وہ کسی کو نہیں سن رہا تھا۔ اس نے بس ڈائری سے ایک صفحہ پھاڑا اور باہر کو بھاگا۔ ''میرے آنے تک کوئی گھر سے نہیں نکلے گا۔ میں اس کو لے کر آتا ہوں۔'' جاتے جاتے ایک نظر زمر پہ ڈالی۔ ''میں آ رہا ہوں۔ بس اس کو لے کر!'' کوئی وعدہ تھا جو اس نے کیا۔ ایسا ہی ایک وعدہ ندرت کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کر بائیس مئی کی صبح بھی کیا تھا۔ وہ سب پرامید آنکھوں سے اسے دیکھے گئے اور وہ کسی الوداع' کسی سلام کے بغیر باہر نکل گیا۔

''اوہ سعدی.... تم ایسا کیوں کرتے ہو؟'' زمر سر ہاتھوں میں لیے صوفے پہ بیٹھتی چلی گئی۔

.....❖❖❖.....

پتھر ہو تو کیوں خوفِ شبِ غم سے ہو لرزاں؟ ..... انساں ہو تو جینے کی ادا کیوں نہیں آتی

وہ خوبصورت سا بنگلہ شام کے اس پہر تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ سعدی ملازم کی معیت میں اندر داخل ہو رہا تھا۔ کوٹ کے نیچے سفید شرٹ پہنے' بال بنائے' وہ کافی سنجیدہ اور سوبر دکھائی دے رہا تھا۔ ملازم اسے اسٹڈی روم کے دروازے تک لے آیا اور پھر رخصت ہو گیا۔ اس نے گہری سانس لے کر دروازہ دھکیلا۔

اندر میز کے پیچھے جج صاحب عابد آغا بیٹھے تھے۔ دونوں ہاتھ باہم ملائے' وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا تمہارا یہاں آنا' کیونکہ میں عدالت میں فیصلہ دے چکا ہوں۔ تمہارا مجھ سے ملنا ہر طرح سے غلط ہے۔ لیکن تم نے درخواست کی تھی' اس لئے میں نرمی برت رہا ہوں۔ بیٹھو۔'' وہ سنجیدگی سے بولے تھے۔

سعدی دروازہ بند کر کے ان کے سامنے آ کر بیٹھا۔ کمرے میں پھر سے خاموشی چھا گئی۔ شیلف میں رکھی موٹی موٹی قانون کی کتابیں بوریت سے اس خاموشی کو سننے لگیں۔

''آج ہاشم کا ردار وکٹری پارٹی دے رہا ہے یور آنر۔ اور اس میں وہ گواہ بھی شامل ہے جس کو میں ڈھونڈ رہا تھا۔'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''پہلے میں نے سوچا کہ وہیں جاؤں۔ زمر کی ڈائری کھولی تا کہ اس کے کاٹیج کا ایڈریس دیکھوں مگر وہاں آپ کا نام دیکھا تو یہیں چلا آیا۔'' وہ غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''میں یہاں آپ سے کچھ پوچھنے آیا ہوں یور آنر۔ کیا میں واقعی ساری دنیا کو جھوٹا لگتا ہوں؟''

''سعدی!'' ہاتھ باہم پھنسائے جج صاحب نے گہری سانس لی۔ اسٹڈی میں پھیلی مدھم روشنی نے ماحول کے تناؤ کو بڑھا دیا تھا۔

''جس وقت تم لوگ..... پہلے دن..... میرے کورٹ روم میں داخل ہوئے تھے..... میں کیا' کچہری کا ہر ریڈر' رپورٹر' ہر وکیل' جج' حتیٰ کہ جھاڑو لگانے والا خاکروب اور جو باہر فوٹو کاپی کرنے والے بیٹھے ہوتے ہیں' وہ بھی یہ جانتے تھے کہ تمہیں کس بھائی نے گولیاں ماریں' اور کس بھائی نے اغوا کر کے سری لنکا بھیجا۔ سب کو پہلے دن سے معلوم تھا کہ تم سچ کہہ رہے ہو۔''

سعدی دم سادھے بیٹھا رہا۔ ''آپ سب جانتے تھے؟''

''آج تمہیں ایک بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا ہوگا۔'' وہ قدرے آگے کو جھکے۔ ''عدالت میں دو طرح کے مقدمے ہوتے ہیں۔ یعنی جرائم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کرمنل کیسز۔ اور کرپشنز کیسز۔ کرمنل کیسز جیسے قتل' چوری' اغوا وغیرہ کے مقدمے۔ اور کرپشن کیسز جیسے کسی سیاستدان یا سرکاری افسر نے اپنے عہدے کا فائدہ اٹھا کر ملک کی ترقی کے لئے جو فنڈز ہوتے ہیں ان میں سے رقم ہیر پھیر کر کے اپنے اکاؤنٹس میں بھری ہو۔ جب کسی پہ کرپشن کا الزام لگتا ہے تو ساری دنیا میں قانون یہی ہے کہ بارِ ثبوت ملزم پہ ہوتا ہے' یعنی جس سیاست دان پہ الزام لگا ہے' اس کو خود ثبوت دے کر اپنے پیسے کو حلال کا پیسہ ثابت کرنا ہے۔ کرپشن کیسز میں الزام لگانے والا ثبوت نہیں دیتا۔ سمجھ آ گیا؟''

سعدی کا سر اثبات میں ہلا۔

''اسی طرح پوری دنیا میں..... جب کرمنل کیس چلتا ہے..... قتل' چوری' اغوا وغیرہ کے مقدمے..... تو ثبوت الزام لگانے والے کو دینا ہوتا ہے۔ کرپشن کیس کے برعکس۔ ٹھیک؟''

''ٹھیک!'' وہ جانتا تھا' مگر سر کو خم دیے سنے گیا۔

''تمہارے کیس میں سب کو معلوم تھا کہ تم سچے ہو' وہ جھوٹے ہیں' مگر سعدی یوسف خان' تمہارے پاس ثبوت نہیں تھے۔ میں نے سنا ہے تمہارے پاس کوئی ویڈیو بھی تھی ہاشم کے دفتر کی مگر تم نے اور ہاشم نے ڈیلنگ کر کے اس کو دبا دیا کیونکہ اس میں تمہاری بہن پہ انگلی اٹھنے کا خطرہ تھا۔ یہ باتیں کچہری میں کبھی نہیں چھپتیں۔ سب کو سب پتہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں ہر سو میں سے ننانوے قتل جب ہوتے ہیں تو چوبیس گھنٹوں میں سب کو قاتل کا پتہ چل جاتا ہے۔ مگر سزا اس لئے نہیں ملتی کیونکہ قانون کمزور ہے۔ یہ قانون ججز نے نہیں بنائے' ہم نے صرف اس قانون کو مدِ نظر رکھ کر فیصلے کرنے ہیں۔ یہ جن کو تم ووٹ دے کر اسمبلیوں میں بھیجتے ہو' انہوں نے بنانے ہیں قانون۔ قانون کہتا ہے کیس میں reasonable doubt تک نہ آئے مگر تمہارے کیس میں شک تھا۔ جج انتظار کرتا ہے کہ ثبوت لاؤ' ثبوت لاؤ' گواہ لاؤ' گواہ لاؤ۔ تم لوگ گواہ اور ثبوت نہیں لاتے تو جج کا کیا قصور؟ ڈاکٹر سارہ اسٹینڈ پہ کھڑے ہو کر ہاشم سے کہتی ہیں کہ تم میرے شوہر کے قاتل ہو۔ مگر تم لوگ ہاشم کے خلاف کوئی کیس پر سو ہی نہیں کر رہے تھے۔ تمہارا سارا زور نوشیرواں پہ تھا' اور میں جانتا ہوں کہ وہ مجرم تھا' accompile تھا لیکن اگر تم اسی کیس کو ہاشم کے خلاف لڑتے تو شاید ثبوت مل جاتے۔ میرا کام اپنی معلومات' اپنے دل کی گواہی اور سنی سنائی باتوں پہ فیصلے کرنا نہیں ہے۔ مجھے ان چیزوں کو دیکھنا ہے جو تم لائے ہو وہ کمزور تھیں اور پھر مجھے مجبوراً ملزم کو فائدہ دینا پڑا۔''

''بھلے آپ کو اندر سے معلوم ہو کہ وہ مجرم ہے؟''

''بھلے مجھے معلوم ہو کہ وہ مجرم ہے' مجھے فیصلہ اپنے اندر کی گواہیوں پہ نہیں کرنا۔ تم نے دو قتل کیے' تمہارے خلاف کارروائی کیوں نہیں

ہوئی؟ کیونکہ قانون شہادت تمہیں پروٹیکٹ کرتا ہے۔ اگر ملزم قانون کی محبوب اولاد نہ ہو تو فارس غازی جیسے بے گناہ بھی کبھی جیلوں سے نہ نکل سکیں۔ یہ ''شک کے فائدے'' کا قانون جہاں نوشیرواں جیسے لوگوں کو بچا لیتا ہے' وہاں فارس غازی جیسوں کو بھی بچا تا ہے۔ اب پوچھو اور کیا پوچھنا ہے۔''

''یور آنر'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ اور آگے کو ہوا۔ آنکھیں ان کی آنکھوں میں ڈالے' اس نے بات کا آغاز کیا۔ ''آپ نے واللہ بہت اچھی تقریر کی' چند لمحوں کے لئے تو میں بھی کنوینس ہو گیا' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں ہوں اکیسویں صدی کا پاکستانی نوجوان۔ آپ میں اور مجھ میں فرق ہے۔ آپ کے زمانے کی یوتھ نے اس ملک کو لوٹ کھایا تھا' ہماری یوتھ ویسی نہیں ہے۔ اس لئے اب میری بات تحمل سے سنیں' اور سمجھیں' اور میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ آگے جا کر اپنے تمام ججز کو بھی بتا دیں۔ اور جو میں کہنے جا رہا ہوں اس کے کسی لفظ پہ توہین عدالت لاگو نہیں ہوتی۔ اب وہ وقت آ گیا ہے جب ججز کو توہین عدالت کے پیچھے چھپنے کی بجائے اپنے اوپر ہونے والی تنقید برداشت کرنی چاہیے۔ آپ کہتے ہیں' بارِ ثبوت میرے اوپر تھا۔ ٹھیک۔ مگر میں ثبوت لایا تھا۔ میں گواہ لایا تھا۔ جانتے ہیں سب سے بڑا گواہ کون تھا؟ میں تھا۔ میں سعدی یوسف سب سے بڑا گواہ تھا۔ ڈاکٹر سارہ اگر نفسیاتی مریض تھیں تو اتنے بڑے عہدے پہ کیسے کام کر رہی تھیں۔ پھر بھی' اگر وہ کریڈیبل نہیں تھیں' تو میں تو تھا نا۔ میری گواہی کا کیا ہوا سر؟ مجھ پہ تو دو قتل ثابت بھی نہیں ہوئے تھے۔ مجھ پہ دہشت گردی ثابت بھی نہیں ہوئی تھی۔ ہاشم نے تو صرف الزام لگائے' اس نے کوئی ثبوت تو نہیں دیا میرے خلاف۔ اس کے گواہ بھی کریڈیبل نہیں تھے' پھر میں کیسے ڈس کریڈٹ ہو گیا سر؟ آپ کی جگہ اگر یہ کیس کسی امریکی یا مغربی عدالت میں لڑا جاتا تو میری گواہی پہ فیصلہ ہو جانا تھا۔ لیکن میرے ملک کے ججز جو ''ثبوت'' سے کہتے ہیں کہ خود کو ثابت کرو' کیا یہ ججز بچے ہیں؟ کیا اس ملک میں اندھے قانون' بہرے جج اور گونگے ملزموں کا ہی راج رہے گا؟ اندھا قانون جو دیکھ نہیں سکتا کہ کون کریڈیبل ہے اور کون نہیں۔ بہرہ جج جو مدعی کی بات نہیں سنتا.... اور ملزم جو اپنا خاموشی کا حق انجوائے کرتے ہوئے گونگا بنا رہتا ہے۔ یور آنر آپ بے شک ایک ایماندار جج ہیں لیکن سارا مسئلہ یہی ہے کہ میرے ملک کو ایماندار ججز کی نہیں' بہادر ججز کی ضرورت ہے۔ ججز قانون نہیں بناتے' ٹھیک.... قانون سیاست دان بناتے ہیں' ٹھیک۔ مگر ججز Precedents تو سیٹ کر سکتے ہیں نا۔ ججز کے فیصلے قانون بن جاتے ہیں' اگر اس ملک کو بہادر جج مل جائیں اور وہ فیصلے کرنے پہ آ جائیں تو انہی فیصلوں کی بنیاد پہ کمزور ثبوت کے باوجود آئندہ فیصلے درست دیے جائیں گے۔ ہمارے ملک میں ایماندار ججز بہت زیادہ' مگر بہادر ججز بہت کم ہیں سر۔ مجھے آج یہ کہہ لینے دیجئے یور آنر' بہت ادب سے' کہ ججز کا کام بنچ پہ بیٹھ کر گھمنڈ ظاہر کرنا یا مزاحیہ ریمارکس دے کر کے ہیڈ لائن بننا نہیں ہوتا۔ یہ اینکرز اور سیاست دانوں کا کام ہوتا ہے۔ آپ کا کام ہے آخر میں درست فیصلہ کرنا۔ انصاف نہیں کرنا' بلکہ عدل کرنا۔ عدل اور انصاف میں فرق ہوتا ہے یور آنر۔ انصاف کہتا ہے کہ دو لوگ ہوں اور روٹیاں تین تو دونوں کو ڈیڑھ ڈیڑھ روٹی دو' مگر عدل کہتا ہے کہ دونوں آدمیوں پہ غور کرو۔ جو کئی دن سے بھوکا ہے' اس کو دو روٹیاں دو' اور جو پہلے ہی سیر ہے اس کو ایک دو۔ انصاف کہتا ہے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹو مگر عدل کہتا ہے' جو قانون روٹی نہیں دے سکتا وہ ہاتھ نہیں کاٹ سکتا۔ انصاف کہتا ہے سعدی یوسف قاتل ہے' عدل کہتا ہے' سعدی یوسف کو اس راستے پہ نہ چلنا پڑتا اگر قانون فارس غازی کو چار سال تک لٹکا کر نہ رکھتا۔ ہمیں منصف ججز نہیں چاہئیں۔ ہمیں عادل ججز چاہئیں۔ اگر ہارون عبید جیسے سیاستدان' ہاشم جیسے وکیل اور جواہرات کاردار جیسے کاروباری لوگ کرپٹ ہیں تو آپ ججز ان سے زیادہ کرپٹ ہیں کیونکہ آپ کی ذمہ داری دہری تھی۔ آپ کہتے ہیں سر' ملزم کو شک کا فائدہ دیا جاتا ہے' درست' مگر یہی فائدہ غریب ملزم کو کیوں نہیں دیا جاتا؟ امیر ملزم کی ضمانت کیوں منظور ہو جاتی ہے؟ فارس غازی کی چار سال تک کیوں نہیں منظور ہوئی تھی؟ آپ نے جو فیصلہ دیا' بالکل قانون کے مطابق دیا' میں مانتا ہوں' مگر یہ انصاف کیا آپ ججز قانون کے لئے کرتے ہیں یا اسلئے کہ ٹی وی پہ اینکرز نکتے نہ اٹھائیں؟ سر میں تب اٹھارہ سال کا تھا جب ججز کی بحالی کی تحریک چلی تھی۔ میں تب انگلینڈ نہیں گیا تھا۔ اور جتنا ہو سکا' میں اس تحریک میں شامل رہا تھا۔ مجھے آج بھی اپنے کردار پہ فخر ہے' کیونکہ ہم نے عدلیہ کے لئے تحریک چلائی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ سابق چیف

جسٹس اپنے الگ ایجنڈے پہ چل پڑے' لیکن آج مجھے یہ کہہ لینے دیجئے' کہ عدلیہ تو آزاد نہیں ہوئی' مگر دو چیزیں دیں ہمیں اس تحریک نے۔ دو باقیات۔'' اس نے انگلیوں کی وی بنا کر دکھائی۔ ''متکبر جج اور متشدد وکلاء!''

اسٹڈی میں ایسا گہرا سناٹا چھا گیا کہ سوئی گرنے سے بھی آواز پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ جج صاحب سنجیدہ چہرے سے اسے دیکھے گئے۔ وہ وکٹری کی وی دکھا کر کہہ رہا تھا۔ ''متکبر اور متشدد۔ یہ بنا دیا ہے اس تحریک نے آپ ججوں اور وکیلوں کو۔ آپ لوگ تو جانتے ہیں کہ اس ملک میں ثبوت اور گواہ کیسے غائب کرا دیے جاتے ہیں' پھر کیوں آپ کی ناک پہ ممکنہ ثبوت نہیں ٹکتے؟ کیوں ناممکن ثبوت مانگتے ہیں آپ ملزموں کو سزا دینے کے لئے؟'' جج صاحب نے گہری سانس لی اور ٹھنڈے انداز میں کہا۔

''تم اگر جج ہوتے تو قانونی پیچیدگیاں اور باریکیاں زیادہ بہتر سمجھ سکتے۔ میں مجبور تھا۔''

''اگر میری جگہ آپ کا بیٹا ہوتا' اور وہ اپنے ظلم کی داستان سناتا' اور اپنے زخم دکھاتا' کیا تب بھی آپ اس کو کریڈیبل گواہ تصور نہ کرتے؟''

اور وہ کتنی ہی دیر کچھ بول نہ سکے۔ لب کھولے' پھر بند کیے۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔ سعدی نے ایک آخری ملامتی نظر ان پہ ڈالی' دو الفاظ بولے۔ ''متکبر جج اور متشدد وکلاء! یہ الفاظ آپ سب ججز اور وکلاء کو یاد رکھنے چاہئیے ہیں۔''

جب وہ کار میں آ کر بیٹھا تو چند لمحے گہرے سانس لے کر خود کو ٹھنڈا کیا۔ جج صاحب کو اتنا سب سنا کر بھی ایک سوال کا جواب نہیں ڈھونڈ پایا تھا وہ۔ آخر فائدہ کیا ہوا اس سب کا؟ اتنی جہد' اتنی خواری' عدالتوں کے دھکوں کے بعد ہار جانے کا؟ شاید یہ سب واقعی بے کار تھا' جیسے فارس کہتا تھا۔ اس نے فون اٹھایا اور ائیر پلین موڈ آف کیا۔ جو اس نے عادتاً لگا دیا تھا کہ کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ فون کی جان واپس آئی تو فوراً چیخنے لگا۔

''جی زمر۔'' اس نے آواز کو ہموار کر کے فون کان سے لگایا۔

''اوہ شکر سعدی.... تم.....'' وہ پہلے خوشی اور نڈھال انداز میں بولی پھر آواز میں غصہ در آیا۔ ''تم کیوں جا رہے ہو ادھر؟ فوراً واپس آؤ۔''

''کدھر گیا تھا میں؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''تم ہاشم کی پارٹی میں جا رہے ہو نا؟ جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔ فوراً واپس آؤ۔''

''میں ادھر نہیں گیا۔'' آواز دھیمی ہوئی۔ ''میں جج صاحب سے ملنے گیا تھا۔ مگر واپس آ رہا ہوں۔ ہاشم کی طرف جا کر کیا کرنا ہے میں نے؟''

ادھر زمر نے فون بند کیا تو سب خوشی اور فکرمندی کے ملے جلے تاثرات سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''وہ ٹھیک ہے۔ واپس آ رہا ہے۔'' وہ تھک کر صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ''شکر'' لاؤنج میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اور ابھی وہ ٹھیک سے پرسکون بھی نہ ہو پائی تھی جب.....

''فارس کو کال کرو' اسے کہو کہ وہ واپس آئے۔'' بڑے ابا کی آواز نے اس کے کانوں میں صور پھونکا۔ وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی اور جلدی جلدی نمبر ملایا۔

''کچھ پتہ چلا؟'' وہ ڈرائیو کر رہا تھا۔

''وہ آ رہا ہے۔ میری ڈائری سے جج صاحب کا پتہ لے کر گیا تھا۔ تم واپس آ جاؤ۔''

''اچھا۔'' وہ اب کار روک چکا تھا اور باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کاردارز کا ٹیج سامنے تھا۔

''فارس تم فوراً واپس آؤ۔ ہاشم سے کچھ بعید نہیں ہے۔'' وہ پریشانی سے بولی۔

''میں.... آرہا ہوں۔'' اس نے فون بند کیا' اور اسے سائیلنٹ کر کے جیب میں ڈال دیا۔ چند لمحے اسٹیئرنگ کو دیکھتا رہا۔ واپس جائے یا.... نگاہیں دور نظر آتے گیٹ اور مہمانوں کی گاڑیوں کی طرف اٹھائیں.... آخر وہ کرنا کیا چاہتا ہے؟ ڈاکٹر مایا کی تصویر پوسٹ کرنے کا مقصد سعدی کو مدعو کرنا تھا۔ وہ عموماً ہاشم کے پلان دیر سے سمجھا کرتا تھا۔ آج جلدی سمجھ گیا تھا۔ تو کیا وہ واپس مڑ جائے؟

ایک فیصلہ کر کے وہ باہر نکل آیا۔

بالائی منزل پہ کھڑے رئیس نے کوٹ کی آستین چہرے کے قریب لے جا کر کہا۔ ''سر فارس آیا ہے۔''

اندر مہمانوں کے درمیان کھڑے ہاشم نے کان میں لگا آلہ دبایا۔ ''خیر.... ایک ہی بات ہے۔ سعدی نہیں' تو فارس سہی۔ اسے اندر آنے دو۔''

''راجر باس!'' وہ مسکرایا۔

.....❖❖❖.....

میں نہ کہتا تھا کہ سانپوں سے اَٹے ہیں رستے ..... گھر سے نکلے تھے تو ہاتھوں میں عصا رکھنا تھا

گیٹ پہ مستعد کھڑے گارڈز غیر معمولی طور پہ کسی کا دعوت نامہ چیک نہیں کر رہے تھے۔ جو آرہا تھا اس کو اندر جانے دے رہے تھے۔ اسے بھی کسی نے نہیں روکا۔ ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر آئی۔ (سو ہاشم چاہتا ہے کہ میں اندر آؤں؟ انٹرسٹنگ۔ اتنے لوگوں کے سامنے گولی تو مار نہیں سکتے یہ مجھے۔ کیا کر لیں گے زیادہ سے زیادہ۔) کچھ دلچسپی تھی' کچھ تجسس تھا' وہ اسی طرح چلتا پتھریلی روش پہ آگے بڑھتا گیا۔ آنکھیں سکوڑ کر ساری اطراف کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔ سبزہ زار خالی تھا۔ اندر شیشے اور لکڑی کے کاٹیج میں مہمان ہی مہمان بھرے تھے۔ آخر کیا ہونے جا رہا ہے پارٹی میں؟ اچنبھا سا اچنبھا تھا۔

وہ کاٹیج کے شیشے کے دروازے کے باہر آ کھڑا ہوا۔ اندر نہیں گیا۔ اندھیرا پھیل رہا تھا' جس کے باعث چمکتا ہوا لاؤنج صاف نظر آ رہا تھا۔ جا بجا لوگ ٹولیوں کی صورت کھڑے تھے۔ ویٹرز ٹرے اٹھائے سرو کر رہے تھے۔ تبھی ہاشم برآمدے کی سیڑھیاں اتر کے باہر آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر بھی مسکراہٹ چہرے سے جدا نہیں ہوئی۔

''تم کیسے آئے؟'' ہلکے سے طنز سے فارس کے قریب آ کر بولا۔

''میں ڈاکٹر مایا کو ڈھونڈنے آیا ہوں۔ تم نے ہی کھلم کھلا دعوت نامہ دیا تھا نا' کزن!'' وہ بھی ہلکا سا مسکرایا۔ ہاشم آگے بڑھا' اسکا کندھا تھپتھپایا' کان کے قریب جا کر Happy Searching بولا' اور واپس مڑ گیا۔ فارس نے نگاہ اٹھا کر اوپر فضا میں اڑتے ڈرون کیمرے کو دیکھا جو کسی بڑی مکڑی کی طرح اس کے آس پاس چکر کاٹ رہا تھا۔ دور ایک سیکیورٹی کا نوجوان ڈرون کا ریموٹ اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ بھی فارس کو دیکھ رہا تھا۔ نگاہیں ملنے پہ دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔

(یہ میری فلم بنا کر مجھے پھر سے فریم کرنے جا رہا ہے۔ ہوں۔ گڈ۔) وہ ہلکا سا محظوظ ہوا اور اندر داخل ہو گیا۔ آنکھیں متلاشی انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ خوش باش مہمان۔ مصنوعی قہقہے۔ خوبصورت سجاوٹ' باربی کیو کی خوشبو۔ سب نارمل تھا۔

''واٹ اے سرپرائز!'' شناسا آواز پہ وہ پلٹا' پھر منجمد ہو گیا۔ ڈاکٹر ایمن مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ انگلی کا ہیرا ہمیشہ کی طرح دمک رہا تھا۔

''آپ؟ ادھر؟'' وہ حیرت چھپا نہ سکا۔

''بالآخر ہاشم کاردار نے وفاداری کا صلہ دینے کے لئے ہمیں بلا ہی لیا۔ تم بھی یہاں ہو گئے' امید نہیں تھی۔ انجوائے دی پارٹی!'' جتا

کر کہتے ہوئے اس نے جاتے جاتے اس کی کہنی کو ہلکا سا چھوا۔نوکیلی انگوٹھی اسے چبھی تھی اور اس کی چبھن نے اس کے دماغ کی ساری گرہیں کھول دی تھیں۔سحر زدہ سی کیفیت میں اس نے چہرہ مشرق مغرب شمال غروب۔

سب نارمل تھا۔سوائے مہمانوں کے۔ان میں شناسا چہرے بھی تھے۔بہت ہی شناسا۔وہ الیاس فاطمی تھا جو کونے میں کھڑا' کافی کمزور سا لگ رہا تھا اور سر ہلاتے ہوئے کسی مہمان سے بات کر رہا تھا۔وہ نیاز بیگ تھا جو ایک طرف کھڑا مشروب پی رہا تھا۔(وہ ضمانت پہ رہا ہو چکا تھا۔) ڈاکٹر ایمن اور اس کا شوہر...سیکرٹری حلیمہ.... پراسیکیوٹر بصیرت....جس کی وکالت نے چار سال فارس کو جیل سے نہیں نکلنے دیا تھا۔وہ مزید گھوما....جسٹس سکندر....چند پولیس افسران جن کا سعدی کی گمشدگی سے تعلق رہا تھا....ڈاکٹر آفتاب....پوسٹ مارٹم کا ماہر....کرنل خاور اور اس کا بیٹا جو بجھا بجھا سا باپ کی وہیل چیئر کے ساتھ کھڑا تھا۔زندگی اور فارس کی دی گئی سزاؤں کے بعد بھی وہ زندہ سلامت کھڑے تھے۔اجڑے اجڑے مگر زندہ تھے۔ان کے علاوہ چند مہمان اور بھی تھے' مگر یہ شناسا چہرے....وہ سناٹے میں رہ گیا۔

وہ واقعی وکٹری پارٹی تھی۔وہ ان کو....اپنے مددگاروں کو اکٹھا کر کے انعام سے نوانا چاہتا تھا۔مگر وہ فارس کو ان کے درمیان گھومنے سے روک بھی نہیں پا رہا تھا۔اس کی چھٹی اور ساتویں آٹھویں حس' سب نے سرخ بتی دکھانا شروع کی۔یہاں مایا نہیں تھی' اگر ہو بھی تو اس کو ڈھونڈنا بے سود تھا۔اسے یہاں سے فوراً نکل جانا چاہیے۔

وہ آگے بڑھا۔داخلی دروازہ لاؤنج کے وہ دور آخری کنارے پہ تھا۔وہ دروازے کی طرف قدم بڑھا رہا تھا' راستے میں بہت لوگ تھے۔گھٹن' پھنس جانے کا احساس....کنکھیوں سے نظر آیا' ایک ویٹر باری باری مخصوص لوگوں کے پاس جا رہا تھا۔ان کے کان میں کچھ کہتا اور وہ سر ہلا کر ایک طرف چلے جاتے۔یہ مخصوص لوگ وہی شناسا مجرم تھے۔فارس آگے بڑھتا گیا۔ڈاکٹر ایمن اسے ہی دیکھ رہی تھی۔تبھی ویٹر ادھر آ ٹپکا' اور سرگوشی کی۔''کاردار صاحب....بلا رہے ہیں....'' ایمن نے زخمی سا مسکرا کر سر ہلایا اور ویٹر کی معیت میں ایک طرف بڑھ گئی۔وہ نظر انداز کر کے آگے بڑھتا گیا۔بڑھتا گیا' دروازہ قریب تھا۔اس نے جھپٹ کر کھولا اور باہر نکلا۔گویا سانس میں سانس آئی۔

باہر تاریکی تھی۔وہ کاٹیج کی کھڑکیوں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔لاؤنج گزر گیا تو وہ کچن کی کھڑکی پہ رکا۔کچن روشن تھا۔فارس نے چہرہ جھکا کر جھانکا۔

وہاں بڑے بڑے کریٹ پڑے تھے اور ان میں غیر ملکی الکحل کی بوتلیں رکھی تھیں ان کے منہ کھلے تھے' اور سر پہ کھڑا ایک گارڈ بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا' اور دوسرا بوتلوں کے گرد ڈوری سی لپیٹ رہا تھا۔ایک گارڈ کی نظریں فارس پہ پڑی مگر اس نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔سر جھکا کر کام کرتا رہا۔فارس کی نگاہیں کچن کی دیوار تک اٹھیں۔وہاں ایک دروازہ تھا جو آگے ایک اور کمرے میں کھلتا تھا۔

وہ کاٹیج کی دیوار کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔اب اگلا کمرہ نظر آیا۔اونچی شیشے کی کھڑکیوں سے سارا کمرہ روشن نظر آتا تھا۔وہاں ہاشم ان تمام شناسا چہروں کو اکٹھا کیے کھڑا تھا۔اور مسکرا کر ان سے کچھ کہہ رہا تھا۔شیشے ساؤنڈ پروف تھے۔وہ آوازیں نہیں سن سکتا تھا۔مگر جس طرح وہ فائلز ان میں تقسیم کر رہا تھا' جس طرح ان کے چہرے دمکنے لگے تھے' وہ سمجھ سکتا تھا کہ یہ اس کی ہاؤسنگ اسکیم کی فائلز تھیں۔پلاٹس۔گھر۔وہ تحفے بانٹ رہا تھا۔اس کمرے کا ایک دروازہ لاؤنج کو جاتی گیلری میں کھلتا تھا اور دوسرا کچن میں۔

ہاشم کا فون بجا تو وہ اسے نکال کر دیکھنے لگا۔پھر مسکرا کر مہمانوں سے معذرت کی اور کچن کے دروازے کی طرف بڑھا۔پھر اسے عبور کر کے کچن میں چلا گیا۔فارس اچنبھے سے واپس آیا اور کچن کی کھڑکی کے سامنے ٹھہرا۔

ہاشم اب وہاں اپنے دونوں گارڈز سے کچھ کہہ رہا تھا۔وہ سر ہلا کر کچن سے لاؤنج کی طرف باہر چلے گئے۔اب وہ کچن میں تنہا کھڑا تھا۔اس نے لائیٹر اٹھایا اور انگوٹھے سے دبا کر شعلہ جلایا۔پھر وہ کھڑکی کی طرف گھوما۔باہر کھڑے فارس کو دیکھا اور مسکرایا۔پھر اسی طرح مسکراتے ہوئے لائیٹر ڈوری کے قریب لے کر گیا۔فارس کا سانس تھم گیا۔دل رک گیا۔ہاشم نے ڈوری کو آنچ دکھائی تو اس نے شعلہ پکڑ لیا اور

وہ شعلہ ڈوری کو کھاتے بوتلوں کی طرف دوڑنے لگا۔اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہاشم نے ایک انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا۔'' You did this!'' آواز نہ سنائی دیتی تھی مگر ہلتے لب بتا رہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔پھر اس نے لائیٹر جیب میں ڈالا اور لاؤنج میں کھلتے دروازے سے باہر نکل گیا۔

بس لمحے بھر کا عمل تھا اور سارا کھیل اس کی سمجھ میں آ گیا۔

وہ تقسیم انعامات نہیں تھی۔وہ کوراپ تھا۔وہ تمام گواہوں کو ایک کمرے میں جمع کر کے ان کو آگ لگا کر مارنا چاہتا تھا۔کچن کے دروازے بند تھے۔الکحل کی بوتلیں باری باری آگ پکڑ رہی تھیں۔(الکحل مٹی کے تیل کی طرح جل جاتی ہے۔) کچن کے اوپر وینٹ تھا' جو شناسا مجرموں کے کمرے میں کھلتا تھا جہاں وہ ہاشم کا انتظار کر رہے تھے۔کچن میں دھواں بھرنے لگا۔اب دھواں وینٹ سے اس کمرے میں جائے گا' اور وہ مر جائیں گے۔دم گھٹنے سے۔جبکہ لاؤنج کے مہمان سلامت رہیں گے۔چند مہمانوں کے مرنے سے شک نہیں ہوگا کسی کو۔اور الزام؟ فارس غازی وہاں موجود تھا' اس کی فوٹیج تھی یہاں وہاں ٹہلنے کی۔

''خدا کا قہر نازل ہو تم پہ ہاشم!'' وہ ہکا بکا سا چند قدم پیچھے ہٹا۔پھر الٹے قدموں سبزہ زار کی طرف دوڑا۔اسے وہاں سے بھاگ جانا چاہیے تھا۔جلد از جلد اسے وہاں سے نکلنا تھا۔وہ چند قدم ہی چل پایا۔پھر مڑ کر دیکھا۔شناسا مجرموں کے کمرے میں سیاہ دھوں بھرتا دکھائی دے رہا تھا۔پہلے لوگ حیران ہوئے' پھر ادھر ادھر دوڑے۔گیلری میں کھلتے دروازے کو ڈاکٹر ایمن نے پیٹا۔مگر وہ لاک تھا۔لاؤنج میں میوزک تیز تھا۔اب مزید تیز ہو گیا۔چند افراد شیشے کی کھڑکیوں کو پیٹ رہے تھے۔مگر وہ unbreakable glass کی بنی تھیں۔فارس کی جیب میں اس کا فون تھرتھرا رہا تھا۔وہ جانتا تھا یہ زمر ہوگی' وہ اسے واپس بلا رہی ہوگی مگر اسے سب بھول گیا۔وہ تیزی سے اس دھواں بھرتے کمرے کی طرف لپکا۔اسے ان لوگوں کو وہاں سے نکالنا تھا۔

اور تب اس نے دیکھا....گھاس پہ اس کے سامنے ایک سایہ سا آ کھڑا ہوا۔سفید سایہ۔عینک لگائے۔اس کا بھائی....وارث....وہ سنجیدگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم گھر جاؤ فارس....وہاں کیا جا رہے ہو؟ یہ گناہگار لوگ ہیں۔ان کو مرنے دو۔کیا تم بھول گئے کس طرح انہوں نے مجھے پنکھے سے لٹکایا تھا؟'' وہ ملامتی انداز میں بولا تھا۔فارس کے قدم لڑکھڑائے۔سانس تیز تیز چلنے لگی۔اس نے آگے بڑھنا چاہا تو ایک اور سایہ سامنے نمودار ہوا۔

''آپ نے کہا تھا آپ میرے لئے لڑیں گے۔'' وہ سفید سی زرتاشہ تھی۔اس کی آنکھوں میں گلہ تھا۔''ان لوگوں کو ان کا بدلہ ملنے والا ہے۔انہوں نے عدالت میں میرے اوپر کیچڑ اچھالا۔میرے کردار کو اخباروں کی زینت بنایا۔مجھے گولیاں ماریں۔ان کو مرنے دیں' میرا سوچیں۔''

اس نے سر جھٹکا مگر سایے غائب نہیں ہوئے۔ان دونوں کے درمیان سعدی چلتا ہوا آتا دکھائی دیا۔سفید سایہ...ہیولہ سا۔

''یہ میرے گناہگار ہیں۔آپ ان کی فکر کیوں کر رہے ہیں۔جائیں' اپنی جان بچائیں۔بھاگیں۔''

اس نے چہرہ موڑا۔ایک احمر کا سایہ بھی ساتھ آ کھڑا ہوا تھا۔

''انہوں نے میرا خاندان تباہ کر دیا۔غازی۔ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دو۔تم ان کو نہیں بچا سکتے۔جاؤ۔نئی زندگی شروع کرو۔نئے گھر میں۔''

اس کے قدم زنجیر ہو گئے۔بھاری بھاری بیڑیوں سے کس دیے گئے تھے۔وہ کسی طرف نہیں مڑ پا رہا تھا۔وہ پتھر کا ہو گیا تھا۔

''چلے جاؤ فارس۔''

''ان کو مرنے دو غازی۔'' وہ سارے سایے ایک ساتھ بولنے لگے تھے۔ چیخنے لگے تھے۔ وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹا۔ تیز ہوتے تنفس سے ان سب کو دیکھا۔

''ہاں' یہ سب ....گناہگار ہیں....قاتل ہیں۔'' اس کی آواز کپکپائی۔ آنکھیں سرخ پڑ کے بھیگ رہی تھیں۔ ''ہاں یہ میرے دشمن ہیں...برے لوگ ہیں۔'' وہ ٹھہرا۔ پھر گردن تن کر ان سایوں کو دیکھا۔ ''مگر میں....میں ان جیسا نہیں ہوں۔'' اور وہ اس کمرے کی طرف سر پٹ دوڑا تھا۔ سایے فضا میں تحلیل ہو گئے۔ ایسے جیسے خدا کا نام لینے پہ آسیب بھاگ جاتے ہیں۔

اب اسے کچھ یاد نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ انسان تھے۔ اور وہ تکلیف میں تھے۔ سارے انتقام' سارے زخم' سارے جرائم....وہ سب بھول گیا تھا۔ وہ انسان تھے اور وہ تکلیف میں تھے۔

ہاشم تیز چلتا....راہداری عبور کرتا کاٹیج کے آخری کمرے میں آ پہنچا تھا۔ دونوں گارڈز اس کے ہمراہ تھے اور رئیس اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔

''کتنے منٹ ہیں ہمارے پاس؟'' اس نے آتے ساتھ ہی اپنی ٹائی کھینچی۔

''زیادہ نہیں ہیں۔ جس وقت دوسرے مہمان اور فائر بریگیڈ کا عملہ جل جانے والے افراد کو نکالنے آئے گا' آپ کو ان کے درمیان ہم پہنچا دیں گے۔ یہ ادھر....'' وہ اب ہاشم کی شرٹ کا گریبان پھاڑ رہا تھا۔ دوسرے لڑکے نے کمال مہارت سے اس کے ماتھے کے اوپر چاقو سے چیر لگانا شروع کیا جس سے بھل بھل خون بہنے لگا۔

''اس کو sterlize کیا تھا۔'' اس نے درد کی شدت سے آنکھیں بند کر کے پوچھا۔

''یس سر۔'' وہ فرمانبرداری سے کہتا' اسے تیار کر رہا تھا.....حادثے والے کمرے کے واحد سروائیور کو اچھا خاصا زخمی لگنا چاہیے تھا۔ وہ شناسا مجرم مر جائیں گے تو کون بتائے گا کہ ہاشم اس وقت کمرے میں نہیں تھا؟ اور چونکہ لاؤنج کے مہمانوں کو بچ جانا تھا' اس لئے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہاشم واحد بچنے والا انسان تھا۔ کوئی اس پہ شک نہ کرتا اور وہ ہیرو بننے جا رہا تھا.....

کمرے میں دھواں بھر رہا تھا....درمیانی دروازے کو آگ نے پکڑ لیا تھا اور وہ جل رہا تھا....لوگ کھانس رہے تھے' اوندھے منہ گر رہے تھے....دھکم پیل مچی تھی....کوئی کھڑکیوں کو کھٹکھٹا رہا تھا' کوئی لاکڈ دروازہ پیٹ رہا تھا۔ مگر وہ دونوں توڑے نہیں جا سکتے تھے۔

فارس تیزی سے دوڑتا ہوا کھڑکی تک آیا۔ حلیمہ کھانستی ہوئی اس کے ساتھ کھڑی شیشے کو زور زور سے تھپڑ مار رہی تھی۔ فارس نے ایک گملا اٹھایا اور زور سے کھڑکی پہ دے مارا۔ چند خراشیں آئیں مگر بے سود۔ گملا ہاتھ سے چھوٹ گیا' اس کا اپنا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ وہ پرواہ کیے بنا آگے کو دوڑا۔ کاٹیج کی دیوار کے ساتھ بھاگتا ہوا مرکزی دروازے تک آیا۔ لاؤنج کی شیشے کی کھڑکیوں سے اندر مگن' خوش باش ٹہلتے لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ میوزک بہت تیز تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ اس نے شیشے کا دروازہ زور زور سے بجایا۔

''دروازہ کھولو....اندر آگ لگ گئی ہے۔ کھولو....'' مگر دروازے کے اندر کھڑے گارڈ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور ریموٹ ہوا میں بلند کر کے بٹن دبایا۔ تمام شیشوں کے اوپر لگے بلائنڈز کھل کر نیچے گرنے لگے۔ وہ آگے دوڑا۔ چند مہمانوں کے قریب موجود کھڑکی کو زور زور سے پیٹا مگر وہ متوجہ نہ ہوئے' باتیں کرتے رہے' یہاں تک کہ بلاک آؤٹ بلائنڈز بالکل نیچے گر گئے اور اب وہ اندر نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''اللہ کا قہر ہو تم پہ ہاشم۔'' وہ غصے سے چلاتا وہ واپس اس جلتے ہوئے کچن کی طرف بھاگا۔ اس کو پسینہ آ رہا تھا' اور سانس بے ترتیب تھی۔ کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ آج وہ لفٹ کی طرح لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تھا....آج اسے خود کچھ کرنا تھا.....

کچن کے سامنے رک کر اس نے چند گہرے سانس لئے اور سوچنے کی کوشش کی۔ جلتے کمرے میں لوگ ابھی تک چیخ چلا رہے تھے مگر مدد نہیں آ رہی تھی۔ دونوں دروازے بند تھے' اور کھڑکیاں توڑی نہیں جا سکتی تھیں۔

مگر وہ کھولی تو جا سکتی تھیں۔ وہ تیزی سے آگے آیا کھڑکی کے فریم کو ہاتھ سے ٹٹولا۔ وہ اندر سے لاکڈ تھیں اور افراتفری کے عالم میں آگے پیچھے بھاگتے بھاگتے لوگ کالے دھوئیں کی زیادتی کے باعث انہیں کھول نہیں پا رہے تھے.... کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کھڑکی کہاں سے کھولنی ہے۔ اسے معلوم تھا۔ وہ اس کا بیچ میں نوجوانی کے دنوں میں آتا رہا تھا۔ اورنگزیب لائے تھے اسے ایک دفعہ۔ یہ عام سلائیڈنگ ونڈو تھی مگر یہ اندر سے کھلتی تھی۔ اور اس جلتے کمرے کو جاتے دونوں دروازے بند تھے۔ تیسرا دروازہ جل رہا تھا۔

تیسرا دروازہ.... وہ چونکا' پھر کچن کی کھڑکی تک آیا۔ یہ بند تھی مگر لاکڈ نہیں تھی۔ ہر پلان میں جھول ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کوئی جلتے کچن کے راستے بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ مگر یہ اندازہ نہ تھا کہ کوئی باہر سے یہاں آ سکتا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے زور لگا کر اس کے شیشے کو دائیں طرف دھکیلا۔ وہ سرکنے لگا۔ اندر سے بہت سا دھواں باہر نکلنے لگا۔

محفوظ کمرے میں بیٹھے رئیس نے ٹیب اسکرین دیکھ کر ہاشم کو مخاطب کیا۔ ''وہ کچن کی کھڑکی سے اندر جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ ہم نے اسے بند کیوں نہیں کیا؟'' اس نے دونوں گارڈز کو گھورا۔

''جانے دو۔ اسے بھی ان کے ساتھ جلنے دو۔'' وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بے نیازی سے بولا تھا....

کھڑکی آدھی کھل گئی تھی وہ منڈیر پہ چڑھ کر اندر پھلانگ گیا۔ فوراً سے کھانسی آئی۔ دھواں..... مرغولے.... کالک.... وہ جھک کر ذرا سا کھانسا.... پھر گہرے گہرے سانس لئے ادھر ادھر دیکھا۔ دروازہ جل رہا تھا... شعلے درمیان میں حائل تھے۔ کاؤنٹر سے دروازے تک سب جل رہا تھا۔ وہ کیا کرے؟ وقت نہیں تھا.... اوہ خدایا وہ کیا کرے؟

چولہے کے قریب سلنڈر پڑے تھے۔ اس نے جلدی سے ایک سلنڈر اٹھایا۔ وہ اندر سے غالباً خالی تھا۔ تبھی ہلکا تھا۔ وہ لوگ دھماکے افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ کچن کی گیس بھی کٹی ہوئی تھی۔ اسے زور کی کھانسی آئی' مگر بدقت سلنڈر کو اٹھا کر اس نے پوری قوت سے دروازے پہ دے مارا۔ سلنڈر مارتے مارتے وہ خود بھی نیچے گر گیا۔ شاید ماتھے پہ چوٹ بھی آئی' مگر جب بمشکل ہتھیلیوں کے بل اٹھا تو دیکھا۔ سلنڈر دروازے سے ٹکرا کر ریڑھتا ہوا واپس آ رہا تھا۔ دروازے کو کچھ نہیں ہوا تھا۔ اف۔ اس نے سلنڈر کے قریب آتے ہی اس کو واپس دھکیلا۔ اب کی بار وہ دروازے کے قریب سے ہی واپس پلٹ گیا۔ مگر تب تک فارس اٹھ چکا تھا۔ ہاتھ جھاڑتے وہ کھڑا ہوا اور جیسے ہی سلنڈر قریب آیا' اس نے پوری قوت سے' کسی بولنگ بال کی طرح اس کو دروازے کی جانب ریڑھ دیا۔ وہ تیزی سے آگے گیا' اور دروازے سے ٹکرایا اور پھر.... جلتا ہوا دروازے.... درمیان سے ٹوٹ کر نیچے آن گرا۔ ٹکڑے' چنگاریاں اسے بھی آ کر لگی تھیں۔ تکلیف ہوئی تھی.... مگر.... اب چوکھٹ خالی تھی' وہ دیکھ سکتا تھا.... اس کے پار.... جلتا ہوا کمرہ.... جس میں دھواں بھرا تھا اور لوگ چیخ چلا رہے تھے.....

اس نے شرٹ اتار کر ناک کے گرد لپیٹی اور تیزی سے دوڑا.... لکڑی کے جلتے شہتیر پھلانگے' شعلوں کے اوپر سے گزرتا' وہ دھوئیں سے بھرے کمرے میں دوڑتا گیا۔ لوگ کچن سے کافی دور کونے میں جمع تھے' ایک دوسرے کو پرے ہٹا رہے تھے۔ دعائیں پڑھ رہے تھے.... وہ تیزی سے کھڑکیوں کی طرف لپکا۔ شرٹ کہیں گر گئی۔ ناک میں پھر سے دھواں اندر جانے لگا مگر اس کو پرواہ نہ تھی۔ وہ فریم کے کنارے ٹٹولنے لگا۔ ہک یہیں کہیں تھی۔ یہیں کہیں....

اس کے ہاتھوں نے کھڑکی کے کنڈے کو چھوا۔ اندر تالہ پڑا تھا۔ مقفل تالہ۔ ڈیم اِٹ۔ اسے پھر سے کھانسی آنے لگی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی بھاری چیز مل جائے جس کو وہ تالے پہ دے مارے۔ ساتھ کھڑی حلیمہ روتے ہوئے ابھی تک کھڑکی کا شیشہ پیٹ رہی تھی۔ چند افراد بے ہوش ہو کر گر پڑے تھے۔ آگ اب کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

اس نے جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا اس میں ایک پک بھی تھی جسے کئی سالوں سے وہ جاب کے حصے کے طور پہ ساتھ رکھتا تھا۔ اس نے تیزی سے وہ تالے میں گھسائی۔ تالا نیا تھا اور غالباً پولیس کے آنے سے پہلے گارڈز نے اتار لینا تھا۔ دھوئیں کے باعث وہ کچھ دیکھ نہیں سکتا

تھا' مگر آنکھیں بند کر کے اس نے محسوس کرنا چاہا۔ چھے pins....ون ٹو تھری....وہ باری باری پک کی مدد سے سب کو چھو رہا تھا....فور فائیو سکس۔

''کلک!'' اس کے لبوں سے نکلا۔ تالہ کھل گیا۔ اس وحشیانہ انداز میں تالہ نوچ کر اتارا اور شیشہ زور سے پرے دھکیلا۔

کھڑکی کھلتی گئی۔ حلیمہ توازن برقرار نہ رکھ سکی اور نیچے گر گئی' مگر وہ لپک کر آگے آیا' اور اسے کھینچ کر باہر نکالتا لایا۔ وہ فرنچ ونڈوز تھیں۔ پوری دیوار کی جگہ پہ حائل تھیں۔ اس کو لا کر باہر گھاس پہ ڈالتے ساتھ وہ اندر کی طرف لپکا۔

''اس طرف آؤ....کھڑکی کی طرف آؤ....'' اب وہ چلا چلا کر دھوئیں میں پھنسے لوگوں کو کہہ رہا تھا۔ وہ سب اس کے دشمن تھے....وہ سب اس کے مجرم تھے....وہ سب اس کے گناہگار تھے....مگر وہ ان جیسا نہیں تھا....وہ ان کو پکڑ کر' گھسیٹ کر شیشے کی کھلی دیوار کے باہر لا رہا تھا۔

کچھ نے کھلا روزن دیکھ لیا....کچھ نے نہیں دیکھا۔ دھکم پیل پھر سے مچ گئی تھی....بے ہوش ہوئے لوگوں کو اٹھانا اور کھینچنا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ آگ کمرے میں داخل ہو چکی تھی اور فرنیچر کو پکڑ چکی تھی۔ وہ درمیان میں ایک دفعہ گرا بھی تھا' کہیں درد بھی ہو رہا تھا مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ بے ہوش ہوئے فاطمی کو کندھوں سے گھسیٹ کر باہر لا رہا تھا....

لاؤنج کے مہمانوں میں سے کوئی کچن کی طرف آیا تھا....جلتا بند دروازہ دیکھا تو شور مچا دیا....لاؤنج کا میوزک تھم گیا....لوگ دیوانوں کی طرح باہر لان میں بھاگے.....

محفوظ کمرے میں بیٹھے ہاشم کو رئیس نے تسلی دی....''لوگ بچ جائیں یا مر جائیں....الزام فارس پہ ہی آئے گا.....''

مگر ہاشم کی تیوریاں چڑھ رہی تھیں اور وہ شدید برہم نظر آتا اسکرین پہ لائیو فوٹیج دیکھ رہا تھا۔ ''اس کو یوں کھلا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔''

فرنیچر کو شعلے اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ بہت سے لوگ باہر نکل چکے تھے اور اب سبزہ زار پہ گرتے ہوئے بھاگتے آگے جا رہے تھے....وہ بدقت الیاس فاطمی کو کھینچ کر باہر لایا' پھر اسے گھاس پہ ڈالا اور وہیں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے جھکے کھڑے گہرے گہرے سانس لئے۔ تمام شناسا مجرم باہر آ چکے تھے....لاؤنج کے محفوظ مہمان وہاں سے نکل کر اس طرف نہیں آئے تھے....وہ پارکنگ کی طرف بھاگ رہے تھے....اپنی جان بچانے....اپنی گاڑیوں کی طرف....عجب قیامت کا عالم تھا....افراتفری دھکم پیل.....

کمرہ جل رہا تھا۔ دھوئیں کے مرغولے اٹھ کر فضا میں گم ہو رہے تھے' ایسے میں وہ اس دہکتے جہنم کے سامنے کھڑا' گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ نڈھال۔ زخمی۔ مگر اس کے اندر اطمینان بھر رہا تھا۔ اس نے ان کو بچا لیا تھا....سب ٹھیک ہو گیا تھا.....

''ابا....ابا....'' اور تب اس نے وہ حلق پھاڑ کر چیخنے کی آواز سنی۔ شناسا آواز۔ اس نے گردن موڑی۔ لاؤنج کے بھاگتے مہمانوں میں سے صرف ایک مہمان دوڑتا ہوا اس طرف آ رہا تھا۔ نوجوان لڑکا جو اپنے باپ کو پکار رہا تھا....خاور کا بیٹا.....

فارس غازی کا سانس تک رک گیا۔

''میرے ابو کہاں ہیں....'' وہ دوڑ دوڑ کر ایک ایک شخص کے پاس بھاگ رہا تھا۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں فارس نے گردن گھمائی۔ لوگ بھاگ رہے تھے....نجات کی طرف....بچاؤ کی طرف....وہاں کوئی وہیل چیئر نہ تھی....وہاں کوئی خاور نہ تھا....وہ تیزی سے لڑکے کی طرف بھاگا۔

''خاور کہاں ہے؟'' وہ شور کے باعث چلا کر' لڑکے کو کندھوں سے جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا.....

''ابو کو کاردار صاحب نے اس کمرے میں بلوایا تھا....مجھے نہیں جانے دیا....میرے ابو اندر ہیں....میرے ابو کو نکالو.....'' وہ اونچا اونچا رو رہا تھا۔ ہاتھ پیر مار رہا تھا....''میرے ابو چل نہیں سکتے....میرے ابو چیخ نہیں سکتے....''

اور اس نے مزید کچھ نہیں سنا....وہ پلٹا اور جلتے کمرے کی طرف دوڑا....کسی نے آواز لگا کر اسے روکا.....منع کیا.....شاید وہ ڈاکٹر ایمن تھی....وہ اسے کہہ رہی تھی کہ سب آ چکے....ایک شخص کے پیچھے وہ اندر نہ کودے...وہ شخص شاید مر چکا ہو...وہ واپس آ جائے....مگر اس نے کچھ نہیں سنا...وہ دھوئیں سے بھرے کمرے میں بھاگتا چلا گیا۔

''خاور....خاور....'' وہ چلا رہا تھا....جانتا تھا وہ آواز نہیں دے سکتا' مگر پھر بھی اور ادھر ادھر دوڑتا چلا رہا تھا...شروع میں کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ مزید آگے بڑھا اور تب اسے دھوئیں کی گھنی چادر میں وہیل چیئر نظر آئی۔ وہ کونے میں تھی....بالکل کونے میں....فارس اس کی طرف دوڑا....چھت سے لکڑی کے ٹکڑے جل جل کر نیچے گر رہے تھے مگر اس نے پرواہ نہیں کی....وہ جلتے فرنیچر کو ٹھوکریں مارتے...دوڑتے ہوئے وہیل چیئر کے قریب آیا....خاور کا چہرہ سرخ' پسینے میں بھیگا تھا۔ آکسیجن ماسک منہ پہ لگا تھا اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے....وہ سفید سایے ایک دفعہ پھر سے آگے پیچھے نظر آنے لگے تھے۔ وہ اسے ملامتی نظروں سے دیکھ رہے تھے مگر دل کی سفیدی سارے کالے دھوئیں پہ حاوی آ گئی۔ اس نے وہیل چیئر کو زور سے آگے دھکیلا۔ وہ آگے دوڑتی گئی۔ خاور کا بیٹا دھوئیں کی چادر کے پار کھڑا تھا....اس نے بھاگ کر وہیل چیئر کو تھاما اور باہر نکالتا لے گیا....فارس نے وہیں کھڑے ایک گہری کالی سانس لی اور اسی پل.....

اسی پل پیچھے سے کسی نے اسے ٹھوکر ماری تھی۔ وہ لڑکھڑا کے آگے کو گرا۔ حملہ اتنا غیر متوقع تھا کہ وہ سنبھل نہ پایا۔ بدقت اٹھنے کی کوشش کرتے گردن موڑی....پیچھے زخمی' سیاہ کالک چہرے پہ لگائے' پھٹے جلے کپڑوں والا ہاشم کھڑا تھا....اس کے عقب میں راہداری میں کھلتا دروازہ اب کھلا تھا۔ (غالباً وہ ابھی اندر آیا تھا۔) فارس کے بازوؤں میں ایک دم قوت سی بھر گئی' وہ اٹھا اور زور سے ہاشم کا گریبان پکڑا۔

''گھٹیا آدمی۔'' مکا مارنا چاہا مگر نہیں مار سکا۔

''نکلو یہاں سے اس سے پہلے کہ تم جل جاؤ۔'' اس نے ہاشم کو کھلی کھڑکی کی طرف دھکیلا۔ گریبان ہاتھ سے چھوٹ گیا....چھت سے لکڑی کا بڑا سا جلتا ہوا ٹکڑا دھماکے سے نیچے کی طرف آیا....ہاشم نے دیکھ لیا تھا' وہ فوراً سے دائیں طرف کو لپک گیا....فارس نے وہ نہیں دیکھا تھا....وہ بھاگ نہیں سکا....جلتا ہوا تارہ....شہاب ثاقب کی طرح....اس کے اوپر آن گرا....

ساری ہمت ساری طاقت دم توڑ گئی....وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ گرا....اور پھر منہ کے بل فرش پہ آن لگا....ساری دنیا اندھیر ہوتی گئی....ساری آوازیں....سارے رنگ....ساری روشنیاں دم توڑ گئیں....سفید سائے اور کالا دھواں....سب ختم ہو گیا.....

.....❖❖❖.....

اب اپنا دل بھی شہرِ خموشاں سے کم نہیں ..... سن ہو گئے ہیں کان صدا پر دھرے دھرے

مور چال رات کے اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ لاؤنج میں سب جمع تھے۔ بے چین' فکر مند۔ منتظر۔ سعدی بار بار فارس کو کال ملا رہا تھا اور زمر مسلسل دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ اس کی رنگت زرد پڑ رہی تھی اور اب دل گھبرا رہا تھا لگتا تھا ابھی سینہ توڑ کر باہر آ گرے گا۔

''وہ کیوں نہیں آیا؟ وہ کہاں رہ گیا ہے؟'' وہ مسلسل آگے پیچھے چلتے کہے جا رہی تھی۔

''زمر بیٹھ جاؤ۔ وہ آ جائے گا۔'' ابا نے اسے تسلی دینی چاہی۔

''ماموں نے وعدہ کیا تھا' وہ واپس آئیں گے۔'' حنہ گھٹنوں پہ سر رکھے بیٹھی عجیب سے انداز میں بولی۔

''مجھے نہیں پتہ۔ سعدی چلو ہم وہاں چلتے ہیں۔'' زمر نے ایک دم اسے کہنی سے پکڑا اور آگے لے جانے لگی۔

''میں کب سے جانا چاہ رہا ہوں آپ مجھے جانے نہیں دے رہیں۔ اب آپ ادھر بیٹھیں' میں خود جاتا ہوں۔'' وہ نرمی سے کہنی چھڑاتا اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ نہیں رکی۔ وہ اسی طرح آگے دوڑتی گئی۔ سعدی اس کے پیچھے لپکا۔ ابا نے آواز دی۔ ندرت نے منع کیا۔ مگر اس پہ کوئی وحشت طاری تھی۔ کوئی جنون سوار تھا۔ اب نہ گئی تو شاید دل پھٹ جائے گا۔ یہیں کھڑی رہی تو پیروں سے خون بہنے لگے گا۔

اب نہ گئی تو.....

شہرین کے گھر آؤ تو ٹی وی لاؤنج کی ایل سی ڈی اسکرین خوب شور مچاتی روشن نظر آ رہی تھی۔ سامنے صوفے پہ سونی لیٹے ہوئے اپنے ٹیب پہ بٹن دبا رہی تھی جب کانوں میں آواز گونجی۔ ہاشم کاردار۔ کسی نے اس کے باپ کا نام لیا تھا۔ اس نے چونک کر گردن موڑی۔ اسکرین کو دیکھا۔ چند لمحے کو اس کی سانس تھم گئی اور پھر وہ ٹیب پھینک کر چیخ مارتی اٹھی۔

''ماما.....ماما.....'' اب وہ روتے ہوئے زور زور سے چلا رہی تھی۔ شہرین جو اپنے کمرے میں سیل فون پہ لگی تھی' ہڑ بڑا کر اٹھی اور بھاگتی ہوئی باہر آئی۔

''ماما.....میرے بابا.....میرے بابا.....'' بچی روتے ہوئے اسکرین کی طرف اشارہ کر رہی تھی اور جب شہرین نے اس طرف دیکھا تو اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''کاردارز کا بیج میں آتشزدگی۔ ہاشم کاردار کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ بارہ افراد زخمی' ایک شخص جاں بحق۔''

''میرے بابا.....میرے بابا.....'' سونیا اب زور زور سے چیخ رہی تھی.....

سعدی ڈرائیو کر رہا تھا' اور زمر ساتھ بیٹھی' مسلسل انگلیاں اضطرابی انداز میں مروڑ رہی تھی۔ وہ لبوں میں کچھ پڑھ بھی رہی تھی مگر ہر شے بار بار دھندلی ہو جاتی۔ پھر منظر صاف ہوتا۔ پھر کالے دھوئیں جیسی دھند چھا جاتی۔ آنسو بس آنکھوں کے کنارے پہ ٹھہرے تھے۔ گرنے کو بس ایک دھکا چاہیے تھا.....

سعدی کا فون بجا تو اس نے تیزی سے کان سے لگایا۔ ''ہاں حنہ۔'' بات سنتے ہوئے وہ چونک کر زمر کو دیکھنے لگا۔ رفتار آہستہ کی۔ زمر نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھ دیا۔

''ٹھیک ہے۔'' اس نے فون بند کیا اور اسٹیئرنگ گھمایا۔

''کیا کہہ رہی تھی حنین؟'' وہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

''وہ.....کہہ رہی تھی کہ.....ہم ذرا ابھی.....''

''مجھے چکر مت دو.....میں ایک فٹ کے فاصلے پہ بیٹھی ہوں۔ مجھے.....مجھے تمہارے فون سے آواز آ رہی تھی۔ کیا دکھا رہے ہیں نیوز میں؟ کہاں لگی ہے آگ؟'' آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر چہرے پہ گرنے لگے۔

''کچھ نہیں پتہ زمر۔ آگ لگی ہے اور زخمیوں کو قریبی ہسپتال میں شفٹ کیا گیا ہے۔ میں اے ایس پی صاحب کو کال کرتا ہوں۔ ہسپتال کا پوچھتا ہوں۔'' وہ پریشانی سے حواس باختہ نمبر ملانے لگا۔

''جلدی کرو۔'' اس نے کہنے کے ساتھ لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں کو میچ لیا۔ گرم گرم پانی گالوں پہ بہنے لگا.....

سرکاری ہسپتال میں پولیس اور میڈیا کے نمائندوں کا جم غفیر لگا تھا.....شہری سونیا کی انگلی پکڑے پریشانی سے رش کو چیرتی آگے بڑھ رہی تھی۔ سونی مسلسل روئے جا رہی تھی۔ خاموش سسکیوں ہچکیوں کے باعث اس کا بدن آہستہ آہستہ ہچکولے لیتا تھا.....

زمر اور سعدی دوڑتے ہوئے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ زمر نے آنسو صاف کر لئے تھے اور اب وہ ہراساں انداز میں ادھر ادھر گردن گھماتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس یونٹ میں عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ رپورٹرز' کیمرے' پولیس.....رش ہی رش.....جانے سعدی نے کس کو روک کر کچھ پوچھا تھا اس نے نسوانی آواز کو کہتے سنا۔ ''آپ ادھر آئیں۔'' وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس سعدی کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ کوئی عجیب وحشت زدہ سی مسافت تھی جو طے کر رہی تھی۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ایک کمرے کے سامنے رک کر اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔ شور بہت تھا۔ کان پڑی آواز سنائی نہ

دیتی تھی۔وہ اس کی طرف مڑا۔اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا' مگر بظاہر خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔

''وہ کہہ رہے ہیں کہ ایک باڈی ہے' پہلے دیکھ لیں' پھر ہم زخمیوں کو.....''

''نہیں۔'' وہ بدک کر پیچھے ہوئی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔''اس کو ایمرجنسی میں ڈھونڈو.....ادھر کیوں؟ نہیں۔''

''ہاں ہاں وہ کوئی اور ہوگا۔'' وہ اس کو کندھوں سے تھام کر تسلی دینے لگا۔''مگر اس کے لواحقین نہیں آئے اور ان کو اس کی شناخت کرنی ہے' اس لئے میں ایک دفعہ دیکھ لوں۔'' وہ ٹوٹی پھوٹی امید سے کہتا آگے بڑھنے لگا مگر زمر نے زور سے اس کی کہنی دبوچی۔

''نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔آنسو بھل بھل بہنے لگے تھے۔''میں کہہ رہی ہوں' وہ فارس نہیں ہوگا۔اس کو کہیں اور ڈھونڈتے ہیں۔''

''میں آتا ہوں۔'' وہ بمشکل اپنا بازو چھڑا پایا تھا۔زمر نے پیچھے جانے کو قدم اٹھائے مگر پیر لڑکھڑا گئے۔اس نے دیوار کا سہارا لیتے خود کو سنبھالا۔پھر دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی ہوگئی۔آنکھیں بند کیے' گہرے گہرے سانس لینے لگی.....مگر سارا مسئلہ یہی تھا کہ آنکھیں بند کرنے پہ وہ فوراً آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا.....

''زمر بی بی.....آپ.....'' وہ مسکراتے ہوئے کچھ کہہ بھی رہا تھا.....نئے گھر کی باتیں.....چڑیا گھر میں نہ رہنے کی باتیں.....یونیورسٹی کی دولڑکیاں جو اس کو پسند تھیں.....ان کی باتیں.....اس نے آنکھیں کھولیں.....یہاں بھی قیامت سی قیامت تھی.....وہ کہاں جائے؟

سعدی دروازہ کھول کر باہر نکلا تو وہ ہل نہیں سکی۔آواز نہیں نکال سکی۔آنسو نہیں روک سکی۔وہ اس کے قریب آیا۔زمر نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ.....وہ فارس نہیں تھا نا.....مجھے مت بتاؤ.....مجھے کچھ نہیں سننا.....'' وہ اسے کچھ بھی کہنے سے روکنا چاہتی تھی مگر وہ آگے آیا' اور اسے گلے لگایا۔زمر کا سانس تھم گیا۔پھر اس کا سر تھپکتے ہوئے وہ دھیرے سے بولا۔

''مرنے والا نیاز بیگ تھا.....وہ فارس غازی نہیں تھا.....''

وہ کرنٹ کھا کر اس سے علیحدہ ہوئی.....بے یقینی سے اسے دیکھا.....

''وہ فارس نہیں تھا؟ تو فارس کہاں ہے؟''

''آئیں' ان کو وارڈ میں ڈھونڈتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑے آگے چلنے لگا۔اسے لگا وہ پانی پہ چل رہی ہے.....جسم' دماغ ہر شے سن ہوگئی تھی.....آنسو بہنا رک گئے تھے.....

''مسز زمر؟'' وہ آگے جاتے جاتے پلٹی۔راہداری کے اختتام پہ ڈاکٹر ایمن کھڑی نظر آرہی تھی۔شال لپیٹے' ویران چہرہ لئے' جیسے ابھی بستر سے اٹھی ہو۔

''فارس کہاں.....'' الفاظ ٹوٹ گئے.....

''وہ زخمی ہے' مگر ٹھیک ہے۔اس کو میں نے منع بھی کیا تھا' مگر وہ.....'' وہ قریب آتے ہوئے تلخی سے ہنسی۔''مگر وہ خاور کو بچانے کے لئے آگ میں کود پڑا.....''

''وہ ٹھیک ہے؟'' زمر دوڑ کر اس کے پاس گئی۔وہ سخت ہراساں تھی۔

''ہاں' اس کی کمر اور ٹانگ پہ زخم آئے ہیں' اس کے اوپر لوہے کا ٹکڑا آ کر لگا تھا۔چند burns بھی ہیں' مگر اسی وقت چھت پہ لگے آگ بجھانے والے شاور پانی گرانے لگے' جو پہلے بالکل کام نہیں کر رہے تھے.....تو اس کی بہت بچت ہوگئی۔'' زمر نے گہری سانس لی۔

''آپ.....ٹھیک ہیں؟'' سعدی نے رسماً پوچھ لیا۔

''میں؟'' وہ زخمی پن سے مسکرائی۔''میں ہر آگ سروائیو کر جاتی ہوں' ٹھیک ہوں۔آپ فارس کو وارڈز میں ڈھونڈیے۔'' وہ دونوں پوری بات سنے بغیر آگے کو بھاگے۔ایمن اسی زخمی مسکراہٹ سے ان کو بھاگتے دیکھتی رہی' پھر وہ مڑی تو کسی پہ نگاہ پڑی۔زخمی مسکراہٹ خوشی بھری مسکراہٹ میں ڈھل گئی....اس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو اپنے پاس بلایا.....

''ادھر آؤ.....''

❖❖❖

مجھ سے کیا پوچھتے ہو شہر وفا کیسا ہے ..... ایسے لگتا ہے صلیبوں سے اتر کر آیا

وارڈ میں کسی نے کس طرف اشارہ کیا' کسی نے کس طرف۔وہ دونوں تیز تیز قدموں سے چلتے آگے بڑھتے گئے۔بیڈز کی طویل قطار میں جابجا پردے لگے تھے۔سعدی نے ایک پردہ ہٹایا...تو...بالآخر وہ بستر پہ لیٹا نظر آیا۔

آنکھیں بند تھیں....غالباً نشہ آور ادویات کے زیر اثر تھا۔چہرے پہ زخموں کے نشان تھے....دو نرسز سر پہ موجود تھیں۔سعدی نے گہری سانس لی اور مڑ کے دیکھا۔زمر پیچھے آ رہی تھی۔اس نے راستہ چھوڑ دیا۔وہ تیزی سے آگے آئی۔فارس کو دیکھ کر قدم زنجیر ہو گئے۔بے جان۔پتھر کا بت۔آنکھوں میں ڈھیر سارا دکھ اترا۔اسے کبھی بیمار' کبھی یوں بے ہوش نہ دیکھا تھا اور آج پتہ چلا تھا کہ ایسے دیکھنے میں کتنی اذیت تھی.....

''فارس....'' وہ لپک کر اس کے قریب آئی' پھر اضطراری انداز میں سر پہ کھڑی نرسز سے بولی۔''یہ ٹھیک ہے نا؟ اور ٹھیک ہو جائے گا نا؟''

''آہستہ بولیں۔مریض کے سر پہ شور نہ کریں۔'' نرس نے بے زاری سے کہا تھا۔''وہ ہوش میں آ رہا تھا مگر تکلیف میں تھا۔اسے انجیکشن لگایا ہے۔'' زمر کچھ دیر بھیگی نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر آنسو رگڑ کر صاف کیے' اور غصے سے سعدی کی طرف گھومی۔

''کیا کہا تھا میں نے تمہیں؟ ہاں؟'' اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کے سینے پہ زور دے کر اسے پرے دھکیلا۔''کیا کہہ رہی تھی میں؟ اس کو زخمیوں میں ڈھونڈو! مگر تم....تم....پہلے ادھر ڈیڈ باڈی کے پاس چلے گئے....تمہیں شرم نہیں آئی؟ ہاں؟ تمہیں کوئی احساس نہیں ہوا؟'' وہ اب غصے اور بے بسی سے اس کے سینے کو تھپڑوں اور مٹھیوں سے مار رہی تھی۔آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

''اچھا....اچھا....اب تو ٹھیک ہیں نا وہ۔'' وہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اسے بہلانے والے انداز میں بولا۔''آپ کو انہیں میرے پیچھے جانے ہی نہیں دینا چاہیے تھا۔''

''کیسے نہ جانے دیتی' ہاں؟ تم ''ہمارے سعدی'' ہو ہمیں ہمیشہ تمہاری حفاظت کرنی ہوتی ہے۔'' اور ساتھ ہی زور سے اس کے کندھے پہ تھپڑ مار کر اسے پرے ہٹایا۔سعدی نے برا سا منہ بنایا۔

''واہ....یہ صاحب تو آپ کو زہر لگا کرتے تھے۔''

''اب بھی لگتا ہے۔'' آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے ناک سکوڑ کر سانس اندر کھینچی۔''مگر تم نے مجھے اتنا ڈرا دیا۔اوہ سعدی میں اتنی ڈر گئی تھی۔'' وہ اب نڈھال سی بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔وہ تکان سے مسکرایا۔

''چلیں آپ بیٹھیں' میں ان کو روم میں شفٹ کروانے کا بندوبست کرتا ہوں اور گھر فون کرتا ہوں۔''

زمر نے تیزی سے سر اٹھایا۔''سب کو مت بتانا کہ وہ زخمی ہے۔یونہی وہ پریشان ہوں گے۔''

''زمر!'' وہ اسی طرح مسکرایا۔''ہمیں ایک دوسرے سے اب کچھ نہیں چھپانا۔میں اگر کاردارز کا ٹیچ بھی جاتا تو بتا کر جاتا۔آپ بیٹھیں' میں آتا ہوں۔'' اسے تسلی دیتا وہ باہر نکل گیا' اور وہ گردن موڑے فکرمندی سے فارس کو دیکھنے لگی....جو آنکھیں بند کیے....غنودگی کے عالم

میں تھا....

''آئی ہیٹ یو فارس غازی۔آئی رئیلی رئیلی ہیٹ یو۔'' وہ بے بسی بھرے دکھ سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھتے ہوئے بولی تھی۔وہ بے خبر سو رہا تھا....

❖❖❖

کیسے ہیں لوگ ان کی تمہیں کیا مثال دوں ..... جا کر مجسمے کہیں پتھر کے دیکھ لو

اسی ہسپتال کے پرتعیش اور نفاست سے سجے اک پرائیوٹ روم میں ہاشم کاردار صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھے براجمان تھا۔ہسپتال کی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس' وہ بظاہر زخمی دکھائی دیتا تھا۔ہاتھ پہ پٹی بھی بندھی تھی' ماتھے اور سر پہ بینڈ یج بھی تھی مگر چہرے پہ سکون تھا اور دلچسپی سے دیوار پہ لگی ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا....

''وہ لوگ بچ گئے مگر it worked ۔ہے نا؟'' مسکرا کے ساتھ ہاتھ باندھے کھڑے رئیس کو دیکھا۔

''جی سر....مگر انہوں نے آپ کو کمرے سے باہر جاتے دیکھا تھا۔'' اسے خیال آیا۔

''اتنی افراتفری میں کسے یاد رہنا ہے کہ میں کمرے میں تھا یا نہیں۔ٹی وی چینلز کو دیکھو۔وہ مجھے پروموٹ کر رہے ہیں۔''

''یس سر!'' رئیس جوش سے بتانے لگا۔''ہمارے پاس غازی کی فوٹیج ہے۔وہ بھی وہاں موجود تھا' الزام اس کے سر ڈال دیں گے یا اس کو حادثہ کہیں گے۔آپ پہ کوئی شک نہیں کرے گا۔میڈیا آپ کو ہیرو بنا کر پیش کر رہا ہے۔بار بار اینکرز گلا پھاڑ کر کہہ رہے ہیں کہ ہاشم کاردار نے ابھی چند دن پہلے عدالت میں اپنے خاندان کی بے گناہی ثابت کی تھی۔''

''ویری گڈ۔'' وہ محظوظ ہو کر اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔''ہم ہر کرائسز سے نکل آئے۔'' رک کر تصحیح کی۔''میں ہر کرائسز سے نکل آیا....کوئی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔نہ عدالت' نہ قانون' نہ میری ماں....میں نے ہر شے کو سروائیو کر لیا۔میں رئیس' سب سے بڑا سروائیور ہوں۔فیصلے کی گھڑی آ بھی گئی مگر میں اپنے قدموں پہ کھڑا ہوں۔'' وہ گردن کڑا کر کہہ رہا تھا۔''اور اب ہم نئی شروعات کرنے جا رہے ہیں۔ہم نئے کاروباری دوست بنانے جا رہے ہیں۔نئے پارٹنرز' نئے مواقع....نیا گھر!'' وہ طمانیت سے بولا تھا۔پھر گھڑی دیکھی۔''کتنی دیر ہے؟''

''بس سر' میڈیا کو آپ کا انتظار کروا رہا ہوں۔گھنٹے بعد آپ باہر نکلیں گے' اور میڈیا کے سامنے علی الاعلان کہیں گے کہ یہ سب فارس غازی نے عدالتی شکست کا بدلہ لینے کے لئے کیا ہے۔اور فی الحال عوام کو آپ سے ہمدردی ہے' میڈیا کو آپ سے ہمدردی ہے' سب آپ کا یقین کریں گے۔''

''زبردست!'' وہ مسکرا کے ٹی وی کو دیکھنے لگا۔''It did work after all!''

فیصلے کی گھڑی آ چکی تھی۔

مگر ابھی بیتی نہیں تھی۔

❖❖❖

جو نفس تھا خارِ گلو بنا، جو اٹھے تو ہاتھ لہو ہوئے ..... وہ نشاطِ آہ سحر گئی وہ وقارِ دستِ دعا گیا

بالائی منزل پہ نوشیرواں کے کمرے کی بتی روشن تھی۔بیڈ پہ بیگ کھلا پڑا تھا اور وہ اس میں کپڑے رکھ رہا تھا۔پاسپورٹ' سفری دستاویزات' لیپ ٹاپ سب بکھرا پڑا تھا۔صبح اس کی فلائیٹ تھی اور وہ جلد از جلد تیاری مکمل کرنا چاہتا تھا۔اسے ایک منٹ بھی اس گھر میں اضافی رہنا منظور نہ تھا۔دستک ہوئی تو اس نے بے زار سا یس کہا اور خود کپڑے تہہ کرتا رہا۔

''سر۔'' فیونا اندر داخل ہوئی۔''کاردار صاحب ہسپتال میں ہیں۔'' اطلاع دی۔

''معلوم ہے۔ سارا شہر جانتا ہے۔ میرے بھائی کا کوئی نیا ڈرامہ۔''

''کیا فارس کو بھی زخم آئے ہیں؟ نیوز میں بتا رہے تھے۔''

''مجھے ان میں دلچسپی نہیں ہے۔'' اس نے بے زاری سے بیگ کا ڈھکن دے مارنے والے انداز میں بند کیا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''مجھے امریکہ میں نوکری مل گئی ہے۔ اب زیادہ سوال نہ کرو اور جاؤ یہاں سے۔'' اس نے ہاتھ جھلا کر اسے اشارہ کیا۔ وہ فوراً سر ج کر باہر نکل گئی۔ اب وہ جھک کر سفری دستاویزات اٹھا اٹھا کر دستی بیگ میں ڈال رہا تھا۔ آخر میں چونکا۔ بیگ کے اندر اس کا ایک گلاک پستو رکھا تھا۔ یہ وہ نہیں تھا جس سے اس نے سعدی کو مارا تھا۔ یہ اس کی کلیکشن میں سے ایک اور تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا' پھر اسے نکالا اور سا ٹیبل کے دراز میں ڈال کر مقفل کر دیا۔ پھر ہاتھ صاف کیے۔ جیسے بہت سا ان دیکھا مائع صاف کیا ہو۔

نئی زندگی میں اس کی جگہ نہیں تھی.... ہرگز نہیں.....

.....❖❖❖.....

ورنہ یہ تیز دھوپ تو چبھتی ہمیں بھی ہے ..... ہم چپ کھڑے ہوئے ہیں کہ تُو سائباں میں ہے

فارس نے آنکھیں کھولیں تو سفید دیواریں خوب روشن نظر آ رہی تھیں۔ اس نے نقاہت سے پلکیں جھپکیں۔ منظر واضح ہوا۔ ہسپتال کمرہ.... اس نے کہنی کے بل اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو.....

''ایزی .... ایزی!'' سعدی اس کے سرہانے کھڑا' دونوں ہاتھ اٹھا کر کہہ رہا تھا۔ فارس نے بدقت اسے دیکھا' پھر گردن موڑی۔ ندرت' حنین' زمر' سیم.... سب کمرے میں موجود تھے۔ اونچی آواز میں خوش گپیاں جاری تھی۔ وہ اٹھ نہیں سکا۔ کمر اور ٹانگ میں درد کی لہریں اٹھی تھیں۔ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے واپس سر تکیے پہ رکھ دیا۔

''تھوڑی بہت مکافاتِ عمل والی فیلنگ آ رہی ہے؟'' سعدی اس کے قریب جھکا مسکراہٹ دبائے پوچھنے لگا۔ ''وہ جو میرے ساتھ کینڈی میں کیا تھا.... یاد ہیں وہ زخم جو مجھے دیے تھے۔''

''زیادہ بک بک مت کرو۔'' فارس نے ناگواری سے کہہ کر آنکھیں شدتِ ضبط سے میچ لیں۔ سعدی مسکرا کر سیدھا ہوا۔ ''اسی لئے کہتے ہیں کسی معصوم کی بددعا نہیں لیتے۔''

''فارس!'' وہ اسے جاگتے دیکھ کر صوفے سے اٹھ کر سامنے آئی۔ گھنگریالے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے' اور ناک گلابی پڑی رہی تھی۔ البتہ اب وہ خوش اور فریش نظر آ رہی تھی۔ ''کیسا محسوس کر رہے ہو؟ جیسے جیل میں دوبارہ پہنچ گئے ہو' ہوں؟''

ندرت نے خفگی سے بڑبڑا کے اسے ٹوکا تھا مگر ان چاروں کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ فارس نے بھنویں بھینچ لیں اور ادھر ادھر دیکھا۔ ''بلاؤ کسی ڈاکٹر کو۔''

''ڈاکٹر والی بریفنگ ہم دے دیتے ہیں نا۔'' حنین پیکٹ سے چپس نکال نکال کر منہ میں رکھتی سامنے آتے ہوئے بولی۔ ''آپ کو چند زخم آئے ہیں۔ زیادہ گہرے نہیں ہیں۔ بے ہوش آپ دھوئیں کی وجہ سے ہوئے تھے۔ اس لئے ہم سے خاطر کی توقع مت رکھیے گا۔''

''اور یہ سارے پھل ہم اپنا ٹائم پاس کرنے کے لئے لائے ہیں۔'' سیم چہکا۔

''ہٹو یار!'' وہ بے زاری سے ہاتھ جھلا کر کہتا پھر سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ سعدی فوراً آگے بڑھا اور اسے سہارا دیتے ہوئے تکیے پیچھے جوڑے' پھر لیور کی مدد سے بیڈ کو سرہانے سے اوپر اٹھایا۔ وہ اب ٹیک لگا کر بیٹھا تو شدید تکلیف میں لگ رہا تھا۔ کندھے کا زخم درد کرنے لگا تھا جس سے چہرے پہ شدید بے زاری امڈ آئی تھی۔

''اور باقی لوگ....وہ ٹھیک ہیں؟'' اس نے پھر ندرت کو مخاطب کیا مگر جواب میں حنین چمک کر بولی تھی۔ ''ارے واہ۔ ان لوگوں کا کتنا خیال ہے آپ کو۔ کیا آگ میں کودتے وقت تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ایک بہن' ایک بیوی' ایک بھانجی اور.....'' سعدی اور سیم کو دیکھا....''اور ڈیڑھ بھانجوں کا خیال نہیں آیا تھا' ہاں؟''

''یار تم لوگ اپنا چڑیا گھر لے کر میرے سر سے چلے کیوں نہیں جاتے۔'' وہ کروٹ لینے کی کوشش میں شدید بے زار ہو رہا تھا مگر سعدی کے بدلے ابھی پورے نہیں ہوئے تھے۔

''واہ ماموں' مجھے تو خوب لیکچر دیتے تھے' میری کے بیٹے کو بچانے کیوں خطرے میں کود پڑے۔ اپنی دفعہ تو کوئی خودغرضی یاد نہیں آئی۔''

اب کے فارس نے صرف غصیلی آنکھوں سے اسے دیکھا تو وہ فوراً مصالحتی انداز میں ہاتھ اٹھائے قدم قدم پیچھے ہٹنے لگا۔ ''جا رہا ہوں....جا رہا ہوں۔''

ندرت اب ان تینوں کو گھرک رہی تھیں۔ پھر بڑے ابا کو فون کرنے اٹھ گئیں۔ کمرے میں سگنل اچھے نہیں آتے۔ باری باری سب باہر کھسک گئے۔ اب وہ دونوں تنہا رہ گئے۔ وہ اس کے قریب کھڑی گلاس میں چمچ ہلاتی کچھ مکس کر رہی تھی۔ ساتھ ہی مسکرا کے اسے دیکھ بھی رہی تھی۔

''باقی سب....'' وہ قدرے پرسکون ہوا تو نقاہت زدہ نظروں سے اسے دیکھتا' دھیمی آواز میں پوچھنے لگا۔

''نیاز بیگ ایکسپائرڈ ہو گیا۔ سانس گھٹنے کی وجہ سے۔ باقی سب ٹھیک ہیں....'' پھر گہری سانس لی۔ ''ہاشم ہیرو بن چکا ہے۔ جو بھی زخمی ہو جائے عوام کی ہمدردی سمیٹ لیتا ہے۔''

''اور یقیناً سارا الزام میرے سر ڈال چکا ہوگا۔''

''ابھی دیر کتنی ہوئی ہے حادثے کو۔ ابھی تو وہ باہر بھی نہیں نکلا۔ اور وہ ڈال بھی دے تو بھی کیا....وہاں سب نے تمہیں لوگوں کو نکالتے اور بچاتے ہوئے دیکھا ہے۔''

''واٹ ایور!'' اس نے سر جھٹکا۔ وہ گلاس پکڑے اس کے قریب آئی۔ اور اس کے کندھے کو چھوا۔

''گڈ جاب غازی!'' وہ کراہا۔

''یہ بات آپ تندرست کندھے کو بھی تھپک کر کہہ سکتی تھیں۔''

''اوہ سوری۔ مجھے تو بھول گیا تھا۔'' وہ تپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔

''مجھے پتہ ہے تم ناراض ہو۔ کب نہیں ہوتیں۔ خیر۔ میں وہاں سے بھاگ نہیں سکتا تھا۔ میں ایسا نہیں ہوں۔'' وہ گردن موڑ کر دوسری دیوار کو دیکھنے لگا تھا۔

''اور اگر تمہیں کچھ ہو جاتا۔ تو میں کیا کرتی؟'' اس کی آنکھیں پھر سے بھیگیں۔

''اچھا۔ تم پریشان ہوئیں؟'' فارس نے چونک کے اسے دیکھا' پھر مسکرایا۔ تنے اعصاب پہلی دفعہ جیسے سکون میں آنے لگے۔

''پریشان؟ ہونہہ۔'' اس نے خفگی سے سر جھٹکا۔ ''بس اتنا اندازہ ہوا کہ نفرت کتنی کرتی ہوں تم سے۔''

''اچھا...کتنی کرتی ہو؟'' اس نے سر پیچھے کو ٹکا لیا اور دلچسپی سے زمر کو دیکھا۔

''اتنی کہ میں ہاشم کی جان لے لیتی۔''

''کیا فائدہ ہوتا؟ میں تو نہ واپس آ سکتا۔''

''جو کہنا ہے کہہ لو۔ میں سچ میں بہت پریشان ہوگئی تھی۔'' وہ ناک سے سانس اندر کھینچتی زکام زدہ آواز میں بولی تھی۔

''اچھا لگا سن کر۔''

''بہت برے ہو تم۔''

''کیوں میں نے کیا کہا ہے؟ کم از کم ہسپتال کے بیڈ پہ تم سے قانون شہادت کے آرٹیکلز نہیں پوچھ رہا۔'' اور اس بات پہ وہ بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

''وہ....وہ تو....'' پھر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے نفی میں سر ہلایا۔''خیر میں نہیں بتا رہی کہ وہ کیوں پوچھا تھا میں نے۔ بس اتنا جان لو کہ میں تمہیں جانتی ہوں۔''

''صرف جاننا کافی ہے یا کوئی خدمت بھی کرو گی؟''

''کیا خدمت کروں۔''

''کیا کرتے ہیں ایسی سچوئشنز میں؟'' وہ یاد کرنے لگا۔''یہ سوپ پلاؤ نا مجھے اپنے ہاتھوں سے۔''

''شیور۔'' اس نے تپائی پہ دھرا گلاس اٹھایا' اس میں چمچ ہلایا اور پھر چمچ باہر نکال کر رکھتے ہوئے بولی۔''میں ضرور تمہیں سوپ پلاتی مگر یہ سوپ نہیں ہے۔'' گلاس سامنے کیا تو اس نے دیکھا' اندر نارنجی جوس تھا۔''یہ instant drink ہے جو میں نے تمہارے لئے ہلکان ہو کر اپنی ضائع شدہ توانائی کو بحال کرنے کے لئے بنائی ہے۔ سوری فارس' یہ میری ڈرنک ہے۔'' سادگی سے کندھے اچکا کر وہ اس کے عین سامنے گھونٹ گھونٹ جوس پینے لگی اور وہ خفگی سے اسے دیکھے گیا۔

''میں سمجھا تھا موت کے منہ سے واپس آنے کے بعد میری عزت میں شاید کوئی اضافہ ہوا ہو مگر....'' اور ناگواری سے سر جھٹک دیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بے ساختہ ہنس دی تھی۔ وہ ایسی گھڑیاں تھیں جب آنسو اور ہنسی ایک ساتھ نکلنے کو بے تاب لگ رہے تھے۔

اور تب ہی باہر عجیب سا شور بلند ہوا۔ وہ دونوں چونک کر دیکھنے لگے۔ پھر زمر نے سر جھٹک دیا۔ اب باہر چاہے قیامت بھی آ گئی ہو' وہ فارس کو چھوڑ کے کہیں نہیں جا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

جب ظلم و ستم کے کوہ گراں ..... روئی کی طرح اڑ جائیں گے

ہاشم کاردار....اسی ہسپتال کے بہترین پرائیوٹ روم میں لگژری کاؤچ پہ بیٹھا تھا اور مسکرا کے موبائل پہ سوشل میڈیا پہ برپا طوفان دیکھ رہا تھا۔ اس کی زخمی حالت کی تصاویر وائرل ہو چکی تھیں۔ دعائیں' نیک تمنائیں' محبت بھرے سندیسے ہی سندیسے موصول ہو رہے تھے۔ دروازے پہ آوازیں سنائی دیں تو کونے میں کھڑا رئیس فوراً باہر گیا۔ چند لمحے چوکھٹ پہ تکرار ہوتی رہی' یہاں تک کہ بے زاری سے ہاشم نے پکارا۔

''کون ہے یار؟''

''سر' شہرین میڈم ہیں۔ میں بتا رہا ہوں کہ آپ ابھی مل نہیں سکتے' لیکن.....''

''اچھا بھیج دو۔'' اس نے ہاتھ جھلا کر کہا اور سر جھکا کر موبائل دیکھنے لگا۔ رئیس چلا گیا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی۔ وہ ہیل کی آواز سے مانوس تھا' آج وہ آواز نہیں سنائی دی تھی۔ اس کی نگاہیں شہری کے قدموں تک گئیں تو منجمد ہو گئیں۔ وہ ننگے پیر تھی۔ ہاشم نے نظریں اٹھائیں۔ وہ پریشان سی' آنکھوں میں آنسو لئے کھڑی تھی۔

''واؤ....تم میرے لئے اتنی پریشان؟ یا یہ کوئی اسٹنٹ ہے؟'' وہ تلخی سے مسکرایا تھا۔

''ہاشم!'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ ''ہم نے تمہیں ٹی وی پہ دیکھا.... تم زخمی تھے.... سونی رونے لگ گئی تھی.....''

''اوہ یار تمہیں سونی کو نہیں دکھانے تھے وہ منظر۔ اچھا' اب گھر جاؤ' آرام کرو۔ میں صبح تک آ جاؤں گا۔ سونی سے کہو میں ٹھیک ہوں....''

''ہاشم....'' اس کی رندھی آواز کپکپائی۔ ''میں اور سونی ایک ساتھ آئے تھے۔ میڈ بھی ساتھ تھی.... مجھے نہیں پتہ کیا ہوا.....''

سیل فون ہاشم کاردار کے ہاتھوں سے پھسل گیا۔ اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ کرنٹ کھا کے کھڑا ہوا۔ ''کیا ہوا سونیا کو؟''

''ہاشم....'' شہری نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ ''سونی نہیں ہے.... سونی ہسپتال میں کھو گئی ہے.....''

کیا تم نے کبھی روح نکلنے کی آواز سنی ہے؟

وہ چیخوں سے زیادہ دلدوز ہوتی ہے۔

وہ بے اختیار آگے بھاگا۔

''کہاں ہے سونیا؟ کہاں ہے میری بیٹی؟'' وہ حواس باختہ سا باہر آ کر چیخا تھا۔

''وہ ابھی میرے ساتھ تھی.... رش بہت تھا.... میں کال کرنے رکی.... میڈ اس کے ساتھ تھی.... میں کاریڈور میں آگے نکل گئی' وہ پیچھے رہ گئیں.... میڈ سے اس کا ہاتھ چھوٹ گیا.... میں نے پولیس کو بتایا ہے.... وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں.... مگر وہ نہیں مل رہی.... وہ کہہ رہے ہیں اس ہسپتال سے ایک ماہ میں تین بچے پہلے بھی اغوا ہو چکے ہیں... سی سی ٹی وی بھی خراب.....''

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ بھاگ رہا تھا۔ سفید چہرہ لئے' سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ کاریڈور میں چلاتے ہوئے بھاگ رہا تھا....

''میری بیٹی مسنگ ہے.... اسے ڈھونڈ کر لاؤ.... رئیس.....''

اور رئیس کو بھی ابھی خبر ملی تھی۔ راہداری میں ہاشم کے گارڈز آگے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ پولیس کے افسران اسی طرف آ رہے تھے.... ہر چہرے پہ مایوسی تھی.... شکستگی تھی.... نفی میں ہلتی گردنیں.... جھکی آنکھیں.... وہ کچھ نہیں دیکھ پا رہا تھا.... وہ اس ہسپتال کی گرین شرٹ میں ملبوس راہداری میں آگے بھاگتا جا رہا تھا.... دل تھا کہ ڈوب ڈوب رہا تھا.... گردن بار بار بے یقینی سے نفی میں ہلتی تھی.... روح قبض ہو رہی تھی... جان نکل رہی تھی...

''سونیا کہاں ہے؟'' وہ ایک ایک شخص کو روک کر پوچھ رہا تھا۔ چیخ رہا تھا۔ راہداری سے گزرتے ہر بچے کا منہ موڑ کر دیکھتا۔ سونی نہیں تھی۔ کہیں نہیں تھی۔

''وہ کہاں جا سکتی ہے۔ وہ اتنی جلدی کہاں جا سکتی ہے۔ میری بیٹی کو ڈھونڈ کر لاؤ.... تم باہر دیکھو.... تم اس طرف جاؤ....'' وہ ڈھیروں لوگوں کے درمیان کھڑا چلا چلا کر ہدایات دے رہا تھا.... پسینے سے تر چہرہ.... اس پہ اڑتی ہوائیاں.... آنکھوں میں جلتی بجھتی امید.... وہ ایک دفعہ پھر سے آگے کو دوڑنے لگا تھا....

رپورٹرز اسی طرف آ گئے تھے.... کیمرے دھڑا دھڑ اس کی تصاویر اور فلم اتار رہے تھے.... اور وہ ایک ایک کو روک کر پوچھ رہا تھا... ''میری بیٹی.... وہ سات سال کی ہے....'' وہ ہاتھ سے اپنے گھٹنے تک اشارہ کرتے اس کا قد بتاتا۔ ''کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟'' وہ امید اور خوف سے ہر دروازہ کھول کر اندر دیکھتا' پھر آگے کو دوڑتا.... لوگ ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہے تھے.....

''کس نے اٹھایا ہے میری بیٹی کو؟ بتاؤ مجھے۔ کہاں جا سکتی ہے وہ....'' راستے میں اسے پولیس کا اعلیٰ افسر نظر آیا تو وہ تیر کی طرح اس پہ جھپٹا اور اس کا گریبان پکڑ لیا۔ ''کس لئے ہو تم لوگ؟ تمہارے ہوتے ہوئے وہ کیسے غائب ہو سکتی ہے؟''

وہ ویٹنگ لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا اور پولیس آفیسر کا گریبان جھنجھوڑ کر پوچھ رہا تھا۔ پولیس آفیسر نے ندامت اور افسوس سے

نظریں جھکالیں۔ ''سر ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو قرار واقعی سزا دلوئیں گے۔''

''سزا مائی فٹ!'' وہ اس کو پرے دھکیل کر چلایا تھا۔ ''مجھے میری بیٹی چاہیے۔ میری بیٹی کو لے کر آؤ۔ ایسے کیسے وہ کہیں جا سکتی ہے؟'' وہ چاروں طرف گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا۔ لوگ ہجوم کی صورت وہاں کھڑے خاموشی سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان میں ندرت بھی تھیں اور سعدی، حنین، اسامہ ان کے ساتھ کھڑے شل سے نظر آ رہے تھے۔

ہاشم کو اپنا سر گول گول گھومتا محسوس ہو رہا تھا.... رئیس پھولے سانس کے ساتھ بھاگتا آ رہا تھا.... ''سر.... سی سی ٹی وی کیمرے بھی عرصے سے خراب پڑے ہیں، ہسپتال کی بہت سی exits ہیں، شاید وہ اب تک بچی کو لے کر نکل گئے ہوں گے۔'' ہاشم تیزی سے آگے بڑھا اور پوری قوت سے ایک مکا اس کے منہ پہ دے مارا۔ رئیس تیورا کے پیچھے کو گرا۔

''مجھے میری بیٹی چاہیے.... مجھے میری بیٹی لا کر دو....'' وہ سرخ بھبھوکا چہرے کے ساتھ چلایا تھا۔ دو سپاہیوں نے اسے ''آرام سے سر آرام سے'' کہتے کندھوں سے تھام کر روکا، ورنہ وہ شاید رئیس کے ٹکڑے کر دیتا۔

''کون لے کر گیا ہے میری بیٹی کو....'' چاروں طرف دیکھ کر.... اب کے پریشانی اور صدمے سے شکست خوردہ سے انداز میں چلا رہا تھا.... ''ایسے کون کرتا ہے؟ ہسپتال سے کسی کا بچہ کون غائب کراتا ہے؟''

اور ندرت ذوالفقار یوسف نے آنکھیں بند کر کے ایسی کرب میں ڈوبی آہ بھری تھی کہ ان کے تینوں بچوں نے ان کے کندھوں اور بازوؤں سے خود کو لگا لیا تھا۔ ان سب کی آنکھوں میں ترحم تھا، خوف تھا.... ہاشم کے لئے.... اعمال کے نتائج کے لئے.....

''ایسے کون کرتا ہے؟'' ہاشم سرخ گیلی آنکھوں سے ایک ایک کا چہرہ دیکھ کر، ٹوٹے دل سے پوچھ رہا تھا.... اس کو ابھی تک سپاہیوں نے تھام رکھا تھا.... اس کے گارڈز ادھر ادھر بھاگ رہے تھے.... فون ملا رہے تھے.....

''کسی کا بچہ ایسے کون اٹھاتا ہے.... بچوں سے کون دشمنی کرتا ہے....'' وہ نڈھال سا ایک کرسی پہ گر گیا تھا.... آنسو اسکے چہرے پہ گر رہے تھے اور صدمے سے چور آنکھیں اب بھی ہر طرف دیکھتی تھیں.... رپورٹرز اس سے پوچھ رہے تھے کہ آگ والے واقعے کا ذمہ دار کون ہے.... مگر ہاشم نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا.... اسے معلوم تھا اغوا ہوئے بچے واپس نہیں ملتے.... اور یہی جان کر وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے.... ٹوٹا بکھرا سا.... رونے لگ گیا تھا.....

''Sonia was all i had!..... ایسے کون کرتا ہے۔'' وہ یہی دو فقرے دوہرا رہا تھا۔ ندرت کے تینوں بچے ان کے مزید قریب ان سے تقریباً لپٹ گئے تھے.....

اور شہر کی ایک سنسان خاموش سڑک پہ ڈرائیو کرتی ایمن فون پہ کسی سے کہہ رہی تھی۔ ''آپ کی مدد کا شکریہ۔ آج ہاشم سے تمام انتقام ہم نے لے لیے ہیں۔ اب آگے.....''

فون پکڑے اس کے ہاتھ میں اب وہ ہیرے کی انگوٹھی نہیں تھی۔

.....❖❖❖.....

ہم محکوموں کے پاؤں تلے ..... یہ دھرتی دھڑ دھڑ دھڑکے گی

زمر نے کھڑکی کے سامنے سے پردے ہٹائے تو گرم چمکیلی دھوپ چھن کر کمرے میں گرنے لگی۔ باہر ایک روشن خوبصورت صبح دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مسکرا کے گھومی اور فارس کو دیکھا جو آئینے کے سامنے کھڑا ڈریس شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ گیلے بال برش کیے، وہ باہر جانے کے لئے تیار لگ رہا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' وہ اس کی طرف آئی.... پھر اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی شرٹ کے کھڑے کالر درست کرنے لگی۔

''جاب ڈھونڈنے۔'' زمر نے مسکراہٹ دبا کر مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

''پانچ دن بعد چلنے پھرنے کے قابل ہوئے ہو تو باہر جانے کا اچھا بہانہ ڈھونڈا ہے۔''

''میں اب بالکل ٹھیک ہوں' اس خدمت کے طفیل جو آپ نے میری بالکل نہیں کی۔''

''اچھا۔ ٹائی نہیں پہنو گے؟''

''اونہوں!'' اس نے بے نیازی سے کندھے جھٹکے' آئینے میں دیکھ کر بال دوبارہ درست کیے پھر چابی اٹھاتے ہوئے اس کی طرف مڑا اور مسکرایا۔ ''اچھی لگ رہی ہو۔''

''تم بھی۔''

''میں کب نہیں لگتا؟'' بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''اچھا مجھ سے وعدہ کرو' جب ہم نئے گھر' نئی زندگی میں سیٹل ہو جائیں گے' تو تم مجھے ڈنر پہ لے کر جاؤ گے۔ عرصے سے وہ ڈنر ادھار ہے تم پہ۔''

''کتنی لالچی ہو تم!'' افسوس سے سر جھٹکتا وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ زندگی نارمل ہو گئی تھی' مگر وہ دونوں کبھی نارمل نہیں ہو سکتے تھے' یہ طے تھا۔

وہ پورچ میں آیا تو گھنٹی بجی۔ گاڑی کی طرف جانے کے بجائے وہ گیٹ تک آیا اور اسے کھولا۔ پھر سامنے کھڑے نوجوان کو دیکھ کر گہری سانس لی۔ کالے دھوئیں والا کمرہ.... آگ کے شعلے.... سب ذہن میں تازہ ہو گیا تھا۔

وہ خاور کا بیٹا تھا اور ملتجی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔''

اندر واپس جاؤ تو سعدی کچن کی گول میز پہ موجود ناشتہ کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ فارس کو رخصت کر کے زمر ادھر آئی تو اس کے پاس ٹھہر گئی۔

''سعدی!'' نرمی سے پکارا تو اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا' ہلکا سا مسکرایا۔ ''جی!''

''تم کیسے ہو؟''

''میں؟'' اس نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ ''پہلے غصہ تھا' پھر ڈپریشن' پھر میں نے عدالتی شکست کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ انسان کے ہاتھ میں صرف کوشش کرنا ہے' کامیابی تو اللہ دیتا ہے۔''

''پھر میری بات مان لو۔ سیو سعدی یوسف پیج کے کچھ ممبرز تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان سے مل لو۔'' وہ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھے نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔ مگر سعدی نے نفی میں سر ہلایا۔

''میں ان لوگوں کو کیسے فیس کروں گا جنہوں نے اتنے مہینے اپنے جذبات اور آوازیں میری جدوجہد میں انویسٹ کیں؟ میں ہار گیا ہوں۔ یہ کیسے explain کروں گا؟''

''تم جاؤ تو سہی! ملنے اور بات کرنے سے بہت کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ یاد ہے' میں اور تم.... ایک زمانے میں بات کرنا چھوڑ چکے تھے' مگر ہم ٹھیک تب ہوئے جب بات کرنا شروع کی۔'' پھر رک کر بولی۔ ''آئی ایم سوری.... ان چار سالوں کے لئے۔''

''نہیں زمر!'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا۔ ''خونی رشتوں کی لڑائیوں اور کٹ آف میں غلطیاں مشترکہ ہوتی ہیں۔'' وہ آزردگی سے مسکرا دی۔

باہر لان میں واپس آؤ تو وہ دونوں ابھی تک پورچ میں کھڑے تھے۔ نہ فارس نے اسے بیٹھنے کو کہا' نہ وہ اتنا وقت لے کر آیا تھا۔

''کاردار صاحب کی بیٹی کا کچھ پتہ چلا؟ پانچ روز ہو چکے ہیں۔''

''نہیں!'' فارس جیبوں میں ہاتھ ڈالے' سر جھکائے' جوتے سے گھاس کو مسلتے ہوئے بولا تھا۔''میں نے اپنے تمام اسٹریٹ کانٹیکٹس کو متحرک کیا ہے' مگر ڈاکٹر ایمن' اس کا خاندان اور سونیا تینوں اب تک اس ملک سے بہت دور جا چکے ہوں گے۔ میں اب بھی کوشش کر رہا ہوں کہ کسی طرح ہم سونی کو ڈھونڈ لیں۔''

''وہ لوگ تو آپ کے دشمن ہیں۔''

''مگر بیٹیاں سب کی برابر ہوتی ہیں۔'' فارس اس لڑکے کو دیکھ کر زخمی سا مسکرایا۔''خیر' تم کیسے آئے؟ والد صاحب ٹھیک ہیں تمہارے؟'' لڑکا چپ ہو گیا۔ پھر سر جھکا لیا۔

''میں چاہتا ہوں آپ میرے ابو کو معاف کر دیں۔''

''معاف!'' فارس نے ایک سرد سانس دھیرے سے خارج کی۔''میں لوگوں کو جسمانی اذیت دے کر انتقام لینے کو برا سمجھتا ہوں۔ خاور کے ساتھ یہ سب میں نے نہیں کیا تھا۔ خاور نے میرے بھائی' میری بیوی' زمر.... سب کو جسمانی اذیت دی' مگر میں نے اتنا کیا کہ سعدی سے کہا' وہ خاور کو ہاشم سے الگ کر دے۔ اس نے خاور کی نوکری ختم کروا دی اور اسے ہاشم کے زیرِ عتاب لے آیا۔ اس وقت میرا انتقام پورا ہو گیا تھا۔ اب معافی کے لئے کچھ بچا ہی نہیں۔''

''پھر بھی....''

''میں دل صاف کرنے کی کوشش کروں گا' لیکن وعدہ کروں تو یہ جھوٹ ہو گا۔ میں اپنے بھائی اور بیوی کی لاشیں نہیں بھول سکتا۔'' اس نے لڑکے کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔ یہ ملاقات ختم ہونے کا عندیہ تھا.....

مور چال کی بالائی منزل تک جاؤ تو اپنے کمرے میں حنین اسٹڈی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ یہاں کھڑکی سے نیچے لان میں کھڑا فارس دکھائی دے رہا تھا' مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنی عزیز کتاب کے صفحے پلٹ رہی تھی.... کافی دن بعد حنین کو وہ بھاری آبنوسی دروازہ دکھائی دیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ کھلتا چلا گیا.....

سامنے تاحدِ نگاہ سنہرا صحرا تھا' مگر جس جگہ وہ کھڑی تھی' وہاں اونچے گھنے کھجور کے درخت ہی درخت تھے.... نخلستان نے صحرا کی گرمی اور تپش کو شکست دے دی تھی۔

بوڑھا استاد ایک درخت تلے بیٹھا دکھائی دے رہا تھا۔ سامنے چند تختیاں رکھی تھیں جن کے اوپر وہ قلم کو سیاہی میں ڈبو ڈبو کر لکھ رہے تھے۔ وہ قدم قدم اس طرف بڑھنے لگی تو انہوں نے سر اٹھائے بنا مسکرا کر کہا۔''بہت دن بعد آئی ہو۔''

''مگر میں نے یہ دن بے کار نہیں گزارے' شیخ!'' وہ ان کے سامنے آ بیٹھی۔ دوزانو ہو کر۔ وہ سر جھکائے لکھتے رہے۔''کیا کیا تم نے ان دنوں میں۔''

''میں نے جو آپ کی کتاب سے سیکھا تھا' اسے اپنی زندگی پہ اپلائی کیا۔ جس علم کو اپلائی ہی نہ کیا جائے وہ تو ایسے ہے جیسے گدھے پہ کتابیں لاد دی گئی ہوں۔ ایسا علم بوجھ بن جاتا ہے۔ میں نے' اے شیخ' آپ کی کتاب ختم کر لی اور میں اب اس کے آخری باب کے متعلق بات کرنے آئی ہوں۔''

کھجور کے درختوں کے بیچ سرسراتی ہوئی ٹھنڈی ہوا نے ماحول کو مزید خوشگوار بنا دیا تھا۔ ایسے میں جہاں ہر طرف سیاہ سفید منظر نامہ تھا' وہ رنگین دکھائی دیتی تھی۔

''پھر.... کیا سیکھا تم نے میری کتاب سے؟''

''میں نے یہ سیکھا کہ ہر انسان vulnerable ہے۔ اس کے اردگرد کا موسم ایک سا نہیں رہتا۔ کبھی موسم بدلتا ہے تو ہوا میں گردش

کرتے مختلف وائرس اسے آ کر جکڑ لیتے ہیں۔ ایسے ہی ماحول بھی بدلتا رہتا ہے۔ نئے ماحول' نئی یونیورسٹی کالج' نیا موبائل فون' ان سب عناصر کے باعث اسے مرضِ عشق کا وائرس آن لگتا ہے۔ اس میں اس کا قصور نہیں ہوتا۔ پھر وہ کیا کرتا ہے' یہاں سے اس کا امتحان شروع ہوتا ہے۔''

''تو تمہارے خیال میں پھر اسے کیا کرنا چاہیے؟'' درس کا وقت ختم ہو چکا تھا اور امتحان شروع ہو چکا تھا۔ استاد نے تختیاں پرے ہٹا دیں اور پوری توجہ سے اس کا جواب سننے لگے۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''اسے دو کام کرنے چاہئیں۔ پہلا غضِ بصر۔ نظر جھکانا۔ وہ شخص جس کی وجہ سے دل ڈسٹرب ہے' اس سے اگر کوئی حلال تعلق نہیں ہے تو اسے اپنی زندگی سے نکال باہر پھینکنا۔ سارے تعلق' سارے روابط کاٹ دینے چاہئیں۔ پھر اس کی یادوں' اس کی تصویروں' اس کے میسجز' ای میلز' کسی کو بھی دوبارہ نہ پڑھیں۔ یوں نظر محفوظ ہوگی تو دل بھی محفوظ ہوگا۔''

''اور دوسرا طریقہ؟''

''صرف نظر کی حفاظت کرنا کافی نہیں۔ دل کا دھیان بھی بٹانا ہوگا۔ عشق عشق کو کاٹتا ہے' محبت محبت کو کاٹتی ہے۔ آپ کی کتاب کا آخری باب کہتا ہے کہ اپنے دل میں سب سے بڑی محبت.... اللہ کی محبت بسائی جائے' وہ ہمارے دل کو اتنا مضبوط کر دے گی کہ ہم اس شخص کی طرف نہیں لپکیں گے۔''

''کیا تمہیں اس بات سے اختلاف ہے؟''

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔ لیکن مجھے ایک اعتراف بھی کرنا ہے۔ کئی سال پہلے علیشا نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا مجھے خدا سے محبت ہے؟ میں نے کہا تھا' پتہ نہیں۔ آج' اتنی ٹھوکریں کھا کر بھی میں نہیں جان سکی کہ اللہ سے محبت کسے کہتے ہیں۔ وہ کیسے کی جاتی ہے۔ میں نمازیں پڑھتی ہوں اور لوگوں کو دھوکے نہ دینے کی کوشش بھی کرتی ہوں' مگر ابھی تک میں اللہ تعالیٰ سے وہ محبت نہیں کر سکی جو کرنا چاہیے تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ آخر میں جا کر میں اس محبت کو سمجھ جاؤں گی مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ اور میں یہی بتانا چاہتی ہوں آپ کو۔ اللہ کی طرف جاتا راستہ بہت طویل ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کے آخر تک پہنچ جائیں' اس کو پار کر لیں۔ ضروری صرف یہ ہے کہ جب ہمیں موت آئے تو ہم اسی راستے پہ ہوں چاہے لڑکھڑا رہے ہوں' چاہے گر پڑ کر آگے بڑھ رہے ہوں' مگر اس سیدھے راستے پہ رہیں۔ اپنے گناہوں کو دلیلیں دے دے کر جسٹی فائی نہ کرتے پھریں۔ جب دل میں کچھ کھٹک رہا ہو تو بہ کر کے اپنے اعمال درست کر لیں اور راستہ سیدھا کر لیں۔ ہمارا مستقبل کورا ہے' ماضی جیسا بھی داغدار ہو بھلے۔ مستقبل کو ہم اپنی مرضی سے لکھ سکتے ہیں۔''

''اور اللہ سے محبت؟'' انہوں نے یاد دلایا۔ حنین نے گہری سانس لے کر.... سر اٹھا کے دور تک پھیلے کھجور کے درختوں کو دیکھا۔

''وہ ویسی نہیں کر سکی جیسے کرنی چاہیے۔ مگر مجھے ان چیزوں سے محبت ہو گئی ہے جن سے اللہ کو محبت ہے۔ مجھے نماز اور قرآن سے محبت ہو گئی ہے' اور مجھے اللہ تعالیٰ سے بات کرنا' دعا مانگنا اچھا لگنے لگا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اللہ سے محبت میں ولیوں اور نیک لوگوں جیسی نہ بھی ہو سکی' تب بھی میں ایسے اچھے کام کرتی رہوں گی جن سے کم از کم وہ تو مجھ سے محبت کرے گا نا۔'' وہ مسکرا کر امید سے کہہ رہی تھی اور شیخ نے بھی اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو خم دیا تھا۔

کھجور کے درخت غائب ہو گئے۔ اس نے سر اٹھایا تو دیکھا کمرے میں بیٹھی تھی اور اسٹڈی ٹیبل پہ کتاب کھلی رکھی تھی۔ اس نے صفحے پلٹائے۔ پہلے صفحے پہ واپس آئی۔ وہاں آج بھی ہاشم کاردار کا نام لکھا تھا۔

کینسر رہے نہ رہے' وہ بھولتا کبھی نہیں ہے۔ اور بھولنا ضروری بھی نہیں ہے۔ اس نے گہری سانس لے کر کتاب بند کر دی۔ ایک سفر تمام ہوا تھا۔

❖ ❖ ❖

اور اہل حکم کے سر اوپر ..... جب بجلی کڑ کڑ کڑ کے گی

قصرِ کاردار کا لاؤنج دوپہر کے باوجود اندھیرے میں ڈوبا لگتا تھا۔ کھڑکیوں کے آگے بلاک آؤٹ بلائنڈز گرے تھے.... گویا روشنی کے سارے راستے کاٹ دیے گئے ہوں۔

وہ بڑے صوفے پہ لمبا لیٹا تھا۔ رف ٹراؤزر اور آدھی آستین کی ٹی شرٹ پہنے۔ بڑھی شیو اور سرخ آنکھیں لئے' وہ چھت پہ جھلملاتے فانوس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے قدموں کے قریب ہاتھ باندھے ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کھڑا تھا' اور ساتھ رئیس۔

''وہ ملک سے فرار ہو چکے ہیں۔ مگر ہم انہیں ڈھونڈ لیں گے۔ تاوان کے لئے کوئی کال بھی نہیں کی۔ ان کا مقصد آپ کو اذیت دینا تھا۔'' پولیس افسر سر جھکائے ڈرتے ڈرتے اطلاع دے رہا تھا۔ ''اور ہم یہ معاملہ فارس غازی پہ بھی نہیں ڈال سکتے کیونکہ وہ اس وقت زخمی حالت میں ہسپتال داخل تھا.... اور...''

ہاشم نے بے زاری سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ''وہ ایسے کام نہیں کرتا۔ بیٹیاں سب کی برابر ہوتی ہیں۔'' سرخ آنکھوں سے اس نے پولیس والے کو گھورا تھا۔

''سر' آپ نے بہت غلطی کی۔ اتنے شاطر مجرموں کو ایک کمرے میں بند کر کے آگ لگانی چاہی.... انہوں نے جوابی حملہ تو کرنا تھا۔''

''بکواس مت کرو میرے سامنے۔'' وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھا۔ ننگے پیر زمین پہ اتارے۔

''میں ان میں سے ایک ایک کو دوبارہ اسی طرح جلا کر ماروں گا' اور اگر مجھے سونیا نہ ملی تو تم لوگوں کے بچے بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔'' انگلی اٹھا کر وہ اسے تنبیہہ کر رہا تھا۔ ''تم لوگوں کو بھی جو زیادہ پیسہ دے اس کے ساتھ مل جاتے ہو۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ پولیس کے ہوتے ہوئے ایک بچی کو وہاں سے نکال کر لے جائے اور کسی کو معلوم بھی نہ ہو۔ میں صرف سونی کے ملنے کا انتظار کر رہا ہوں۔ پھر دیکھنا' میں تم سب کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔'' اسے گھورتے ہوئے وہ جھٹکے سے اٹھا' اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ سیڑھیاں تاریک تھیں' ساری دنیا تاریک تھی۔

اپنے کمرے میں آ کر وہ کار کی چابیاں ڈھونڈنے لگا۔ روز کی طرح آج بھی اسے شہر کے کونے چھان مارنے جانا تھا۔ میز سے چابیاں اٹھاتے ہوئے وہ رکا۔ وہاں ڈیجیٹل فوٹو فریم لگا تھا جس میں تصاویر کا سلائیڈ شو مدھم موسیقی کے ساتھ چل رہا تھا۔ ہاشم رک کر دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں یاسیت سی اتر آئی.....

اس کے بچپن کی تصاویر.... وہ اور ڈیڈ.... اسٹین فورڈ کے دنوں کی تصاویر.... اس کی ڈگری.... اور اس پہ بڑا بڑا سا ''کاردار'' لکھا.... ہر دوسری ہر تصویر میں اورنگزیب اس کے ساتھ تھے.... اس کا شانہ تھپکتے' اس کو دیکھ کر مسکراتے.... وہ اسے کہا کرتے تھے' وہی ان جیسا ہے.... وہی ان کے کاروبار' ان کی وراثت کا اصل حقدار ہے.... جواہرات بے اعتبار اور شیر و نکما تھا.. علیشا کچھ تھی ہی نہیں.... سب ہاشم تھا.... ہاشم سنبھال لے گا.... اور اب آہستہ آہستہ یہ حقیقت اس کے اوپر عیاں ہو رہی تھی کہ اس کی ساری زندگی ایک جھوٹ کے سوا کچھ بھی نہ تھی.... ہر وہ شے جس پہ اس نے فخر کیا تھا.... جس سے اس نے محبت کی تھی.... کچھ بھی اس کا نہ تھا.... کچھ بھی اس کا نہ رہا تھا.... اس نے آنکھیں بند کیں۔ گرم گرم آنسو گال پہ لڑھکنے لگے۔

پھر اس نے دراز کھولی۔ اندر اس کا پستول رکھا تھا۔ اس کی ہر شے کی طرح بیش قیمت اور برانڈڈ۔ اس نے پستول نکالا اور لوڈ کیا۔

اندھیر لاؤنج میں رئیس اور پولیس آفیسر کھڑے دھیمی سرگوشیوں میں سونی کو ڈھونڈنے کے بارے میں بات کر رہے تھے' جب انہوں نے وہ ہولناک فائر سنا۔ دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

''ہاشم!'' رئیس کے لبوں سے نکلا۔ وہ دونوں دیوانہ وار اوپر بھاگے.... سیڑھیاں عبور کیں.... اور کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھولا۔ کمرے کے کونے میں رکھا ایکویریم (جو وہ کئی دن پہلے ادھر لے آیا تھا) چکنا چور ہوا پڑا تھا۔ پانی گر گیا تھا۔ سامنے ہاشم کھڑا تھا' اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

''سر آپ ٹھیک ہیں؟'' رئیس نے بدحواسی سے پوچھا۔ ہاشم کاردار نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''مجھے کیا ہونا ہے؟ اتنا کمزور نہیں ہوں کہ ہار مان لوں گا۔ میں صرف اپنے پچھتاووں کی آخری نشانی ختم کر رہا تھا۔ جو کیا' بالکل ٹھیک کیا۔ دس بار پھر کروں گا۔ ایک دفعہ مجھے سونی مل جائے' پھر میں سب کو بتاؤں گا کہ میری بیٹی کو ایذا دینے والوں کے ساتھ کیا ہونا چاہیے۔ اب چلو۔'' گن جیب میں اڑستے ہوئے' وہ آگے بڑھ گیا۔ رئیس نے بے اختیار سکون کا سانس لیا تھا۔ آج پھر انہیں شہر کا ہر کونا رات گئے تک چھاننا تھا.... ایمن کے رشتے داروں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے گھروں میں دھاوا بولنا تھا' ان کو ہراساں کرنا تھا.... وہ کہاں جا سکتی ہے.... کوئی تو بتا دے گا۔

.....❖❖❖.....

جب ارضِ خدا کے کعبے سے ..... سب بت اٹھوائے جائیں گے

ائیر پورٹ پہ مختلف اطلاعات کی آوازیں اسپیکرز پہ گونج رہی تھیں۔ رش کافی تھا۔ آوازیں۔ شور۔ ایسے میں وی آئی پی لاؤنج میں ایک صوفے پہ نوشیرواں بیٹھا تھا اور بار بار گھڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ اکیلا تھا۔ سارے میں مجمعے میں بھی اکیلا۔

قریب آتے قدموں کی آہٹ محسوس کی تو سامنے دیکھا۔ سعدی یوسف وہاں سے چلا آ رہا تھا۔ سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک چڑھائے' وہ سنجیدہ چہرے اور چبھتی ہوئی نظروں کے ساتھ اس کے عین سامنے آ رکا۔ شیرو بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔

''پبلک پلیس پہ بلایا تم نے نوشیرواں' لیکن میں اس دفعہ گھر والوں کو بتا کر آیا ہوں۔ ورنہ سکیورٹی سسٹم.....'' نظر گھما کر سی سی ٹی وی کیمروں کو دیکھا'' اور سکیورٹی اہلکاروں کا بھروسہ نہیں ہے مجھے۔'' پھر اپنی گھڑی دیکھی۔'' میرے پاس صرف دس منٹ ہیں۔ جو بھی کہنا ہے بغیر تمہید کے کہو۔''

نوشیرواں چند لمحے تذبذب سے اسے دیکھے گیا۔ سلک کی گرے شرٹ اور... سیاہ کوٹ پہنے' وہ بال چھوٹے کٹوا کر پہلے سے بہت مختلف نظر آ رہا تھا۔'' سونیا ابھی تک نہیں ملی۔''

''مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔ ہم بھی تلاش کر رہے ہیں' اپنے طور پہ جتنا ہو سکا کریں گے۔ اور کچھ؟'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''سعدی کیا تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟'' وہ ایک دم جذباتی سا ہو کر بولا۔'' کیا تم مجھے اس بوجھ سے آزاد نہیں کر سکتے؟ میں جیل گیا' میں عدالتوں کے چکر لگاتا رہا' ہمارا خاندان ٹوٹ گیا' اپنے سوشل سرکل میں میں مذاق بن کر رہ گیا۔ کیا تم میری سزا ختم نہیں کر سکتے؟'' اس کی آواز آخر میں گلوگیر ہو گئی تھی۔ سعدی نے ایک گہری سانس لی' صوفے پہ بیٹھا اور اسے اشارہ کیا۔'' بیٹھو۔'' وہ کسی معمول کی طرح سامنے بیٹھ گیا۔ دم سادھے۔ اب سعدی نے آگے جھکے' ہاتھ باہم پھنسائے' غور سے اسے دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔'' میں تمہارا کون تھا نوشیرواں؟''

نوشیرواں سے کچھ بولا نہیں گیا۔

''میں تمہارا دوست تھا۔ جس نے تمہاری جان بچائی تھی۔ جو یونیورسٹی میں تمہاری ہر طرح سے اخلاقی طور پہ مدد کیا کرتا تھا مگر تم نے پہلے مجھ سے لڑائی کی' پھر مجھ سے حسد شروع کیا۔ کیا تھا اگر تم اس بات کو اپریشیٹ کر لیتے کہ ایک مڈل کلاس کا لڑکا اتنا پراعتماد ہے مگر تم جلنے لگے۔ تم نے ہر موقع پہ مجھے نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ لوگ کہتے ہیں پہلا قتل عورت پہ ہوا تھا۔ غلط کہتے ہیں۔ پہلا قتل حسد کی وجہ سے ہوا تھا۔

قابیل نے تب نہیں مارا ہابیل کو جب یہ فیصلہ ہوا کہ ہابیل اس لڑکی سے شادی کرے گا جس سے قابیل کرنا چاہتا ہے۔ اس نے تب مارا اسے جب اللہ نے ہابیل کے حق میں فیصلہ دیا۔ پہلے اس کا ہابیل سے مقابلہ تھا۔ اب وہ ہابیل سے جیلیس ہوا تھا۔ تم نے جب مجھے مارنا چاہا تو میں نے وہی کہا جو ہابیل نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ میں تم پہ ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ لیکن تم نے مجھے گولیاں ماریں' مجھے بوٹ مارے۔ کیا میں وہ بھول سکتا ہوں؟'' شیرو کا چہرہ جھک گیا۔ کان گلابی پڑ رہے تھے۔

''جب میں قید سے رہا ہو کر آیا تو روز سوچتا تھا' کیا میں وہ بھول سکتا ہوں؟ تمہیں معاف کر سکتا ہوں؟ پھر مجھے احساس ہوا کہ ہاں' میں یہ کر سکتا ہوں۔''

نوشیرواں نے جھٹکے سے سر اٹھایا اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ پرتپش نگاہوں سے اسے دیکھتا کہہ رہا تھا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں اتنا بے رحم اور انتقام میں اندھا ہو گیا تھا کہ ہر قیمت پہ تمہاری پھانسی چاہتا تھا؟ نہیں نوشیرواں' حالانکہ قصاص میرا حق تھا' مگر میں چاہتا تھا تم اپنی اصلاح کرو۔ تم نے زمر کو بھی بچایا' تم اپنی معافی' اپنی نجات کہاں کہاں نہیں ڈھونڈتے رہے' مگر تم میرے پاس نہیں آئے۔ تم آتے بھی تو میں تمہیں معاف نہ کرتا۔ کیونکہ میں چاہتا تھا تم دنیا کے سامنے مانو' عدالت میں اعتراف کرو' یا عدالت اس بات کو مانے کہ میں سچ کہہ رہا تھا۔ اگر تم اصلاح چاہتے ہوتے تو مان لیتے' یا اپنے بھائی کو روکتے کہ مجھ پہ اور میرے خاندان پہ کیچڑ نہ اچھالتا رہے' مگر تم خاموش رہے۔ تم برادرانِ یوسف کی طرح سمجھتے ہو کہ ''اس گناہ کے بعد ہم نیکوکار ہو جائیں گے'' والا طریقہ درست ہے۔ نہیں نوشیرواں اصلاح کے سفر کی بنیاد جھوٹ پہ نہیں رکھی جاتی۔ سچ پہ رکھی جاتی ہے۔ عدالت میں جھوٹ کو بڑے جھوٹ سے بے شک ہرایا جائے مگر زندگی میں جھوٹ کو سچ سے ہی ہرانا چاہیے۔''

''میں اعتراف کرتا تو مجھے پھانسی ہو جاتی!'' وہ دبا دبا سا چیخا تھا۔ آنکھیں پھر سے گلابی پڑنے لگی تھیں۔

''میں نے کہا نا' میں فیصلہ کر چکا تھا۔ اگر تم اعتراف کرو یا اگر عدالت تمہیں مجرم مان لے تو میں بھی تمہیں معاف کر دوں گا۔ مگر تم اصلاح والی زندگی نہیں چاہتے تھے۔ تم صرف زندگی چاہتے تھے۔ تم ایک دفعہ اعتراف کر کے تو دیکھتے۔ میں خود سارے الزام واپس لے لیتا۔ ایک دفعہ پھر تم نے مجھے سمجھنے میں غلطی کی۔ میں صرف اس ملک میں ایک precednet سیٹ کرنا چاہتا تھا کہ ہاں طاقتور بھی قانون کے ہتھوڑے تلے آ سکتا ہے مگر تم بزدل نکلے۔....'' وہ سپاٹ انداز میں کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اس لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ میں وہ تین گولیاں بھی بھول سکتا ہوں مگر تم نے ایک زخمی پڑے دوست کو بوٹ سے ٹھوکریں ماری تھیں۔ میں وہ نہیں بھول سکتا۔'' پھر رک کر بولا۔ ''ہابیل کو مارنے کے بعد قابیل کو پھانسی نہیں دی گئی تھی۔ مقدس کتابوں میں آتا ہے کہ اس کے ماتھے پہ خدا تعالیٰ نے ایک مہر لگا دی تھی اور بنی نوع انسان پہ اس کا قتل حرام کر دیا تھا۔ وہ ساری عمر اس نشان کو لئے بھٹکتا رہا' مگر لوگ اس کو اس نشان کے سبب پہچان لیتے اور اس کو قتل نہ کرتے۔ وہ سینکڑوں سال زندگی کی قید میں رہا۔ ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا۔ میں چاہتا ہوں تم بھی قابیل کی طرح بھٹکتے رہو۔ کیونکہ ہاشم پھر بھی اپنے پیاروں سے مخلص تھا۔ ان کو مار سکتا ہے' ان کو جلا سکتا ہے' قید کر سکتا ہے' مگر ان کو دھوکہ نہیں دیتا ہے۔ تم نے تو ہاشم کو بھی صرف استعمال کیا۔ ہر قابیل کا مرنا ضروری نہیں ہوتا شیرو!'' وہ رکا اور تصحیح کی۔ ''مگر تمہارا نام نوشیرواں ہے!''

سعدی یوسف نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی اور مڑ گیا۔ نوشیرواں بھیگی آنکھوں سے اس کو دور جاتے دیکھتا رہا۔ اپنے ماتھے پہ لگی دہکتی مہر کو وہ ابھی سے محسوس کرنے لگا تھا۔

❖❖❖

ہم اہل سفا مردود حرم ..... مسند پہ بٹھائے جائیں گے

اور اسی وقت قصرِ کاردار میں بنے جواہرات کے پرتعیش کمرے میں کوئی اور بھی حساب کتاب لینے بیٹھا تھا۔

وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے بیٹھی' چغے کی صورت ہڈ سر پہ گرائے' درشتی سے پیچھے کرسی پہ بیٹھے ہارون سے کہہ رہی تھی۔ ''کیوں آ جاتے ہو ہر روز مجھے کچوکے لگانے؟''

''تمہاری ملازمہ مجھے آنے دیتی ہے۔ میں کیا کروں؟'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' تھری پیس میں ملبوس تھے۔ اس بات پہ مسکرا کے شانے اچکاتے بولے تھے۔ ''اور پھر مجھے اچھا لگتا ہے تمہارے ساتھ بیٹھ کر آبی کو یاد کرنا۔ ویسے کیا اب احساس ہوا ہاشم کو کہ کسی کی بیٹی کو چھیننا کیسا ہوتا ہے؟''

''ہونہہ۔'' وہ تلخی سے ہنسی۔ ''جیسے تمہیں اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی۔ ہرگز نہیں۔ کسی کو اپنی اولاد سے اتنی محبت نہیں ہو سکتی جتنی مجھے اپنے بیٹوں سے ہے۔''

''ہر کسی کو اپنی اولاد پیاری ہوتی ہے جواہرات۔ مجھے بھی تھی۔'' وہ درشتی سے بات کاٹ کر بولے تھے۔ ''مگر میں ہاشم کی طرح دیوانہ وار ایک ایک کا گریبان نہیں پکڑ سکتا تھا۔ میں تم لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں خود کو مزید طاقتور بنانا چاہتا تھا تاکہ کبھی تو تم سے انتقام لے سکوں۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا آبی کے ساتھ۔ ہاشم نے کیا جو بھی کیا۔''

''تم نے اور بہت کچھ کیا ہے۔ پہلے میری بیوی پہ الزام لگایا' اس کا سکینڈل بنوایا' میں نے اسے قید میں ڈال دیا تو تم اس کو نکال کر لے گئیں۔ تم نے میری بیوی کو مروایا' اس کے زیور ہتھیا لئے۔ وہ antique نادر جیولری.... اس کی وجہ سے میری بیٹی تباہ ہو گئی۔'' وہ کہہ رہے تھے اور ایک ایک لفظ میں درد سا بسا تھا۔ ''میں اسے کبھی وقت نہیں دے سکا۔ وہ موت سے obsessed ہوتی گئی۔ میں نے اس کی حفاظت کرنی چاہی' اس کو باڈی گارڈ خرید کر دینا چاہا۔ مگر کوئی میرے اشارے پہ نہ چلا۔ نہ تم لوگ' نہ زمر اور فارس۔ یہاں تک کہ ہاشم نے اسے چھین لیا۔''

''چلے جاؤ تم یہاں سے۔ میری.... میری۔'' وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔ ''اس آدمی کو نکالو یہاں سے۔'' مگر وہ خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے بولے تھے۔ ''ایک دفعہ پھر.... تمہاری حالت پہ بہت افسوس ہوا جواہرات!''

باہر آ کر کار میں بیٹھتے ہوئے ہارون عبید نے موبائل نکال کر ای میلز کھولیں تو تیسری میل دیکھ کر لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ انہوں نے اس میں موجود نمبر دیکھ کر اس کو کال ملائی۔ تھوڑی دیر بعد وہ فون میں کہہ رہے تھے۔

''آپ کو بقایا رقم' آسٹریلوی شہریت' اور سفری دستاویزات آج مل جائیں گے ڈاکٹر ایمن۔ اس رات آپ نے مجھے کال کر کے اپنی زندگی کا سب سے بہترین فیصلہ کیا تھا۔'' پھر رک کر سننے لگے۔ ''بے فکر رہیں۔ بچی کہاں ہے' زندہ بھی ہے یا نہیں' یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ اس رات کے بعد سے میرا مسئلہ ہے۔'' اور مسکرا کے فون بند کر دیا۔

سیاہ شیشوں والی کار تیزی سے سڑک پہ دوڑتی رہی اور وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ باہر دیکھتے رہے۔

.....❖❖❖.....

سب تاج اچھالے جائیں گے ..... سب تخت گرائے جائیں گے

رات گہری ہو رہی تھی اور شہر کی ایک پررونق سڑک پہ ہاشم کی کار دوڑتی جا رہی تھی۔ وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا تھا اور کھڑکی سے باہر ویران نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ رئیس کار ڈرائیو کرتے ہوئے اس کو سونیا کے اغوا کی تفتیش کے بارے میں آگاہ کر رہا تھا۔ مگر وہ بس دکھی نظروں

سے باہر دیکھے جا رہا تھا۔ شہر روشنیوں سے منور تھا' دنیا اس کی ذہنی حالت سے بے نیاز اپنی روش پہ چل رہی تھی' بہہ رہی تھی' جل رہی تھی' اور وہ کتنا پیچھے رہ گیا تھا۔ زندگی میں ایک ہی سچ بچا تھا۔ سونیا.... اور اس نے اسے بھی کھو دیا تھا۔ وہ کہاں جائے' وہ کیا کرے؟ وہ آنکھیں بند کر کے کنپٹیاں سہلانے لگا۔

کار رکی تو اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

''سر یہاں مارکیٹ میں ڈاکٹر ایمن کے بھائی کی شاپس ہیں۔ میں بندے لے جا کر ان سے ذرا.... بات کرتا ہوں۔ آپ بیٹھیں۔ مجھے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔'' ہاشم نے محض سر ہلا دیا۔ اور سر ہاتھوں میں گرا کے وہیں بیٹھا رہا۔ آگے پیچھے رکتی گاڑیوں کے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ پھر گارڈز کے دور جانے کی چاپ سنائی دیتی رہی۔ وہ آنکھیں موندے بیٹھا رہا۔

''ٹھک ٹھک!'' شیشہ کھٹکا تھا۔ اس نے بے زاری سے آنکھیں کھولیں اور گردن موڑی۔ کھڑکی پہ ایک شخص جھکا ہوا تھا اور اسے باہر آنے کو کہہ رہا تھا۔ گول چشمے والا شخص.... وہ اسے فوراً پہچان گیا تھا۔ یہ وہی تھا جو ہر روز عدالت آیا کرتا تھا۔ ہاشم ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ پھر اچنبھے سے اس کے ساتھ کھڑے دو افراد کو دیکھا۔

''جی؟'' خشک آواز میں پوچھا۔

''ہاشم کاردار.... آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔''

''آہاں.... مگر کیوں؟'' اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''ہمیں آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں۔ آپ کو ہمارے آفس آنا ہوگا۔'' چشمے والا بے تاثر انداز میں کہہ رہا تھا۔ اندھیرے میں کار کے ساتھ کھڑے ان تینوں کو اس نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

''کون ہو تم لوگ؟''

چشمے والے نے اپنے کوٹ میں ہاتھ ڈالا اور ایک بیج بمع کارڈ کے اس کے سامنے لہرایا۔ ہاشم کے جبڑے کی رگیں تن گئیں۔ اس نے تھوک نگلا۔

''سو.... تم لوگ سرکاری خفیہ ایجنسی کے آفیسرز ہو۔ گڈ۔ گڈ۔'' اس نے کمالِ ضبط سے سر کو دو تین دفعہ اثبات میں ہلایا۔ ''مجھ سے کیا بات کرنی ہے۔''

''مسٹر کاردار' آپ کے خلاف terror financing کے الزام ہیں۔ ہمیں آپ سے اس حوالے سے بات کرنی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ اپنی بیٹی کے لئے کافی پریشان ہیں مگر وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمیں آپ کو یہاں سے لے جانا ہے۔''

''پہلی بات۔ مجھے اریسٹ وارنٹ دکھاؤ۔'' وہ انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کرتے ہوئے بولا۔ ''دوسرا.... میں امریکی شہری ہوں' میرے پاس مرینڈا رائیٹس (خاموش رہنے کے حقوق) ہیں۔ میں اپنے وکیل کی موجودگی کے بغیر کچھ نہیں کہوں گا۔ تیسرا' مجھے اپنی ایمبیسی کال کرنی ہے' اور ایک امریکی شہری کو حراست میں لیتے وقت تم لوگوں کو لازمی میری ایمبیسی سے ڈیل کرنا ہوگا' اور چوتھی بات' میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں اگر تم مجھے اپنے وکیل کو کال کرنے دو' اور ہاں' میں ہتھکڑی نہیں لگواؤں گا۔ کوئی مجھے ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔''

''مسٹر کاردار!'' چشمے والا دو قدم آگے آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''ہم آپ کو گرفتار نہیں کرنے آئے۔ ہم ایجنسی کے لئے کام کرتے ہیں۔ پولیس گرفتار کرتی ہے' ہم صرف اغوا کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم وکیلوں' عدالتوں اور سفارت خانوں کے جھنجھٹ میں نہیں پڑتے! ہمارے ہاں ملزم نہیں ہوتے' صرف مجرم ہوتے ہیں۔ اور ہم.... مجرم کو.... صفائی کا حق.... نہیں دیا کرتے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ہاشم کو گریبان سے پکڑا' گاڑی سے لگایا' دوسرے آفیسر نے اس کا جبراً رخ موڑا' پھر اس کے بازو پیچھے لے جا کر زبردستی کلائیاں قریب لے کر آیا'

اوران میں ہتھکڑی ڈال کر کلک کے ساتھ بند کی۔ ہاشم سرخ پڑتا چہرہ لئے ضبط سے کہہ رہا تھا۔ ''مجھے اپنی ایمبیسی کو کال کرنی ہے۔ میں اپنے رائیٹس جانتا ہوں۔''

''ہاشم کاردار....'' اس نے ہاشم کے کان کے قریب جا کر کہا۔ ''آج سے آپ ایک مسنگ پرسن ہیں۔'' اور دوسرے نے اس کے منہ پہ سیاہ بیگ گرادیا۔ ساری دنیا جیسے بجھ گئی تھی۔ اندھیرا.... تاریکی.... ہر سو تاریکی.....

انٹروگیشن روم میں چھت پہ ایک تیز.... سورج جیسی تیز اور آگ جیسی جھلساتی روشنی والا بلب جھول رہا تھا۔ باقی کمرہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ ایک میز بچھی تھی جس کے اوپر ہاشم بیٹھا تھا۔ کہنیاں میز پہ جمار کھی تھیں اور وہ چندھیائی ہوئی آنکھیں مل رہا تھا۔ سامنے چشمے والا آفیسر بیٹھا تھا' مگر اب اس نے چشمہ نہیں پہن رکھا تھا۔ وہ ایک کھلی فائل کو دیکھتے ہوئے کڑے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''تم نے ہاشم کاردار کورٹ میں آن ریکارڈ عسکری گروپس کے بارے میں ایسی معلومات دی ہیں جو جینوئن ہیں۔ تمہیں کیسے معلوم ہوئیں وہ باتیں اگر تم ان کا حصہ نہیں ہو تو؟''

ہاشم ٹیک لگا کر بیٹھا اور نفی میں سر ہلایا۔ ''اپنے وکیل اور ہائی کمشنر کی غیر موجودگی میں میں ایک لفظ بھی نہیں بولوں گا۔''

''تم نے شوال کی مسجد کے نیچے واقع عسکری ٹریننگ سینٹر کا ذکر کیا تھا۔ وہ انتہائی حساس معلومات تمہیں کیسے ملیں؟'' پھر وہ آگے ہو کر طنز سے بولا۔ ''کیا تم نے غلطی سے بول دیا تھا۔''

''Oops!'' ہاشم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شانے اچکائے۔ وہ بہت ڈھیٹ تھا۔ آفیسر مسکرایا۔

''ہم شروع لائٹ ٹارچر سے کرتے ہیں!'' بلب کی طرف اشارہ کیا۔ (جس سے ہاشم کے سر میں درد ہونے لگا تھا مگر وہ ضبط سے مضبوط اعصاب کا مظاہر کرتا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔) ''پھر مختلف اقسام کے ٹارچرز اپلائی کرتے ہیں۔ کچھ نہیں بولو گے تو کسی بے نشان قبر میں دفنا آئیں گے۔ لیکن اب تم سورج نہیں دیکھ سکو گے کاردار۔''

''مجھے چوبیس گھنٹے کے اندر عدالت میں پیش کرنا ہے تمہیں۔''

''تمہارے پاس فی الحال ایسا کوئی حق نہیں۔''

''ہے۔ میرے پاس خاموش رہنے کا حق ہے۔'' وہ اطمینان سے بولا تھا۔ ''میں امریکی شہری ہوں' میرے پاس مرینڈا رائیٹس ہیں' اور میں پاکستانی شہری بھی ہوں' میرے پاس آرٹیکل تیرہ موجود ہے۔''

''تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ تم نے کورٹ میں بہت کچھ بولا ہے۔ اپنے منہ سے تم نے اپنے لیے گڑھا کھودا ہے۔''

''تب میں ملزم نہیں تھا۔ اب ہوں۔ تب میرے پاس خاموشی کا حق نہیں تھا۔ اب ہے۔'' ہاشم نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ''جب بھی کوئی انسان ملزم بنتا ہے تو یہ حق اس کو فوراً مل جاتا ہے اور....'' وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔ لب کھل گئے.... آنکھوں میں شاک سا ابھرا.... ''انہوں نے مجھے میرا حق نہیں استعمال کرنے دیا۔ اسی لئے....'' وہ چونکا تھا۔ ایک دم سے سارے پزل حل ہو گئے تھے...

.....❖❖❖.....

بس نام رہے گا اللہ کا

وہ اپنے سرونٹ روم سے خاموشی سے نکلی اور بلی کی چال چلتی ہوئی گھر کی پچھلی سمت جانے لگی۔ آج اسے درخت پہ چڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف انیکسی کے عقب میں موجود پرانا چھوٹا دروازہ کھول دیا تو دیکھا.... وہ سرخ مفلر اوڑھے سامنے کھڑا تھا' اور جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے۔

''میرے پیسے لائے ہو؟'' ملازمہ نے اشتیاق اور دلچسپی سے پوچھا۔ اس نے پینٹ کی جیب سے خاکی لفافہ نکالا اور اس کی طرف

بڑھایا۔ ''گن لو۔ پورے ہیں۔''

وہ لفافہ تھامتے ہوئے مسکرائی۔ ''مجھے تمہارا یقین ہے فارس! تم میرے مالکوں جیسے نہیں ہو۔'' اور یہ کہہ کر فیونا نے گردن موڑ کر دور نظر آتے قصر کا دار کو دیکھا۔

سرخ مفلر والا شخص دو قدم قریب آیا تو اس کا چہرہ چاند کی روشنی میں واضح ہوا۔ وہ زخمی انداز میں مسکراتا ہوا فارس تھا۔ ''تھینک یو فیونا۔ تم نے میری بہت مدد کی۔ تم نہ ہوتیں تو میں سعدی کا پاسپورٹ ہاشم تک نہ پہنچا سکتا' اور پھر' مجھے اس کے لاکر سے اس کے قیمتی کاروباری کاغذ کون لاکر دے سکتا تھا بھلا۔''

''میں نے یہ سب صرف پیسوں کے لئے کیا ہے فارس۔ میری کے ہوتے ہوئے میں یہاں راج نہیں کر سکتی تھی' میں نے جان لیا تھا۔ اور اب....'' اس نے لفافہ اٹھا کر دکھایا۔ ''میں اپنے ملک واپس جا رہی ہوں' اور وہ کیا کہا تھا تم نے' کیا ہے میرے نام کا مطلب؟''

''فیونا... یعنی گوری' خوبصورت لڑکی۔'' وہ مسکرا کے بولا۔

''ہاں' اب میں اپنے نام کی طرح خوبصورت زندگی گزاروں گی۔ اور میں کوشش کروں گی کہ مسز کاردار کی طرح نہ بن جاؤں۔''

''پیسہ ختم ہو جاتا ہے فیونا' اچھے کام باقی رہتے ہیں۔'' پھر اس نے گھڑی دیکھی۔ ''میں چلتا ہوں۔ زمر نے نئے گھر میں سب کو ڈنر پہ مدعو کر رکھا ہے اور میں لیٹ نہیں ہونا چاہتا۔ یہ ہماری آخری ملاقات تھی۔ بون وواج۔'' مسکرا کے ہاتھ اٹھا کر الوداع کہتا وہ مڑ گیا۔ پھر اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور جاتا گیا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھے گئی۔ بالآخر وہ اب اس اونچے محل اور اس کی سازشوں سے آزاد ہونے جا رہی تھی.....

اور انٹروگیشن روم میں بیٹھا ہاشم جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ ایک دم چونک کر تفتیشی افسر کو دیکھنے لگا۔ ''انہوں نے مجھے میرا خاموشی کا حق استعمال نہیں کرنے دیا۔ میں مجرم تھا' سعدی کے اغوا کا' مگر انہوں نے مجھے نامزد نہیں کیا' کیونکہ جس لمحے میں ملزم بنتا' میں خاموش ہو جاتا....'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بول رہا تھا۔ ''میں اپنا وکیل کر لیتا۔ مگر وہ چاہتے تھے.... کہ میں بولتا رہوں۔'' گویا کرنٹ کھا کر اسے دیکھا۔ ''وہ تم نہیں تھے۔ تم نے مجھے سعدی کا پاسپورٹ نہیں دیا تھا۔ وہ گمنام میسیجز کرنے والے... وہ تم نہیں تھے... وہ.... وہ فارس تھا۔ ڈیم اِٹ۔ اس نے مجھے سیٹ اَپ کیا ہے۔'' اس نے بے بسی بھرے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔

''کاردار' تمہاری ٹوئیٹس کو بھی ہم نے decrypt کر لیا ہے' تمہاری وہ ریٹڈم نمبرز والی ٹوئیٹس ہر دہشت گردی کی واردات کے بعد آتی تھی' اور وہ خفیہ کوڈز پہ مشتمل ہوتی تھی۔ اور جواب میں ایک معروف عسکری ونگ کا سربراہ شوال سے ٹویٹ کیا کرتا تھا' وہ بھی اسی شفٹ سائیفر پہ مشتمل ہوتی تھیں جو تم استعمال کر رہے تھے....''

''ڈیم اِٹ میں نے کوئی ٹوئیٹس نہیں کیں۔'' اس نے غصے سے میز پہ ہاتھ مارا۔ ''دیکھو وہ مجھے پھنسا رہا ہے۔ اس نے بولا کہ وہ میرے ساتھ کام کرنا چاہتا ہے' میں صرف اسکے کہے پہ عمل کر رہا تھا۔ میں کسی کوڈز کے بارے میں نہیں جانتا۔ اوہ ڈیم اِٹ!'' اس نے پیشانی انگلیوں سے دبائی۔ سر پہ جھولتا تیز بلب.... اردگرد کا اندھیرا.... اس کا سر پھٹنے کو تھا....

''تم نے دہشت گردوں کے بارے میں جو باتیں کہیں وہ سچ تھیں' مگر ہم جانتے ہیں کہ سعدی اس وقت سری لنکا میں تمہاری قید میں تھا۔ سارا ملک جانتا ہے۔ تو پھر وہ معلومات تمہیں کون دیتا رہا۔'' وہ بے تاثر انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''وہ.... وہ... سب جھوٹ تھا۔ سعدی دہشت گرد نہیں ہے۔ وہ تو میں اس کو پھنسانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ نہیں نہیں میری بات سنو.... یہ سب غازی نے کیا ہے۔ اس نے مجھے پھنسایا ہے۔ تمہیں... تمہیں وہ پہلے دن سے جانتا تھا۔ تمہیں اس نے بولا تھا نا کہ عدالت میں آؤ اور دیکھو ہاشم کیسے حساس معلومات آن ریکارڈ کہتا ہے۔ ڈیم اِٹ۔'' وہ چکرا کے رہ گیا تھا۔